

انسانی دنیا پر  
میں سلاٹوں کے عروج و زوال  
کا اثر

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مجلس نشریات اسلام  
۱۔ کے۔ ۳۔ ناظم آبادیشن۔ ناظم آبادیت، کراچی ۱۸

انسانی دنیا پر  
مسلمانوں کے عروج و زوال  
کا اثر

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی  
نور اللہ مرقدہ

مجلسِ نشریاتِ اسلام  
۱۔ کے۔ ۳ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد مکہ کراچی ۲۰۰۰ء

جملہ حقوق طباعت و اشاعت پاکستان میں  
بحق فصل ربی ندوی محفوظ ہیں۔

## مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

- ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
- رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند
- صدر مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ
- رکن مجلس انظامی و مجلس دارالمنصفین اعظم گڑھ
- رکن عربی اکادمی دمشق
- رکن مجلس شوریٰ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ
- رکن مجلس تاسیس رابطہ عالم اسلامی مکہ معظمہ
- رکن مجلس عاملہ مقرر عالم اسلامی بیروت
- رکن مجلس انظامی اسلامک سینٹر جنیوا
- سابق وزیٹنگ پروفیسر دمشق یونیورسٹی و مدینہ یونیورسٹی

|          |   |
|----------|---|
| نام کتاب | انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر |
| تصنیف    | مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی       |
| طباعت    | احمد برادرز، ناظم آباد، کراچی                 |
| صفحات    | ۴۰۰ صفحات                                     |
| ٹیلیفون  | 6601817                                       |

ناشر  
فضلہ ربیہ ندوی

مجلس نشریات اسلام ۱۔ ۲۔ ناظم آباد میٹن۔ ناظم آباد، کراچی ۳۔

# انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر

- |  |         |                |
|--|---------|----------------|
| ۱۔ عربی  | (کویت)  | چودھواں ایڈیشن |
| ۲۔ انگریزی   | (لکھنؤ) | چھٹا           |
| ۳۔ اردو  | (لکھنؤ) | گیارہواں       |
| ۴۔ فارسی   | (ایران) | دوسرا          |
| ۵۔ ترکی  | (القرہ) | دوسرا          |
| ۶۔ فرنج اور جنوبی ایشیاء کی بعض دوسری زبانوں میں بھی ترجمہ ہوا ہے۔ |         |                |



# فہرست مضامین

”انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر“

|    |   |                          |  |
|----|---|--------------------------|--|
| ۴۴ | ایرانیوں کی قوم پرستی                     | ۱۱                       | دیباچہ طبعی یا زوہم                      |
| ۴۵ | آتش پرستی اور انسانی زندگی پر اس کے اثرات | ۱۳                       | کچھ کتاب کے متعلق<br>مقدمہ               |
| ۴۶ | بدھ مت اور اس کے تغیرات                   | ۲۳                       | (مصر کے نامور اہل قلم سید قطب کے قلم سے) |
| ۴۸ | وسط ایشیا کی قومیں                        | باب اول                  |  |
|    | ہندوستان مذہبی اجتماعی اور اخلاقی         | بعثت محمدی سے پہلے ۳۱-۸۴ |  |
| ۴۸ | نقطہ نظر سے                               | ۳۱                       | چھٹی صدی مسیحی کی دنیا                   |
| ۴۹ | نرت نئے دیوتا                             | ۳۳                       | اقوام و مذاہب پر ایک نظر                 |
| ۵۰ | جنسی بحران                                | ۳۴                       | مسیحیت چھٹی صدی عیسوی میں                |
| ۵۲ | طبقہ و اربیت                              | ۳۵                       | رومی سلطنت میں مذہبی خانہ جنگی           |
| ۵۵ | بدقسمت شوڈر                               | ۳۶                       | اجتماعی بد نظمی اور معاشی بے چینی        |
| ۵۶ | ہندوستانی سماج میں عورت کی حیثیت          | ۳۷                       | یورپ کی شمالی و مغربی قومیں              |
| ۵۷ | عرب                                       | ۳۸                       | یہود                                     |
| ۵۷ | دور جاہلیت کے بُت                         | ۴۰                       | ایران اور وہاں کی تحریکی تحریکات         |
| ۵۹ | معبودوں کی کثرت                           | ۴۲                       | ایران کی شاہ پرستی                       |

|    |   |  |     |
|----|---|--|-----|
| ۵۹ | اخلاقی و اجتماعی امراض                    | باب دوم                                  | ۸۵  |
| ۶۰ | عورت کا درجہ                              | بعثت محمدی کے بعد                        | ۱۳۱ |
| ۶۱ | قبائلی و خاندانی عصبیت و امتیاز           | بعثت محمدی                               | ۸۵  |
| ۶۲ | جنگ و فطرت                                | جاہلیت پر ایک لہجائی نگاہ                | ۸۶  |
| ۶۳ | دنیا کا عمومی جائزہ                       | جزئی اصلاح کی ناکامی                     | ۸۸  |
| ۶۶ | زمانہ جاہلیت کا سیاسی و معاشی نظام        | پیغمبر اور سیاسی قائد کا فرق             | ۹۰  |
| ۶۶ | مطلق العنان بادشاہت                       | انسانیت کی صحیح گہ کشائی                 | ۹۲  |
| ۶۸ | مہر و شام کی رومی حکومت                   | جاہلیت اسلام کے مقابلہ پر                | ۹۳  |
| ۷۰ | ایران میں خراج اور یکیں وصول کرنے کا نظام | اولین مسلمان                             | ۹۴  |
| ۷۰ | شاہی خزانے اور ذاتی دولت                  | صحابہ کرام کی ایمانی تربیت               | ۹۷  |
| ۷۱ | طبقاتی تفاوت                              | مدینۃ الرسول میں                         | ۹۸  |
| ۷۳ | ایران کے کسان                             | صحابہ کرام کی ایمانی تکمیل               | ۹۹  |
| ۷۴ | حکام کا رویہ                              | تاریخ کا عظیم ترین انقلاب اور اس کا رستا | ۱۰۱ |
| ۷۴ | مصنوعی معاشرت اور پرعشرت زندگی            | ایمان اور اس کے اثرات                    | ۱۰۱ |
| ۷۸ | حکومت کی دولت ثانی                        | اعتساب نفس اور طاعتِ ضمیر                | ۱۰۵ |
| ۸۰ | عوام کی خستہ حالی                         | امانت و دیانت                            | ۱۰۶ |
| ۸۱ | سرکش دولت مند اور خود فراموش مفلس         | مخلوقات و مظاہر سے بے محبی               | ۱۰۷ |
| ۸۳ | عالمگیر تاریکی                            | بے نظیر شجاعت اور زندگی کی حلاوت         | ۱۰۹ |
|    |   | کمل سپردگی                               | ۱۱۱ |

|  |                                  |  |  |
|--|----------------------------------|--|--|
| ۱۶۰  | جہاد و اجتہاد کا فقدان           | ۱۱۳  | صحیح معرفت                                     |
| ۱۶۳  | اموی اور عباسی خلفاء             | ۱۱۵  | انسانی نگہداشت                                 |
| ۱۶۴  | ملوکیت کے اثرات و نتائج          | ۱۱۶  | ذمہ دار معاشرہ                                 |
| ۱۶۶  | فلسفیانہ موثر گافیاں             | ۱۱۷  | صاحب ضمیر معاشرہ                               |
| ۱۶۷  | شرک و بدعات                      | ۱۱۸  | محبت کا صحیح مصروف                             |
| ۱۶۸  | دعوت و تجدید کا تسلسل            | ۱۱۹  | محبت اور جان نثاری                             |
| ۱۶۹  | صلیبی خطرہ اور زرنگی خاندان      | ۱۲۰  | اطاعت و تابعداری                               |
| ۱۷۱  | صلاح الدین کی قیادت              | ۱۲۱  | نئے افراد اور نئی امت                          |
| ۱۷۲  | صلاح الدین کے بعد                | ۱۲۲  | متوازن انسانی مجموعہ                           |
| ۱۷۴  | جاہلیت کے لئے رکاوٹ              | باب سوم<br>مسلمانوں کا دور قیادت ۱۳۲-۱۵۷                     |  |
| ۱۷۵  | ہنگامہ تاتار                     |  |  |
| مصری افواج کے مقابل میں تاتاریوں کی شکست                           |                                  | ۱۳۲  | مسلمانوں کی قائدانہ خصوصیات                    |
|  |                                  | ۱۴۰  | صحابہ کرام کا امتیاز                           |
| ۱۷۸  | مسلمانوں کے فاتح اسلام کے فتوح   | دنیا اور دنیا کی زندگی کے بارہ میل اسلامی نقطہ نظر و طرز عمل |  |
| ۱۷۹  | تاتاری حملہ کا عالم اسلام پر اثر |  |  |
| میدان قیادت میں عثمانی ترکوں کی آمد اور عالم اسلامی کا ایک سنبھالا |                                  | ۱۴۲  | اسلامی اقتدار اور اسلامی تمدن کے اثرات و نتائج |
|  |                                  | ۱۴۸  | نتائج  |
| ۱۸۱  | ترکوں کی خصوصیات                 | باب چہارم<br>مسلمانوں کا تنزیل ۱۵۸-۱۹۵                       |  |
| ۱۸۳  | ترکوں کا تنزیل                   |  |  |
|  |                                  | ۱۵۸  | مسلمانوں کے تنزیل کا آغاز اور اس کے ابتدا      |



|                                  |   |  |     |
|----------------------------------|---|--|-----|
| ۱۸۴                              | ترکوں کا بنیاد اور پس ماندگی                  | کتب مقدسہ میں بحاق و تحریف اور اس کے نتائج | ۲۱۹ |
| ۱۸۷                              | عالم اسلام کا عام ذہنی و علمی انحطاط          | مذہب و عقیدت کی کشمکش اور اس کے            |     |
| ۱۸۹                              | ترکوں کے مشرقی معاصر                          | کلیسا کے مظالم                             | ۲۲۰ |
| ۱۹۱                              | اولوالعزم افراد                               | اہل تہجد کی مذہب کے خلاف بغاوت             |     |
| ۱۹۲                              | یورپ کی صنعتی و طبیعیاتی ترقیاں               | وبزاری                                     | ۲۲۱ |
| باب پنجم                         |   | روشن خیالوں کی مچلت پسندی                  |     |
| بین الاقوامی سیادت و قیادت ۱۹۶   |   | اور محمود تعصب                             | ۲۲۲ |
| کا مغربی عہد اور اس کے اثرات ۲۷۵ |   | یورپ کی مادیت                              | ۲۲۴ |
| ۱۹۵                              | مغربی تہذیب کا شجرہ نسب                       | مسیحیت یا مادہ پرستی                       | ۲۲۷ |
| ۱۹۷                              | یونانی تہذیب                                  | زہد پرستی                                  | ۲۳۰ |
| ۲۰۳                              | رومی تہذیب                                    | خدا فراموشی و خود فراموشی                  | ۲۳۲ |
| ۲۰۸                              | عیسائیت کی آمد اور رومیوں کا قبول             | مغربی مزاج ایک مشرقی کی نظر میں            | ۲۳۵ |
| ۲۰۸                              | مسیحیت  | روحانیت میں مادیت                          | ۲۳۶ |
| ۲۱۰                              | مسیحیت میں مبت پرستی کی آمیزش                 | اقتصادی وحدۃ الوجود                        | ۲۳۸ |
| ۲۱۳                              | جنونِ رہبانیت                                 | یورپ کا نعرہ لاموجود الّا بطن              |     |
| ۲۱۶                              | فطرت و شمنی کا اثر اخلاق و تمدن پر            | والحدہ                                     | ۲۳۹ |
| ۲۱۷                              | اربابِ کلیسا کی عیش پرستی اور دنیا داری       | ڈارون کے نظریۂ ارتقا کا اثر                | ۲۴۰ |
| ۲۱۸                              | حکومت و کلیسا کی کشمکش                        | وظیفیت و قومیت کا نشو و نما                | ۲۴۱ |
| ۲۱۸                              | اقتدار کا غلط استعمال اور یورپ کے تمدن پر اثر |  |     |

|     |   |         |   |
|-----|---|---------|---|
| ۳۱۴ | باب ہفتم                                      | ۲۴۳     | مغرب کا کبیر اور مشرق کے خلاف تعصب        |
| ۳۱۵ | عالم اسلام زندگی کے میدان میں                 | ۲۴۴     | قومیت کی حد بنیدیاں                       |
| ۳۱۶ | گذشتہ اسلامی قیادت کے اثرات                   | ۲۴۵     | قوم پرستی کے عناصر نفرت اور خوف           |
| ۳۱۷ | مغربی قیادت اور اس کے اثرات                   | ۲۴۸     | قومی عظمت و کبر                           |
| ۳۱۸ | عالمگیر جاہلیت                                | ۲۴۹     | قوم پرست حکومتوں کا میعار عزت و عظمت      |
| ۳۱۹ | اشتراکی روس اور سرمایہ اور مغربی ممالک کا فرق | ۲۵۰     | ہدایت یا تجارت                            |
| ۳۲۰ | ایشیائی اور مشرقی قومیں                       | ۲۵۴     | تجارت و صنعت کا اخلاق کے ساتھ عدم تعلق    |
| ۳۲۱ | سلمان جاہلیت کا حلیف                          | ۲۵۶     | سائنس فک ترقی اور عہد جدید کے اکتشافات    |
| ۳۲۲ | امید کی شمع                                   | ۲۵۶     | صنعتی اکتشافات کا مقصد اور اسلامی تعلیمات |
| ۳۲۳ | دین الہی کا علمبردار اور دنیا کا مقصد         | ۲۶۴     | یورپ میں قوت و اخلاق اور دین کا عدم توازن |
| ۳۲۵ | عالم اسلامی کا پیغام                          | ۲۶۸     | آلات و وسائل کا غلط استعمال               |
| ۳۳۰ | نیا ایمان                                     | ۲۷۱     | ایجادات و اکتشافات کی ہلاکت آفرینی        |
| ۳۳۰ | منوی تیاری                                    | باب ششم |   |
| ۳۳۵ | شعور کی تربیت                                 | ۲۷۶     | مغربی عہد اقتدار میں نیا کے منوی حساسیت   |
| ۳۴۴ | خود غرضی اور نفس پرستی کی گنجائش نہیں         | ۲۷۶     | حادثہ مذہبی کا فقدان                      |
| ۳۴۹ | صنعتی اور جنگی تیاری                          | ۲۸۱     | ذوق خدا طلبی کا عالمگیر فقدان             |
| ۳۵۱ | نئی علمی تنظیم                                | ۲۹۰     | دنیا طلبی کا بحران                        |
| ۳۵۴ | عالم عربی کی قیادت                            | ۲۹۲     | اخلاقی تغیر و زوال                        |
| ۳۵۴ | عالم عربی کی اہمیت                            | ۳۰۲     | پست بہتی و تن آسانی                       |

|     |  |     |                                     |
|-----|--|-----|-------------------------------------|
| ۳۶۲ | تجارت اور مالی نظام میں خود مختاری           | ۳۵۵ | محمد رسول اللہ عالم عربی کی روح ہیں |
| ۳۶۳ | انسانیت کی سعادت کے لئے عربوں کی ذاتی قربانی | ۳۵۷ | ایمان عالم عربی کی طاقت             |
| ۳۷۳ | عالم اسلامی کی توقع عالم عربی سے             | ۳۵۸ | شہسواری اور فوجی زندگی کی اہمیت     |
| ۳۷۵ | اشاریہ (انڈکس) مرتبہ از محمد عیاض الدین ندوی | ۳۶۱ | طبقاتی تفاوت اور اسراف کا مقابلہ    |



## دیباچہ طبع یازدہم

الحمد للہ کہ کتاب انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر کے گیا ہوئی بار  
شائع ہونے کی نوبت آئی، علاوہ متعدد بار شائع ہونے کے اس کو اہل علم اور مصنفین کے حلقہ  
میں جو قبولیت اور وقعت حاصل ہوئی ناچیز مصنف کو اس کا پہلے سے کوئی اندازہ نہ تھا۔  
کتاب کانگریزی ترجمہ (ISLAM & THE WORLD) (اسلام اینڈ دی ورلڈ)  
کے نام سے کئی سال پہلے شائع ہو کر مقبول ہو چکا ہے، اس سلسلہ میں قارئین کو یہ معلوم کر کے  
دل چسپی اور خوشی ہوگی کہ جب اس کتاب کو اس ادارہ نے اپنے علمی مشیروں اور ماہرین فن  
کے سامنے اظہار رائے کے لئے پیش کیا تو ڈاکٹر مکھنم (لندن یونیورسٹی میں ادارہ مشرق وسطیٰ)  
(MIDDLE-EAST SECTION) کے چیرمین نے ان الفاظ میں اس پر تبصرہ کیا کہ کتاب کو

لے اصل کتاب عربی میں لکھی گئی تھی، وہ عرب دنیا میں جتنی مقبول ہوئی، اس کا اندازہ اس سے  
کیا جاسکتا ہے کہ اس کے چودہ قانونی ایڈیشن نکل چکے ہیں، غیر قانونی ایڈیشن جو مصنف کی اجازت  
اور علم کے بغیر شائع ہوئے وہ بیسٹا سے زیادہ ہوں گے، بعض (قانونی) ایڈیشن ایک لاکھ کی تعداد  
میں شائع ہوئے اور جلد نکل گئے۔

برطانیہ سے شائع ہونا چاہئے، کیونکہ اس صدی میں مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کی جو کوشش بہتر سے بہتر طریقہ پر ہوئی ہے، اس کا یہ نمونہ اور تاریخی دستاویز ہے، ادارہ نے اس کو ایک دوسرے صاحب نظر اور ماہر اسلامیات نامور مشرق پر وفیسر منٹاگرمی واٹ صدر شعبہ اسلامیات ایڈنبرا یونیورسٹی کے حوالہ کیا کہ وہ اپنی فیصلہ کن رائے دیں انھوں نے اس کتاب کو اشاعت کا سختی قرار دیا اور اس کی طباعت کی نائید کی۔

ایران کے ایک سنجیدہ اور باوقار اسلامی ادارہ جلسات علمی اسلام شناسی (رقم) نے اس کا فارسی ترجمہ "با صنعت مسلمین دنیا و خطر سقوط" کے نام سے شائع کیا ہے، معلوم ہوا ہے کہ وہ ایران میں شوق اور دل چسپی سے پڑھا جا رہا ہے، ترکی میں وہ کئی بار شائع ہوئی، اور ذوق و شوق سے پڑھی گئی، افریقہ میں بھی اس کے ترجمہ کی اجازت مانگی گئی اور مصنف کی طرف سے اجازت دی گئی، جنوبی ایشیا کی بھی مختلف زبانوں میں کتاب کا ترجمہ ہوا۔

کتاب کی کیمیا کی وجہ سے کتاب کی جو طلب خواہش پیدا ہو گئی تھی امید ہے کہ اس جدید اشاعت سے اس کی تکمیل ہوگی۔

ابوالحسن علی ندوی

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام

مدتہ العلماء بکھنؤ

محرم الحرام ۱۴۱۳ھ

۹ جولائی ۱۹۹۳ء

## کچھ کتاب کے متعلق

الحمد لله رب العالمین، وصلى الله على سيدنا ومولانا محمد وآله واصحابہ اجمعین.

پیش نظر کتاب کا ابتدائی تخیل ایک مضمون سے زیادہ نہ تھا، ابتداء میں خیال تھا کہ اجمالی طور پر ان نقصانات کی نشان دہی کی جائے جو مسلمانوں کے تنزل و زوال اور دنیا کی قیادت و رہنمائی سے کنارہ کش ہو جانے سے انسانیت کو پہنچے اور دکھایا جائے کہ زندگی کے نقشہ میں ان کی جگہ اور قوموں کی صف میں ان کا مقام کیا ہے؟ اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ مسلمانوں کو اس مہجرانہ کوتاہی کا احساس ہو جو انھوں نے انسانیت کے حق میں کی اور اس کی تلافی اور اصلاح حال کا جذبہ ان کے اندر پیدا ہوا اسی کے ساتھ دنیا کو اپنی اس بدقسمتی کا بھی علم ہو جس سے اس کو مسلمانوں کی قیادت سے محروم ہو جانے کی بنا پر دوچار ہونا پڑا، اس کو محسوس ہو کہ حالات میں کوئی بڑی تبدیلی اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ دنیا کی قیادت مادہ پرست اور خدا ترس انسانوں کے ہاتھ سے نکل کر ان خدا ترس اور خدا ترس انسانوں کے ہاتھ میں نہ پہنچ جائے جو پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں اور انھیں کی ہدایات اور تعلیمات سے روشنی اور رہنمائی حاصل کرتے ہیں اور ان کے پاس آخری پیغمبر کی شریعت اور دین و دنیا کی رہنمائی کا مکمل دستور موجود ہے۔

اس مقصد کے لئے عام انسانی تاریخ، نیز اسلامی تاریخ کا اجمالی جائزہ لیا گیا اور دکھایا گیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کس جاہلی ماحول میں ہوئی، انسانیت کس پستی کو پہنچ چکی تھی، آپ کی دعوت اور تربیت نے کس طرح کی امت تیار کی اس امت کے عقائد و اخلاق اور سیرت و تربیت کیا تھی، اس نے کس طرح دنیا کی زمام قیادت اپنے ہاتھ میں لی اس کے اقتدار اور امامت کا دنیا کی تہذیب اور زندگی اور لوگوں کے رجحانات اور کردار پر کیا اثر پڑا، کس طرح دنیا کا رخ ہمہ گیر خدا فراموشی اور مجموعی جاہلیت سے ہمہ گیر خدا پرستی اور اسلام کی طرف تبدیل ہوا، پھر کس طرح اس امت میں غلط اور زوال کا آغاز ہوا اور اس کو دنیا کی امامت اور قیادت سے علیحدہ ہونا پڑا، اور کس طرح یہ قیادت کمزور و غافل خدا شناسوں کے ہاتھ سے نکل کر طاقتور نا خدا شناس اور مادہ پرست یورپ کی طرف منتقل ہوئی، خود یورپ میں اس مادہ پرستی اور مذہب بیزاری کا کس طرح ظہور اور ارتقا ہوا، مغربی تہذیب کا اصلی مزاج کیا ہے اور اس کا خمیر کن عناصر و اجزاء سے تیار ہوا ہے، یورپ کے اقتدار اور اس کی قیادت نے دنیا پر کیا اثر ڈالا اور زندگی کو کس طرح متاثر کیا، دنیا کا رخ کیا ہے، اور مسلمانوں کی کیا ذمہ داری ہے اور وہ اس ذمہ داری کے کس طرح عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔

تحریر کے دوران ہی میں صفت کو محسوس ہو گیا کہ مضمون ایک مقالہ کا نہیں بلکہ مبسوط کتاب کا ہے اور اس کتاب کی تالیف وقت کی ایک اہم ضرورت ہے، خود مسلمانوں کا ذہن اس بارہ میں صاف نہیں ہے، وہ اپنا زندگی سے کوئی تعلق اور ربط محسوس نہیں کرتے اور اس دنیا کی اپنے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں سمجھتے، بہت سے لوگ ایسے ہیں جو مسلمانوں کے زوال کو ایک قومی حادثہ اور مقامی واقعہ سمجھتے ہیں، اور ان کو مطلقاً اس کا احساس نہیں کریں گے، کتنا بڑا عالمگیر سانحہ اور انسانیت کی کیسی بڑی قسمی تھی، واقعہ یہ ہے کہ اس حقیقت کو نظر انداز

کر کے ہم نہ اسلامی تاریخ کو سمجھ سکتے ہیں نہ انسانی تاریخ کو، نہ اس دور کی صحیح تشخیص کر سکتے ہیں، جو ابھی دنیا میں قائم ہے، نہ اس عالمگیر انقلاب کے صحیح اسباب بتا سکتے ہیں جو دنیا کی تاریخ میں رونما ہوا، اور وہ اسلامی انقلاب کے بعد سے بڑا انقلاب ہے، فرق یہ ہے کہ پہلا انقلاب شر سے خیر کی طرف تھا، یہ خیر سے شر کی طرف ہے، پہلا انقلاب بحشتِ محمدی اور دعوتِ اسلامی کے عروج کا نتیجہ تھا، دوسرا انقلاب امتِ محمدی کے انحطاط اور دعوتِ اسلامی سے تغافل کا نتیجہ ہے، پہلے لوگوں میں خود اعتمادی کی روح اسلام کی طرف بازگشت کا جذبہ اور جوشِ عمل پیدا کرنے کے لئے بھی ضروری ہے کہ ان کو اپنا مقام یاد دلایا جائے اور بتلایا جائے کہ وہ دنیا کی تعمیر و تشکیل کے اہم اور مقدس کام میں ایک موثر و فعال عنصر (FACTOR) ہیں، کسی چلتی ہوئی مشین کا پرزہ اور کسی ایلیٹ کے بازی گراور قتال (ACTOR) نہیں ہیں۔

جس ملک ماحول سے مصنف کا تعلق تھا، اور جہاں اس کتاب کی تصنیف کا خیال پیدا ہوا تھا، اس کا اقتضا تھا کہ یہ کتاب اس ملک کی زبان (اردو) میں تصنیف کی جائے لیکن ایک خاص خیال کے ماتحت اس کتاب کی تصنیف کے لئے اردو کے مقابل میں عربی کو ترجیح دی گئی۔ عربی زبان کی ترجیح و انتخاب کا محرک باعث یہ احساس تھا کہ عرب ممالک اس احساسِ کبر اور مرضِ خود فراموشی کا سب سے زیادہ شکار ہیں، دنیا نے اگرچہ انھیں سے نئی زندگی اور نیا ایمان پایا ہے، لیکن آج انھیں کی فضا سب سے زیادہ خاموش اور انھیں کا سمندر سب سے زیادہ پرسکون ہے، اقبال نے آج سے چند برس پہلے ان ملکوں کو دیکھ کر یہی نہیں کہا تھا کہ ۷

سنی نہ مصر و فلسطین میں وہ اذان میں نے دیا تھا جس نے پہاڑوں کو غرہ و سیاہ

وہ سجدہ روح زمین جس سے کانپ جاتی تھی اسی کو آج ترستے ہیں بنبر و محراب

یوں کہ قریب مخصوص سیاسی حالات اور ان دیوانوں کی کمی سے جو خوش قسمتی سے ہندوستان کی



سرزمین میں برابر پیدا ہوتے رہے اور عرب کی مقدس سرزمین عرصہ سے ان کے وجود سے محروم تھی عرب کو یورپ کی شیشہ گری اور فرزانگی کا آسانی سے نکار بن جانے دیا شیخ حسن البنا و عوام ان کی تحریک اور جماعت الاخوان المسلمون پہلے پورے مشرقِ اوسط میں کوئی طاقتور اسلامی تحریک اور جہد نہیں تھی اور کہیں بے صبری اور اولوالعزمی کے آثار نظر نہیں آتے تھے لوگوں نے یا تو زمانہ سے صلح کر لی تھی یا یاس ہو کر بیٹھ گئے تھے یا بہاؤ پر اپنی کشتی ڈال دی تھی، ان ممالک کے حالات پر نظر رکھنے والا اور ان کے ماضی و حال کا موازنہ کرنے والا بڑے درد و حسرت سے کہہ رہا تھا۔

قافلہ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں گرہ ہے نابھہ بھی گیسوئے دلہ و فرزند

اس تکلیف دہ احساس نے فلم کا رخ اردو سے عربی کی طرف موڑ دیا عرب اپنی تاریخ اور اپنے جزو فیہ کے اعتبار سے اس کے اہل ہیں کہ بین الاقوامی سیادت نبھالیں اور پوری امتدین دنیا پر اثر ڈالیں ان ممالک بجز احمد اور بحرِ متوسط کے کسے واقع ہیں وہ مغرب و مشرق بعید کے درمیان میں ہیں نئے عالمگیر انقلاب و اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے عرب ملک اور مشرقِ اوسط سے زیادہ موزوں سرزمین کوئی اور نہیں ہو سکتی یہ سب بابِ محرکات تھے جن کی بنا پر ہندی نثر اور مصنف نے عربی زبان کو اس اہم موضوع کے لئے انتخاب کیا اور یہ کتاب سب سے پہلے عربی میں لکھی گئی جس کا نام "ماذا اخر العالم بالخطاط المسلمین" تھا۔

اسی عرصہ میں (۱۹۳۷ء میں) حجاز کا پہلا سفر پیش آیا وہاں پہلی بار مصنف کتاب کو اس ملک اور اہل ملک کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا جن کے لئے یہ کتاب تصنیف کی گئی تھی حجاز کے قیام اور عالم عربی کے لوگوں سے تعارف نے اس خیال کو اور تقویت پہنچائی اور اس کتاب کے جلد سے جلد شائع ہونے کی ضرورت کا احساس بے انتہا پیدا ہوا کہ معظمہ کے دوران قیام میں مصنف کو محسوس ہوا کہ کتاب کا پہلا باب بہت تشنہ ہے ضرورت ہے کہ جاہلیت کے خدخال کو پوری وضاحت سے پیش کیا جائے اور پوری تفصیل سے دکھایا جائے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت

دنیا کی حالت کیا تھی، اور وہ کیا دینی و اخلاقی، اجتماعی، سیاسی و معاشی ماحول تھا جس میں اسلام کی دعوت نمودار ہوئی، اسلامی انقلاب کی عظمت اور اس کا محیر العقول کارنامہ اس وقت تک نہیں آسکتا جب تک کہ جاہلیت کا پورا ماحول اور اس کا نقشہ سامنے نہ ہو اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ جاہلیت کا پورا ستر پیش کیا جائے اس موقع پر معینوم بد کہ جاہلیت کے متعلق بہت کم مواد یکجا ملتا ہے کچھ منتشر معلومات ہیں جو ہزاروں صفحات اور میوڑا کتابوں میں تفرق ہیں اس کو جمع کرنا اور ان منتشر و تفرق اجزاء سے جاہلیت کا پورا مرقع تیار کرنا جس سے اس دور کی پوری زندگی سامنے آجائے سیرت نبوی کی بہت بڑی خدمت ہے کہ معظم میں مصنف کو قدیم و جدید عربی مطبوعات کا ایسا ذخیرہ ملا جس سے اس موقع کی تیاری میں بڑی بڑی ہندستان میں بھی مطالعہ تحقیق کا سلسلہ جاری رہا اور یہ باب تکمیل کو پہنچ کر کتاب میں شامل ہوا اور اس کے کتاب میں محدثہ اضافہ ہوا۔ اسی کے ساتھ اس کا بھی خیال پیدا ہوا کہ بعثت محمدی کے اثرات اور دعوت اسلام کے امتیازات خصوصیات کو بھی تفصیل سے بیان کیا جائے اس دعوت کا مزاج اور اس کا طوق کیا ہے انبیاء علیہم السلام اپنے زمانہ کی بگڑی ہوئی دنیا کی کس طرح اصلاح کرتے ہیں ان کی دعوت اور جدوجہد کا انداز دوسرے مسلمانین کے کس قدر مختلف ہے ان کی دعوت کا رد عمل و استقبال کس طرح ہوتا ہے جاہلیت کس طرح ان کے مقابلے میں آتی ہے اور کیا حربے استعمال کرتی ہے وہ کس طرح اپنے قبیحین کی تربیت کرتے ہیں پھر ان کی دعوت کس طرح فتح حاصل کرتی ہے اور کس طرح کے اثرات و نتائج ظہور میں آتے ہیں یہ کتاب کا ایک ضروری باب ہے جس کے بغیر یہ کتاب نامکمل رہتی۔ مصنف کو اس کا انتظار اور اہتمام تھا کہ یہ کتاب مصر میں کسی وقیع ادارہ کی طرف سے

لے کر معظم میں حاجی عبدالوہاب صاحب بلوی کا قیمتی کتب خانہ اور ہندوستان میں مولانا عبدالمجید دریابادی کا منتخب ذخیرہ کتب باب کی ترتیب میں مصنف کے لئے بہت مددگار ثابت ہوا۔

شائع ہوا اور اس کا شایان شان تعارف ہوتا کہ اس سے وہ مقصد حاصل ہو جو مصنف کے پیش نظر  
 تھا اور اس کے انتظار کے بعد کتاب کی اشاعت لجنۃ النالیف والترجمة والنشر کو انتخاب کیا گیا جو  
 مصر کا ایک سنجیدہ اور باوقاری تصنیفی ادارہ اور دارالاشاعت ہے اور جو اپنی بلند پایہ علمی مطبوعات  
 و تالیفات کی وجہ سے پورے مشرق اوسط میں شہرت اور وقت حاصل کر چکا ہے کتاب پر مقدمہ  
 لکھنے کے لئے اسی ادارہ کے صدر ڈاکٹر احمد امین (سابق پرنسپل کلیۃ الادب جامعہ مصر) کو  
 زحمت دی گئی جو اپنی مشہور تالیفات "نجر الاسلام" "فتحی الاسلام" کی بنا پر عالمگیر شہرت حاصل کر چکے  
 ہیں مصنف کتاب پر ان کی سلامت نکروقت نظر اور اصابت رائے کا اچھا اثر تھا، کتاب کی مرہ  
 ان کی خدمت میں بھیجی گیا اور ان سے مقدمہ لکھنے کی فرمائش کی گئی، انھوں نے کیٹی سے اس کتاب کی  
 اشاعت کی پرزور سفارش کی اور مصنف سے مقدمہ لکھنے کا وعدہ کیا کتاب کی اشاعت کے بعد معلوم ہوا کہ  
 مصنف نے مقدمہ نگار کے انتخاب میں غلطی کی کسی کتاب پر مقدمہ لکھنے کے لئے مقدمہ نگار کا حکم انکار  
 دقیق النظر اور وسیع المطالعہ ہونا کافی نہیں اس کی بھی ضرورت ہے کہ مقدمہ نگار کو کتاب کے موضوع سے  
 ہمہ مدی اور اس کے نتائج بحث سے اتفاق ہو اور وہ مصنف کے مقصد کا پرجوش راہی اور کیل ہو اس پر  
 پورا یقین رکھتا ہو اور اس کی کامیابی کا دل متبے ہی ہو، مقدمہ نگار میں ان خصوصیت کی کمی تھی وہ محض  
 مصنف و مفکر اور ایک کامیاب مؤرخ ہیں اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور اس کی عالمی قیادت کی طرف وہ کچھ  
 زیادہ پرامید نہیں وہ اس کو بھی ایک علمی اور تاریخی مسئلہ کی طرح پیش کرتے ہیں مگر اس کے لئے اپنے دل میں  
 کوئی خاص جذبہ اور ولولہ نہیں رکھتے اس طرح ان کو دراصل کتاب کی اصل روح سے کوئی خاص مناسبت  
 نہیں تھی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کا مقدمہ روح اور تاثیر سے خالی اور ایک ضابطہ کی خانہ پڑی زیادہ  
 نہ تھا، مصر و شام و فلسطین و حجاز میں ہر جگہ یہ محسوس کیا گیا کہ مقدمہ نے کتاب کی قدر و قیمت میں اضافہ  
 کرنے کے بجائے اس کی روح کو نقصان پہنچایا ہے اور کتاب کو ہکا کر دیا ہے لیکن تیر کرمان کل چکا تھا

اور مصنف کو اپنی غلطی کا احساس تھا، بایں ہمہ کتاب کا "لجنة التأليف والترجمة والنشر" کے شائع ہونا تاکہ کے لئے مفید ہو، کتاب ان حلقوں میں بھی پہنچ گئی جہاں خالص دینی کتابیں اور اسلامی دعوت کے سلسلہ کی چیزیں آسانی سے یا نہیں پائیں، لہذا میں جب مصنف کتاب کو شرق اور وسط کی سیاحت کا موقع ملا تو اس کو یہ دیکھ کر حیرت بھی ہوئی اور سرت بھی کہ کتاب بڑے شوق سے پڑھی گئی تھی اور بڑی گرجوشی سے اس کا استقبال ہوا تھا، کتاب کی اشاعت کے دو تین مہینے کے اندر اندر وہ تمام عرب ملکوں میں پہنچ گئی تھی، اسلامی حلقوں میں ہاتھ لگی گئی تھی اور اسلامی فکر کے حلقوں نے بطور خود اس کی اشاعت اور تبلیغ کی تھی، مصر میں انخوان کے ذمہ داروں نے اس کو اپنی تعلیمی و تربیتی سلسلہ میں شامل کیا تھا، اور مطالعہ و تربیت کے حلقوں سے لے کر جیل خانوں تک اس کی اشاعت کی تھی، عدالت کی بخشوں اور پارلیمنٹ کی تقریروں تک میرا اس سے استفادہ و اقتباس کیا گیا تھا، جدید قدیم دونوں حلقوں نے اس کی پذیرائی کی، جہاں یہ بات مصنف کے لئے سرمایہ ستاد اور موجب شکر ہے، وہاں عیروں کی فراخ دلی، عالیٰوصلگی اور حق پرستی کا بین ثبوت ہے، کتاب کی جو پذیرائی اور اس کے گناہ اور عیروں کی مصنف کی جو وصلہ افزائی ان عرب ملکوں میں ہوئی اس کی توقع اپنے ملک میں بھی نہیں کی جاسکتی۔

مصر کے دوران قیام ہی میں کتاب کی دوسری اشاعت کی نوبت آگئی اس موقع پر مصنف کے مخلص دوست اور کتاب کے خاص قدردان ڈاکٹر محمد یوسف مولیٰ مرحوم (سابق انستاد جامع ازہر) پر وفیسر اسلامی قانون قاہرہ یونیورسٹی) نے اپنی کمیٹی "جماعة الاشراف للنشر والتأليف" کی طرف سے طبع ثانی کی پیش کش کی، اور مصنف کے ایسا سے ڈاکٹر احمد امین سے اس کی اجازت حاصل کر لی اس موقع پر سابق غلطی کی تلافی کا امکان پیدا ہوا، اب اس کا موقع تھا کہ مقدمہ کے لئے ایسے موزوں شخص کا انتخاب کیا جاسکے جو کتاب کے مقصد اور روح پر پورا یقین رکھتا ہو اور اس کا پرجوش وکیل اور داعی ہو، اس مقصد کے لئے موزوں ترین شخصیت یہ قطب کی ہو سکتی تھی، یہ قطب مصر جدید میں اسلامی فکر اور اسلامی دعوت کے سب سے بڑے

علمبردار ہیں ان کا قلم ادھر چند برسوں کے نوجوانوں پر اسلامی روح اور خود اعتمادی پیدا کرنے کے لئے وقت ہے ان کی ذات میں وسیع النظر عالموں کا مطالعہ جدید ریاضیوں کا زور قلم اور اسلوبِ داعی کا جذبہ اور اخلاص اور نو مسلموں کا جوشِ جمیع ہے وہ اپنے حالات کے لحاظ سے مسلمان خاندان میں پیدا ہونے کے باوجود مسلم ہی ہیں تعلیم و تربیت اور ماحول نے ان کو اسلام سے بہت دور اور ریگانہ کر دیا تھا قرآن مجید کے مطالعہ اور فکر اور مغربی تہذیب کی ناکامی اور افلاس نے ان کو پھر اسلام کی طرف واپس کیا اور وہ نئے جوش و خروش اور اعتماد و یقین کے ساتھ اسلام کی طرف آئے وہ دارالعلوم مصر کے خاں ہیں ان کی ادبی زندگی تنقید ادب سے شروع ہوئی جس پر انھوں نے بہت جلد اپنا مقام پیدا کر لیا "التقدید الادبی" اور "التصویر الفنی فی القرآن" اور "مشاہد القیامہ فی القرآن" اس زمانہ کی یادگار اور ادبی حلقوں کی مقبول اور کامیاب کتابیں ہیں، عرصہ تک حکماءِ تعلیم سے تعلق رہے اس سلسلے میں بعض تعلیمی نظریات کے مطالعہ کے لئے ان کو امریکہ میں کچھ عرصہ قیام کرنا پڑا، وہاں مغربی زندگی کے تاریکیوں کو کھلے طریقہ پر ان کی نظر کے سامنے آئے اور مغربی تہذیب و فلسفہ زندگی کی ناکامی کو انھوں نے بچشمِ خود دیکھ لیا اس کے ایمان یقین اور اسلام کے تعلق میں بڑا اضافہ ہوا اور اسلامی دعوت کا نیا جوش پیدا ہوا، امریکہ سے آنے کے بعد وہ اسلام کے ایک پُر جوش داعی اور مغربی تہذیب کے مبصر ناقد بن گئے اور بہترین جدید اسلامی ادب کی ترتیب میں منہمک ہو گئے، ان کے فکر کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اسلام کو ایک ابدی اور عالمگیر پیغام مانتے ہیں جس کے بغیر دنیا کی نجات اور سلامتی نہیں، ان کے اسلوب کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ معذرت اور راحت کے قائل نہیں وہ مغربی تہذیب کی بنیادوں پر عیشہ چلاتے ہیں اور اپنے حریف پر بڑھ کر حکم کرتے ہیں ان کو اسلام میں کوئی کمزوری اور کمی محسوس نہیں ہوتی اور وہ اس کو ایک مکمل اور جامع دستور حیات کی طرح پورے اعتماد و یقین کے ساتھ پیش کرتے ہیں اس لئے ان کی تحریریں پڑھنے والوں پر اعتماد و یقین کی ایک نئی روح اور مغربی نظامِ فکر کی حقارت پیدا کر دیتی ہیں اور نوجوان ان کی تصنیفات و مقالات سے

بہت متاثر ہوتے ہیں ان کی کتاب "العدالة الاجتماعية في الاسلام" اگرچہ مصنف کو اس کے بعض مقامات اختلاف ہے) اس طرز فکر اور اس طرز تحریر کا کامیاب نمونہ ہے اور جدید اسلامی ادب میں خاص مقام رکھتی ہے۔

یہ قطعاً کتاب کا مطالعہ بڑے ذوق و شوق سے کیا تھا، اور ان کی ہفتہ وار مجلس مذاکرہ میں اس کتاب کی تلخیص اور اس پر بحث و مباحثہ بھی ہوا تھا جس میں مصنف کو بھی حصہ لینے کا اتفاق ہوا تھا، مقدمہ کی فرمائش کو انھوں نے بہ سرت قبول کیا اور ایسا مقدمہ لکھا جس میں کتاب کی پوری روح کھینچ لی، یہ مقدمہ جو اب کتاب کی زینت ہے کتاب میں ایک مستقل باب کا اضافہ کرتا ہے اور اس کا ایک اچھا خلاصہ ہے تیرہ قطع کے فاضلانہ مقدمہ کے علاوہ ڈاکٹر محمد یوسف ہونی مرحوم نے بھی ازراہ کرم ایک مقدمہ یا پیش لفظ تحریر فرمایا جس میں کتاب کے متعلق اپنے قلبی تاثرات اور علمی خیالات کا اظہار کیا، علاوہ بریں مصنف کے بے تکلف دست ڈاکٹر شیخ احمد الشرباشی (استاذ جامع ازہر) نے مصنف کی لاعلمی میں اپنے مخصوص انداز میں صاحب کتاب کا شمار کرایا اور اس کے مختصر حالات زندگی لکھے، ان دونوں مقدموں کے ترجمہ کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

۱۹۴۵ء میں یہ خیال کر کے کہ اصل عربی کتاب کی اشاعت میں معلوم نہیں کتنی تاخیر ہو تو مصنف نے اس کو اردو میں منتقل کر دیا تھا، یہ ترجمہ مسلمانوں کے منزل سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا کے نام سے شائع بھی ہو گیا، اس کتاب کی کتابت و طباعت اور کاغذ موضوع کی اہمیت اور کتاب کی حیثیت کے شایان شان نہ تھا، اس پر ابتدائی دونوں باب "بشت محمدی سے پہلے" اور "بشت محمدی کے بعد" جو ۱۹۴۵ء کے بعد اضافہ کئے گئے تھے) اور متعدد اہم اضافے جو عربی اصل کی اشاعت کے وقت تک نہ ہوئے تھے موجود نہیں تھے اب جب کہ کتاب کے مصر میں ڈیوڈ پبلشرز کلچر کے ہیں اور میرے کی تیاری ہے اور کتاب اپنے مضامین اور اضافات کی بنا پر دو چہرہ ہو چکی ہے اردو میں اس کی از سر نو اشاعت کا خیال پیدا ہوا، ان نئے ابواب و اضافوں کے ترجمے کی فرصت مصنف کتاب کو ملنی بہت مشکل تھی اس لئے یہ خدمت اس نے اپنے عزیز رفیقوں کے سپرد کی، خدا کا شکر ہے کہ انھوں نے بڑی خوبی سے یہ خدمت

انجام دی اس خدمت میں سب سے بڑا حصہ مولوی عبدالرشید صاحب پلواری ندوی استاذ ادب اسلام  
ندوۃ العلماء اور ان کے بعد مولوی محمد راجہ ندوی استاذ ادب ارا العلوم کا ہے کچھ مضامین اور حصے  
برادرزادہ عزیز محمد حسنی سلمہ کے قلم سے ہیں ہر صنف ان تینوں عزیزوں کا شکر گزار اور دعا گو ہے کہ  
ان کی محنت سے یہ کتاب شاعت کے قابل ہوئی اور اب اردو میں انسانی دنیا پر سلمانوں کے  
عروج و غفلت کا اثر کے نام سے شائع ہو رہی ہے۔

مصنف اس کتاب میں کسی انکشاف، خاص تحقیق اور اجتہاد کا مدعی نہیں نہ اپنے بارہ  
میں کسی غلط فہمی میں مبتلا ہے کتاب ایک یا تندرارانہ تاریخی جائزہ ہے اور ایک قدرتی سوال کا قفل  
اور علمی جواب ہے یہ سوال بہت سے دماغوں میں آیا ہوا اور مختلف طریقوں پر اس کا جواب  
دیا گیا ہو مصنف کا کام یہ ہے کہ اس نے اس سوال کو ابھار دیا ہے اور اس کو ایک مستقل موضوع  
بنا کر اس پر تاریخی مواد جمع کر دیا ہے اگر اس سے کسی ضمیر میں نیا شعور اور کسی دل میں نئی غلیظ پیدا  
ہو جاتی ہے تو مصنف اپنے مقصد میں کامیاب ہے ہر صراحۃً انقلاب اور نئی تعمیر کے لئے ضمیر کی  
بیداری اور ذہن کی تیاری ضروری ہے اس کے لئے تاریخ کی با مقصد ترتیب اور ایسی کتابوں  
اور مباحث کی ضرورت ہے جو ایک طرف علمی اطمینان اور قلبی انشراح پیدا کریں دوسری طرف پڑھنے  
والوں میں نیا جوصلہ، نیا یقین اور جوشِ عمل پیدا کر دیں، مبالغہ اور تواضع دونوں سے الگ ہو کر  
یہ کہنے کی جرأت کی جاتی ہے کہ یہ کتاب اپنے موضوع اور مواد کے لحاظ سے اس سلسلہ کی ایک مفید  
اور اہم کمزری بن سکتی ہے اور اس سے اسلامی فکر اور اسلامی دعوت کے تمام حلقے بلا اختلاف  
فائدہ اٹھا سکتے ہیں: دما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب:

الواحد علی

۱۵ ربیع الثانی ۱۳۷۳ھ

لہ حال ڈاکٹر عبدالرشید عباس ندوی سابق پروفیسر جامعہ اتم القریٰ کراچی۔  
ملکہ افسوس ہے کہ ۱۳ جون ۱۹۷۹ء کو عین جوانی میں ان کا انتقال ہو گیا رحمت اللہ علیہ واسمہ

# مقدمہ

مصر کے نامور اہل قلم سید قطب کے قلم سے

عصر حاضر کی اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ مسلمانوں میں خود اعتمادی پیدا کی جائے، ان میں اسی پر اعتماد مستقبل کے بارے میں امید اور حوصلہ پیدا ہو، اس دین پران کا ایمان یقین نازہ اور زندہ ہو جائے جس کا نام تو وہ لینے ہیں لیکن اس کی حقیقت سے نا آشنا ہیں، ان کا تعلق اس دین سے زیادہ تر نسلی اور مروتی ہے، اور انھوں نے اس کو بہت کم سمجھنے کی کوشش کی ہے۔

اس موضوع پر تمام قدیم و جدید لٹریچر میں چند بہترین کتابیں جو میری نظر سے گزری ہیں، ان میں مولانا ابوالحسن علی ندوی کی جدید تصنیف "ماذا اُخسر العالم باخطا المسلمین" (مسلمانوں کے تنزل سے دنیا کو کیا نقصان پہونچا؟) خاص مقام رکھتی ہے۔

اسلام کی تعلیم سروری و جہان بینی کی تعلیم ہے، اس کی ایک اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ دین اپنے ماننے والوں میں بغیر کسی شاہدہ تبرک کے خود داری بغیر کسی فریب نفس کے اعتماد یقین اور بغیر دوسرے پر اعتماد، درصفت کے یقین و توکل کی روح پھونکتا ہے، یہ عقیدہ انھیں متنبہ کرتا ہے کہ ان کے کاندھوں پر پوری انسانیت کی ذمہ داری ہے، روئے زمین پر بسنے والی انسانی جماعت کی تولیت (TRUSTEESHIP) ان کے سپرد ہے، اور ان کا فرض منصبی ہے کہ وہ بھٹکے ہوئے انسانی گلہ کی پاسبانی کریں اور انسانوں کو دین محکم اور صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کا فرض



انجام دیں اور اس روشنی اور ہدایت کے ذریعہ جو ان کو خدا کی طرف سے عطا ہوئی ہے، تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لائیں :-

کُنْتُ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ  
تَمَّ لَوْ كُنْتُ بِهِنَّ جَمَاعَةً يَهْتَدُونَ  
تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ  
عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُقِيمُوْنَ بِاِحْلَالِهِ  
(سورہ آل عمران - ۱۱۰)

وَكَاذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ اُمَّةً وَسَطًا  
اَوْ رَاسِي طَرَحَ هَمَّ نَحْنُ اِيَكُم مَعْدِلَاتِ  
لَعَلَّكُمْ تَؤْشِقُونَ  
بُنَا دِيَارَ تَاْمُرُ كُوَاهِ رَهْوُ كُوَاهِ  
الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ سَپِيْدًا (سورہ بقرہ ۱۲۹)

پیش نظر کتاب اپنے ناظرین کے دل میں انھیں تمام احساسات کو ابھارتی ہے اور ان تمام حقائق کو دل میں اتارتی چلی جاتی ہے لیکن کتاب کا اسلوب یہ نہیں ہے کہ صرف جذبات ابھارے یا عصبیت کا جوش پیدا کر دے اس میں اپنے دعویٰ کے ثبوت میں ٹھوس علمی حقائق سے کام لیا گیا ہے جو بیک وقت وجدان و شعور اور فکر و نظر دونوں کو اپیل کرتے ہیں تاریخی واقعات اور اس عصر کے ماحول و تعلقات ایسے نصفانہ طریقہ پر پیش کئے گئے ہیں، جس میں مصنف کی روشنی صاف چمکتی ہے پھر فیصلہ و اقیقت و صداقت اور قلب و ضمیر کی بصیرت کے سپرد کیا گیا ہے جس کی وجہ سے کتاب کے مباحث کی تمام کریمیاں مربوط اور ایک دوسرے سے پیوست نظر آتی ہیں اور کہیں بھی کسی مسئلہ میں مقدمات سے نتائج اخذ کرنے میں غیر واقفیت یا تکلف کا ثبوت نہیں ملتا، یہ اس کتاب کی اولین خصوصیت ہے۔

اسلام سے پہلے اس دنیا کا کیا حال تھا، مشرق و مغرب، شمال و جنوب کا کیا نقشہ تھا،

چین و عرب اور ہند سے لے کر روم و فارس تک ماحصر دنیا کا عقلی و فکری مزاج کیا تھا اس وقت  
کی سوسائٹی کا کیا رنگ تھا؟ جن مذاہب پر دینِ سماوی کا پرتو تھا، مثلاً یہودیت و نصرانیت یا جو  
بُت پرست مذاہب تھے مثلاً ہندومت، آتش پرست ان کا کیا حال تھا؟ ان تمام باتوں کی اس  
کتاب میں مختصر لیکن بہت جامع اور واضح تصویر کشی کی گئی ہے اور یہیں سے کتاب شروع ہوتی ہے۔  
درحقیقت یہ بہت ہی جامع مرقع ہے جو خطہ ارضی کے صحیح حدود و حال نمایاں کرتا ہے اس  
مرقع کی ترتیب میں مؤلف نے کسی خود رائی اور ضد کا مظاہر نہیں کیا ہے بلکہ وہ اپنے جلیوں غیر مسلم قدیم و جدید  
مصنفین کو بھی لئے ہوئے ہیں جو قد زنا اسلام کے نمائندہ اور اس عہد کو بنانا کے پیش کرنے والے ہیں جو اسلام  
کی طرف موبسٹاؤلف اس دنیا کی تصویر کشی کرتے ہیں جس پر جاہلی روح مسلط تھی اور اس وقت کا انسانی  
صنیر گندہ اور روح متعفن ہو چکی تھی، مہیار اور قدس بگو چکی تھیں غلامی اور کم کا دورہ دورہ تھا اور انسانیت  
کی جڑ ایک طرف مجرمانہ مشرت پسندی اور دوسری طرف نامراد محرومی کے ہاتھوں کھوکھلی ہو رہی تھی  
مزید یہ کہ کفر و جہالت اور ظلمت و ضلالت کے بادل سر پر بند لائے تھے مذاہب چاروں بے بس تھے  
ادیان سماوی پہلے ہی سے تحریف کا شکار ہو چکے تھے اور ان کو گھٹن لگ چکا تھا دلوں سے ان کی  
عظمت نکل چکی تھی یہ مذاہب (خصوصاً نصرانیت) مذہب کے ڈھانچے رہ گئے تھے جن میں نہ کوئی  
روح تھی نہ کوئی زندگی صرف چند بے جان بے روح مراسم کا نام مذہب رہ گیا تھا۔

زمانہ جاہلیت کے اس نقشہ کو پیش کرنے کے بعد مؤلف نے دکھایا ہے کہ تعمیر انسانیت کے  
سلسلہ میں اسلام نے کیا کارنامہ انجام دیا اور جب اس کو کچھ کرنے کا موقع ملا تو کس طرح انسانی روح کو  
اوہم و خرافات سے نجات دلائی، ذلت و غلامی سے کس طرح انسانیت کی گلو غلامی کرائی، مرض و فنا  
ناپاکیوں اور گندگیوں کمزوریوں اور ناتوانیوں سے کس طرح انسان کو نکالا، اور اپنے وقت میں  
اسلام نے کس طرح انسانی معاشرے کو ظلم و سرکشی اور انسانی تہذیب کو انتشار ورتباہی سے بچایا

سماجی طبقہ و اربیت مسلمانین کے جو رقوم سے اور مذہبی طبقہ (PRIEST HOOD) اور مہنتوں کی غلامی سے آزاد کیا، اسلام نے نئی بنیادوں پر دنیا کی تعمیر کی، عقیدہ اخلاق و ضمیر کو طہارت پاکیزگی عطا کی، تعمیرِ اجداد کی بلند قد ریشہ نشیں، تحریت پسندی اور اختراعی صلاحیتیں پیدا کیں، یقین و محنت و ثبوت و اعتماد، عدل و انصاف اور خود داری عطا کی، اور دنیا کے صحیح نشوونما اور متوازن ارتقاء کے لئے عملِ بہیم اور سیسلسل پر آمادہ کیا کہ زندگی کی پوشیدہ طاقتیں بروئے کار آئیں اور پھولیں پھلن، صحیح مردم شناسی سے کام لے کر دنیا کی تعمیر و ترقی کے کام میں ہر ایک کو اس کے صحیح مقام پر رکھا اور اس سے وہ کام بیا جس کے لئے وہ بنایا گیا تھا۔

یہ سب بس وقت کی بات ہے، جب کہ عالم کی زمام کار اسلام کے ہاتھوں میں تھی، اس کو اپنی مرضی کے مطابق اور اپنے ڈھنگ سے کام کرنے کا موقع حاصل تھا، اور واقعہ یہ ہے کہ اسلام کے جوہر اسی وقت کھلتے ہیں جب اس کے ہاتھ میں قیادت ہو، اس لئے کہ اسلام کا عقیدہ سرورِ وحی و جہان بینی کا عقیدہ ہے، وہ قیادت کا ایک نظام ہے، وہ انسانی قافلے کی سربراہی کر سکتا ہے، کسی کا دیروزہ گر نہیں بن سکتا۔

اس کے بعد وہ وقفہ آتا ہے، جب زمام قیادت اسلام کے ہاتھوں سے نکل گئی، جس کا سبب یہ تھا کہ خود مسلمانوں میں زوال آ گیا اور وہ اس عالمی قیادت کے دستِ بردار ہو گئے، جس کی ذمہ داری ان پر اسلام کی طرف سے عائد ہوتی تھی، اور انسانیت کی تولیت (TRUSTEESHIP) اور ان ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو گئے، جو زندگی کے ہر موڑ پر ان کی ذات سے وابستہ تھیں۔

اس جگہ مؤلف نے اس روحانی و مادی زوال کے اسباب بیان کئے ہیں، اور ان نقصانات کو واضح کیا ہے، جو خود مسلمانوں کو اٹھانے پڑے، جب کہ وہ اپنے دین کے اصول سے منحرف ہو گئے، اور اس کی ذمہ داریوں سے کنارہ کش ہونے لگے، پھر اس مبارک قیادت

محرم ہونے اور پہلی جاہلیت کی زندگی اختیار کر لینے کے بعد دنیا پر کیا گزری؟ یہاں اُلف نے اس ہولناکی پستی کی نشاندہی کی ہے جس کے مہیب غار میں انسانیت اپنے سر کے بل گری تھمتی سے اس پستی کا زمانہ وہی زمانہ ہے جس میں علم و فن کی راہیں کھلیں اور انسانیت نے مادی میدان میں بڑی ترقی حاصل کی، اٹولت محترم نے اس پستی کی نشاندہی کرنے میں آتش بیانی یا سنسنی پیدا کرنے والا طرز نہیں اختیار کیا ہے بلکہ بحث و نظر سے کام لیا ہے اور واقعات کو پیش کر دیا انھوں نے اس سلسلہ میں جن حقائق کو پیش کیا ہے وہ خود ہر طرح کی مبالغہ آرائی اور رنگ آمیزی سے بے نیاز ہیں۔

اس تاریخی جائزہ کے وقت کتاب کا پڑھنے والا بڑی شدت سے محسوس کرتا ہے کہ موجودہ قیادت بدلنے کی سخت ضرورت ہے اور اس بات کی ضرورت ہے کہ انسانیت کو پھر اسی سرستیز ہدایت پر لاکھڑا کر دیا جائے جس ہدایت کا تقاضا ہی تھا کہ انسان کو تار کیسوں کے کمال کر دہنی کی نظر اور جاہلیت سے نجات دلا کر علم و معرفت کی طرف لائے اس کتاب کے پڑھنے والے کو اندازہ ہوتا ہے کہ اس قیادت کی کیا عالمگیر اہمیت ہے اور اسے کھو کر انسانیت کو کتنا بڑا خسارہ برداشت کرنا پڑا اور اس خسارہ میں صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ ساری دنیا شریک ہے یہ اتنا وسیع خسارہ ہے جو ماضی و حال اور مستقبل قریب بعید سب پر حاوی ہے اس کے ساتھ ہی مسلمان کے دل میں ندامت و شرمندگی کا احساس بھی پیدا ہوتا ہے کہ اس نے کیسی مجرمانہ کوتاہی اور غفلت کا ارتکاب کیا، دوسری طرف اس کے اندر یہ احساس بھی ابھرتا ہے کہ اسے کیسی عظیم الشان صلاحیتیں بخشی گئی ہیں پھر اس عالمی قیادت کو دوبارہ حاصل کرنے کی تڑپ بھی پیدا ہوتی ہے جو اسے اپنی غفلت و ناقدی سے کھودی ہے۔

اس کتاب کی ایک قابلِ تعریف بات یہ ہے کہ مؤلف جہاں کہیں انسانیت کی پستی کا

ذکر کرتے ہیں (وہ سچی جو تمام انسانوں پر محض اس وجہ سے آئی کہ مسلمان ان کی قیادت سے قاصر) وہاں مؤلف اس سچی کو جاہلیت سے تعبیر کرتے ہیں یہ اسلوب بیان بہت خوبی کے ساتھ مؤلف محمدؐ کے اندازِ فکر کو واضح کرتا ہے کہ ان کے نزدیک اسلامی روح اور اس مادہ پرستی کی روح (جو اسلام سے قبل دنیا پر چھائی ہوئی تھی) اور اسلام کی قیادت سے دستبرداری کے بعد آج بھی بچائی ہوئی ہے) کے درمیان کیا فرق ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ جاہلیت اپنے مزاج اور روح کے اعتبار سے ایک ہی ہے، جاہلیت کسی محدود زمانہ کے کسی خاص وقفہ کا نام نہیں ہے بلکہ عقل و فکر کی ایک خاص اور متعین ساخت کا نام ہے، وہ فکری ساخت اس وقت ابھرتی ہے جب کہ انسانی زندگی کے وہ حدود اور وہ معیار باقی نہیں رہتے جو خدا نے مقرر کئے ہیں اور ان کی جگہ بنائے ہوئے وہ مصنوعی معیار آجاتے ہیں جن کی بنیاد وقتی خواہشات پر ہوتی ہے جس کو آج دنیا اپنے ارتقائی دور میں بھی اسی طرح پھیل رہی ہے جس طرح اپنے بربریت اور جہالت کے ابتدائی زمانہ میں پھیل رہی تھی، ان ضلّ مؤلف کتاب کے آخری باب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

”عالمِ اسلامی کا پیغامِ انشُر، رسول اور اس کی قیادت پر ایمان لانے کی دعوتِ قائمہ اس کا صلہ یہ لئے گا کہ تاریکیوں سے نکل کر روشنی کی طرف انسان کی عبادت سے نجات پا کر اللہ کی عبادت کی طرف دنیا کی تنگنائی سے نکل کر عالم کی وسعت کی طرف مذاہب کے جو رسوم سے بچ کر عدلِ اسلامی کی طرف آنا نصیب ہوگا اس پیغام کی اہمیت سامنے آچکی ہے اور اس زمانہ میں اس کا سمجھنا دوسرے زمانہ کی نسبت زیادہ آسان اور سہل ہے آج جاہلیت سرِ باز اُڑسوا ہو چکی ہے اس کے چھپے ڈھکے عیب نگاہوں کے سامنے آگئے ہیں دنیا اس سے عاجز آچکی ہے لہذا جاہلی قیادت کو چھوڑ کر اسلامی قیادت کی طرف منتقل ہونے کا یہ خاص وقت ہے“

بشرطیکہ عالم اسلامی اس کے لئے کھڑا ہو اور اس پیغام کو پورے عزم و اخلاص اور جرأت و ہمت کے ساتھ اپنالے اور اس پیغام کو دنیا کا نجات دہندہ باور کرے اور یقین کرے کہ پستی و تباہی سے دنیا کو صرف یہی پیغام نجات دلا سکتا ہے۔  
اس کتاب کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے اسلام کے اصول و کلیات کو ان کے وسیع دائرہ کے اندر اور اسلام کی صحیح روح کے مطابق سمجھا ہے اس بنا پر نہ صرف یہ کتاب دینی و اجتماعی تحقیق علمی کا نمونہ ہے بلکہ اس کا بھی نمونہ ہے کہ اسلامی زاویہ نگاہ سے تاریخ کو کس طرح مرتب کرنا چاہئے۔

علمائے مغرب نے دنیا کی تاریخ مغربی نقطہ نظر سے لکھی ہے اور وہ قدرتا اپنی مادی تربیت، مادی فلسفے اور پھر مذہبی و قومی تعصب کے اثرات سے خالی نہیں تھے چنانچہ دانستہ یا نادانستہ ان کی تاریخ میں اغلاط اور جا بجا بے اعتدالیاں پائی جاتی ہیں کیونکہ انھوں نے انسانی زندگی کی بہت سی اہم قدروں کو فراموش کر دیلے حالانکہ انسانی زندگی کی تاریخ ان کے بغیر مکمل ہی نہیں ہو سکتی اور نہ ان قدروں کے جانے بغیر واقعات کی صحیح توجیہ ممکن ہے اور نہ نتائج اخذ کرنا درست ہو سکتا ہے نیز یورپین مؤرخین عموماً اپنے قومی و مذہبی تعصب کی بنا پر دنیا کا مرکز یورپ ہی کو سمجھ لیتے ہیں اور زندگی کے دوسرے اہم فوثرات اور محرکات کو صرف اس نظر انداز کر دیتے ہیں کہ یورپ ان کا ماحضہ نہیں ہے یا کم از کم بہت گھٹا کر اور ان کی اہمیت کو کم کر کے پیش کرتے ہیں۔

بد قسمتی سے ہم لوگ عرصہ سے اس کے عادی چلے آئے ہیں کہ جس طرح دوسری اشیاء یورپ کے منگاتے ہیں اسی طرح تاریخ بھی یورپ ہی کے ہاتھوں میں چلی کریں اور ان تمام کمزوریوں کے ساتھ اس کو جون کا توں لے لیں حالانکہ ان کا طریقہ تصنیف اور طریق فکر ہی سرے سے ناقص اور پر از اغلاط ہے کیونکہ انھوں نے انسانی زندگی کو ایک محدود زاویہ سے دیکھا ہے اور اس غلط اور محدود زاویہ نگاہ سے وہ غلط

نتائج کا شکار ہوئے ہیں اور یہ ظاہر ہے، جب تقدار ہی درست نہ ہوں تو نتیجہ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔  
 پیش نظر کتاب تاریخ کا ایک ایسا نمونہ ہے جس میں ان تمام امور پر نگاہ رکھی گئی ہے اور تمام اثرات  
 اور مختلف قدروں کا لحاظ رکھا گیا ہے کتاب کے پڑھنے والے غالباً اس کے متوقع نہ ہوں گے کہ ایک  
 صاحب ایمان مؤلف جو اسلام کی روحانی طاقت یقیناً کامل رکھتے ہیں اور عالمی قیادت کو اسلام  
 کے سپرد کرنے کا پُر جوش جذبہ ان کے دل میں موجزن ہے، جہاں قیادت کی صلاحیتوں پر گفتگو  
 کریں گے وہاں روحانی قوت کے ساتھ ساتھ صنعتی و حربی صلاحیت کا بھی تذکرہ کریں گے اور جدید  
 نظام اور اقتصادی و تجارتی نوکھالتی بھی میرے حال بحث کریں گے لیکن بڑی مسرت کی بات ہے کہ  
 انھوں نے اس پہلو کو بھی نشہ نہیں چھوڑا۔

بلاشبہ اس کتاب میں انسانی زندگی پر اثر ڈالنے والے تمام عوامل کا ایک مربوط اور منظم تصور ہے  
 اسی مربوط و منظم تصور کے ساتھ تاریخ کا جائزہ لیا گیا ہے اور امت اسلامیہ کو ایسا مشورہ دیا گیا  
 جس میں پورا اعتدال اور تناسب پایا جاتا ہے اور اسی خصوصیت کی بنا پر یہ کتاب تاریخ دنیوی  
 کا ایک کامیاب نمونہ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کو یورپ کے اسلوب نگارش سے  
 بے نیاز ہو کر (جس میں ارتباط و توازن، موزانہ انصاف اور علمی تحقیق کی بالعموم کمی ہوتی ہے) تاریخی  
 مباحث پر کس طرح قلم اٹھانا چاہیئے اور کس انداز سے اس کو مرتب کرنا چاہیئے۔

میری خوش قسمتی ہے کہ پیش نظر کتاب کے بارہ میں اپنے ان ناثرات کے اظہار کا موقع ملا اور بڑی  
 مسرت ہے کہ مجھے اس کتاب کا مطالعہ عربی زبان میں نصیب ہوا، اس لئے کہ جن ملوں نے اس  
 زبان کو اپنی تصنیف کے لئے اختیار کیا ہے اور آج دوسری بار مصر میں اس کے شائع ہونے کی نوبت آئی ہے

”اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآٰیٰتٍ لِّمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ اَوْ اَلْفَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ“

یہ قطب (شہید)  
 حُلوان (مصر)

# باب اول

## بعثتِ محمدی سے پہلے

### چھٹی صدی مسیحی کی دنیا

چھٹی صدی مسیحی بلا اختلاف تاریخ انسانی کا تاریک ترین و پست ترین دور تھا، صدیوں سے انسانیت جس پستی و نشیب کی طرف جا رہی تھی، اس کے آخری نقطہ کی طرف پہنچ گئی تھی، روئے زمین پر اس وقت کوئی ایسی طاقت نہ تھی جو گرتی ہوئی انسانیت کا ہاتھ پکڑ سکے اور ہلاکت کے غار میں اس کو گرنے سے روک سکے، نشیب کی طرف جلتے ہوئے روز بروز اس کی رفتار میں تیزی پیدا ہو رہی تھی، انسان اس صدی میں خدا فراموش ہو کر کامل طور پر خود فراموش بن چکا تھا، وہ اپنے انجام سے بالکل بے فکر اور بے خبر اور بُرے بھلے کی تمیز سے قطعاً محروم ہو چکا تھا، پیغمبروں کی دعوت کی آواز غصہ ہوا دب چکی تھی، جن چراغوں کو یہ حضرات روشن کر گئے تھے، وہ ہواؤں کے طوفان میں یا تو بجھ چکے تھے یا اس گھٹاؤپ اندھیرے میں اس طرح ٹٹماتے تھے جن سے صرف چند خدا شناس دل روشن تھے، ہوشیروں کو چھوڑ کر چند پوپے پوپے گھروں میں بھی اُجالا نہیں کر سکتے تھے، دیندار اشخاص دین کی امانت کو اپنے سینہ سے لٹائے ہوئے زندگی کے میدان سے کنارہ کش ہو کر دیرو کلیسا اور صحراؤں کی تنہائیوں میں پناہ گزیں ہو گئے تھے، او



زندگی کی کشمکش اس کے مطالبات اور اس کی خشک و تلخ حقیقتوں سے دامن بچا کر دینا سہا اور روحانیت و مادیت کے مرکز میں شکست کھا کر اپنے فرائض قیادت سے بکدوش ہو گئے تھے اور جو زندگی کے اس طوفان میں باقی رہ گئے تھے انھوں نے بادشاہوں اور اہل دنیا سے ساز باز کر لی تھی اور ان کی ناجائز خواہشات اور ظالمانہ نظام سلطنت و معیشت میں ان کے دست راست اور باطل طریقہ پر لوگوں کا مال کھانے اور ان کی قوت و دولت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں ان کے شریک و ہمیں بن گئے تھے۔

رومی اور ایرانی اس وقت مغرب و مشرق کی زعامت اور دنیا کی قیادت کے اجارہ دار بنے ہوئے تھے، وہ دنیا کے لئے کوئی اچھا نمونہ ہونے کے بجائے ہر قسم کی خرابی اور فساد کے علمبردار و ذمہ دار تھے مختلف اجتماعی اور اخلاقی امراض کا عرصہ سے یہ قومیں آشیانہ بنی ہوئی تھیں۔<sup>۱۱</sup> کے افراد تعیش و تکلفات کی زندگی اور مصنوعی تمدن کے سمندر میں سرتاپا غرق تھے، بادشاہ اور حکام خواب غفلت میں مدہوش اور نشہ سلطنت میں سرشار تھے، کام و دہن کی لذت اور خواہشات نفس کی تسکین کے سوا ان کو دنیا میں کوئی فکر اور زندگی میں کوئی اور مشغلہ نہ تھا، زندگی کی بوس اور لذت کی حرص اتنی بڑھ گئی تھی کہ ان کو کسی طرح سیر نہیں ہوتی تھی متوسط طبقہ کے لوگ (زبانہ کے دستور کے مطابق) اس اعلیٰ طبقہ کے قدم بقدم چلنے کی کوشش کرتے تھے اور اس کی نقالی کو سب بڑا فخر سمجھتے تھے، باقی رہے عوام تو وہ زندگی کے بوجھ اور حکومت کے مطالبات اور محصولات کے بار میں ایسے دبے ہوئے اور غلامی اور قانون کی زنجیروں اور بیڑیوں میں ایسے جکڑے ہوئے تھے کہ ان کی زندگی جانوروں اور چوپایوں سے ذرا مختلف نہ تھی، دوسروں کی راحت کے لئے محنت کرنے اور دوسروں کے عیش و عشرت کے لئے بے زبان جانوروں کی طرح ہر وقت جتے رہنے اور جانوروں کی طرح

اپنا پیٹ بھر لینے کے سوا ان کا کوئی حصہ نہ تھا، کبھی اگر وہ اس خشک دیے مزہ زندگی اور اسے  
کیساں چکر سے اکتا جاتے تو نشہ آور چیزوں اور سستی تفریبات سے اپنا دل بہلا لینے اور اگر کبھی  
زندگی کے اس عذاب سے ان کو سانس لینے کا موقع ملتا تو ناقہ زدہ اور ندیدہ انسان کی طرح مذہب  
و اخلاق کی پابندیوں سے آزاد ہو کر حیوانی لذتوں پر آنکھیں بند کر کے گم تھے۔

دنیا کے مختلف حصوں اور ملکوں میں ایسی دینی غفلت و خود فراموشی اجتماعی بے نظمی  
و انتشار اور اخلاقی تنزل و زوال رونما تھا کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ ممالک تنزل و انحطاط اور  
شر و فساد میں ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہتے ہیں اور یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ  
ان میں سے کون سا ملک دوسرے سے بڑھا ہوا ہے۔

## اقوام و مذاہب پر ایک نظر

اس دور میں بڑے بڑے مذاہب بازیچہ اطفال اور منافقین کا تختہ مشق بن گئے تھے،  
ان مذاہب کی صورت و حقیقت دونوں اس درجہ مسخ ہو گئی تھی کہ اگر یہ ممکن ہوتا کہ کسی طرح  
ان مذاہب کے پیشوا دنیا میں آکر اپنے دین کا حال دیکھ سکیں تو قطعاً وہ اپنے مذاہب نہ پہچان سکتے۔  
تہذیب و تمدن کے گہواروں میں خود سری بے راہ روی اور اخلاقی پستی کا دور دورہ  
تھا۔ نظام حکومت میں حد درجہ استری تھی، حکام کی سخت گیری اور عوام کی اخلاقی گراؤٹ  
کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام قومیں اپنے اندرونی مسائل ہی میں الجھ کر رہ گئی تھیں، دنیا کے سامنے  
پیش کرنے کے لئے ان کے پاس نہ کوئی پیغام تھا، اور نہ انسانیت کے لئے کوئی دعوت تھی،  
درحقیقت یہ اقوام و مذاہب اندر سے کھوکھلے ہو چکے تھے، ان کی زندگی کا سونا خشک ہو چکا تھا،  
ان کے پاس نہ دینی ہدایات تھیں اور نہ نظام حکومت کے لئے مستحکم و مقبول اصول۔

## مسیحیت چھٹی صدی عیسوی میں

مسیحی مذہب میں کبھی بھی اس درجہ تفصیل و وضاحت نہ تھی کہ جس کی روشنی میں زندگی کے اہم مسائل سلجھائے جاسکیں یا اس کی بنیاد پر تمدن کی تعمیر ہو سکے، یا اس کے زیر ہدایت کوئی سلطنت چل سکے، جو کچھ تھا وہ صرف حضرت مسیح کی تعلیمات کا ایک ہلکا سا خا کہ تھا جس پر توحید کے سادہ عقیدہ کا کچھ پرتو تھا، مسیحیت کا یہ امتیاز بھی اس وقت تک قائم رہا جب تک کہ یہ مذہب سینٹ پال کی دستبرد سے بچا رہا، اس نے تو آ کر رہی سہی روشنی بھی گل کر دی کیونکہ جس بُت پرستانہ ماحول میں اس کی پرورش ہوئی تھی، اور جن جاہلی خرافات سے وہ نکل کر آیا تھا، اس نے مسیحیت میں ان تمام جہالتوں اور لغویات کی آمیزش کر دی، اس کے قسطنطین کا زمانہ آیا جس نے اپنے دور حکومت میں یہی سہی اصلیت بھی کھو دی، غرض یہ کہ چوتھی صدی ہی میں مسیحیت ایک عجیب و غریب مرکب بن کر رہ گئی تھی جس میں یونانی خرافات، رومی بُت پرستی، مصری افلاطونیت (NEO-PLATONISM & MONASTICISM) اور ربانیت کے اجزائ شامل تھے، حضرت مسیح کی سادہ تعلیمات کا عنصر اس مجموعہ میں اس طرح گم ہو کر رہ گیا تھا جیسے کہ ایک قطرہ کا وجود سمندر میں گم ہو جانا ہے، بالآخر مسیحیت چند بے جان مراسم اور بے کیف عقائد کا نام رہ گیا تھا، جو نہ روح میں گداز پیدا کر سکتے تھے، نہ عقل کی افزائش کا سبب بن سکتے تھے، نہ جذبات کو حرکت میں لا سکتے تھے، اور نہ ان میں اس کی صلاحیت تھی کہ زندگی کے اہم مسائل میں انسانی قافلہ کی رہبری کر سکیں، اس پر تحریف و تاویل کی مصیبت متراد تھی جس کا انجام یہ ہوا کہ بجائے اس کے کہ نصرانیت علم و فکر کے دروازے کھولتی، وہ خود علم و فکر کی راہ میں چٹان بن کر کھڑی ہو گئی اور صدیوں کے مسلسل انحطاط کے باعث محض ایک

بہت پرستی کا مذہب بن کر رہ گئی، سیل (SALE) جس نے انگریزی میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا، چھٹی صدی عیسوی کے عیسائیوں کے بارے میں کہتا ہے: مسیحیوں بزرگوں اور حضرت مسیح کے مجسموں کی پرستش میں اس درجہ غلو کیا کہ اس زمانہ کے روکن تھوڑا سا بھی اس حد کو نہیں پہنچے۔

## رومی سلطنت میں مذہبی خانہ جنگی

پھر نفس مذہب سے متعلق کلامی مباحث اُبھر آئے اور نئے مہاجر اختلافات کی شورش نے قوم کو اُبھا دیا جس میں ان کی ذاتیں ضائع ہوئیں اور قوائے علیہ شل ہو گئے، بیشتر ان خانہ جنگیوں نے بڑے پیمانہ پر فونی موکر کی شکل اختیار کر لی، مدارس، کلیسا اور لوگوں کے مکانات حریت کی پ بن گئے تھے اور پورے کا پورا ملک خانہ جنگی (CIVIL WAR) کا شکار تھا، بحث یہ تھی کہ حضرت مسیح کی فطرت کیا ہے اور اس میں الہی اور بشری جزو کس تناسب سے ہیں؟ روم و شام کے ملکانی (MALKITT) عیسائیوں کا مذہب یہ تھا کہ حضرت مسیح کی فطرت ترکیباً اس میں ایک جزو والی ہے اور ایک بشری لیکن مصر کے مونوفیزٹ (MONOPHYSITES) عیسائیوں کا اصرار تھا کہ حضرت مسیح کی فطرت خالص الہی ہے اس میں ان کی فطرت بشری اس طرح فنا ہو گئی ہے جیسے سرکہ کا ایک قطرہ سمندر میں پڑ کر اپنی ہستی کو گم کر دیتا ہے، پہلا مسلک گویا حکومت کا سرکاری مسلک تھا، بازنطینی سلاطین و اہل حکومت نے اس کو عام کرنے اور پوری مملکت کا واحد مذہب بنانے میں پوری قوت صرف کی اور مخالفین مذہب (مبتدعین) کو سخت ترین سزائیں دیں جن کے تصور سے رو گئے کھڑے ہو جاتے ہیں مگر اختلاف اور مذہبی کشاکش بڑھتی ہی رہی، دونوں فریق ایک دوسرے کو ایسا ہی خارج از مذہب اور

بدین سمجھتے تھے، جیسے دو متضاد مذہب کے پیرو ا قیرس (CYRUS) کی نیابت مصر کے دس سال (۶۳۱-۶۲۸ء) کی تاریخ و حشانیہ سزاؤں اور لرزہ خیز مظالم کی داستانوں سے لبریز ہے۔

## اجتماعی بد نظمی اور معاشی بے چینی

روم کی مشرقی ریاست میں اجتماعی بد نظمی انتہا کو پہنچ گئی تھی، باوجود اس کے کہ عام رعایا بے شمار مصائب کا شکار تھی، ٹیکس اور محصول دو گنے چو گنے بڑھ گئے تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کے باشندے حکومت سے نالاں تھے، اور اپنے ملکی حکمرانوں پر بدیسی حکومتوں کو ترجیح دیتے تھے، اجارہ داریاں، MONOPOLIES اور ضبطیاں مصیبت بالائے مصیبت تھیں، ان اسباب کی بنا پر بڑے پیمانہ پر فسادات اور بغاوتیں رونما ہوئیں چنانچہ ۵۳۲ء کے فساد میں تیس ہزار افراد دارا سلطنت میں ہلاک ہوئے، اور ہر چند کہ وقت اور مصلحت کا تقاضا تھا کہ اخراجات میں کفایت شعاری سے کام لیا جاتا لیکن لوگ سمرات اور فضول خرچی سے باز نہیں آتے تھے، اور اخلاقی گراؤ کی بوسے پست سطح ہو سکتی ہے اس حد تک پہنچ چکے تھے، اور صرف ایک ہی لگن سب کے دل سے لگی تھی کہ جس طرح ممکن ہو زیادہ سے زیادہ مال سمیٹنا چاہئے، اور اس کو فیشن پرستی، عیش پسندی اور اپنی من مانی خواہشات کے پورا کرنے میں خرچ کیا جائے، انسانیت و شرافت کی بنیادیں اپنی جگہ سے ہل چکی تھیں، تہذیب و اخلاق کے ستون اپنی جگہ چھوڑ چکے تھے، نوبت یہاں تک پہنچی کہ لوگ ازدواجی زندگی پر بخود کی زندگی کو ترجیح دیتے تھے تاکہ آزادی سے انھیں کھیل کھیلنے کا

۱ Alfred J. Putler ARAB'S CONQUEST OF EGYPT AND THIRTY YEARS OF THE ROMAN DOMINION P. 29-30

۲ ENCYCLOPEDIA BRITANNICA CHAP. JUSTIN P. 183-189

واقعہ ہے، انصاف کا حال یہ تھا کہ بقول سیل SALE جس طرح اشیاء کی خرید و فروخت ہوتی ہے، اور ان کے دام بھیرائے جاتے ہیں، اسی طرح انصاف بھی فروخت ہوتا، رشوت، خیانت کی ہمت افزائی خود قوم کی طرف سے ہوتی تھی، لیکن کہتا ہے "چھٹی صدی عیسوی میں سلطنت کا زوال اور اس کی پستی انتہا پر تھی، اس کی مثال اس بڑے تناور اور گھنے درخت کی تھی جس کے سائے میں دنیا کی قومیں کبھی پناہ لیتی تھیں، اور اب اس کا صرف تنہا رہ گیا ہو، جو روز بروز سوکھنا جا رہا ہو۔"

"تاریخ عالم برائے مؤرخین کے مصنفین لکھتے ہیں :-

"بڑے بڑے شہر جن میں تیزی کے ساتھ بربادی آئی اور پھر وہ سنبھل نہ سکے، اور نہ اس لائق ہو سکے کہ اپنی عظمت رفتہ کو پھر زندہ کر سکیں، وہ گواہ ہیں کہ بازنطینی حکومت اس زمانہ میں انتہائی انحطاط و تنزل کے عالم میں تھی اور تیز نزول کیس اور موصول میں زیادتی تجارت میں پستی، زراعت سے غفلت، شہروں کی آبادی میں روز افزائی کی کامیابیت نہ تھی۔"

## یورپ کی شمالی اور مغربی قومیں

وہ مغربی قومیں جو بالکل شمال و مغرب میں آباد تھیں، جہالت و ناخواندگی کا شکار اور فونی جنگوں سے زار و مزار تھیں، وہ جنگ و جہالت کی پیدا کی ہوئی تاریکی میں ہاتھ پاؤں مار رہی تھیں، ان ممالک میں اب تک علم و تمدن کی صبح نہ دیا نہیں ہوئی تھی، اسلامی و عربی

THE STORY OF THE DECLINE AND FALL OF THE ROMAN

EMPIRE V. 3. P. 327

P. 31 GIBBON V. V P. 31 SALES TRANSLATION P. 72

HISTORIAN'S HISTORY OF THE WORLD V VII P 175

اندلس (SPAIN) اس وقت تک متصرفہ شہود پر نہیں آیا تھا کہ علم و تمدن سے روشناس کرائے، نیز مصائب و حوادث نے بھی ان کی آنکھیں نہیں کھولی تھیں، غرض ہر طرح یہ قومیں تمدن انسانی کے قافلہ کی شاہراہ سے الگ تھلگ تھیں، بہت حد تک یہ دنیا سے بے خبر تھیں اور دنیا ان سے تقریباً نا آشنا تھی، مشرق و مغرب کے ممالک میں جو انقلاب انگیز واقعات و تغیرات پیش آ رہے تھے ان سے قوموں کو دور کا بھی واسطہ نہ تھا، عقائد کے لحاظ سے یہ قومیں ذخیرہ مسیحیت اور فرسودہ بُت پرستی کے درمیان میں تھیں، نہ دین سے متعلق ان کے پاس کوئی پیغام تھا، اور نہ سیاست کے میدان میں ان کا کوئی مقام تھا، ایچ جی ویلز (H. G. WELLS) کا بیان ہے اس زمانہ میں مغربی یورپ کے اندر کچھیتی اور نظام کے کوئی آثار نہ تھے۔

رابرٹ بریفالٹ (ROBERT BRIFFAULT) لکھتا ہے:-

”پانچویں صدی سے لے کر دسویں صدی تک یورپ پر گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی، اور یہ تاریکی تدریجاً زیادہ گہری اور بھیاں تک ہوتی جا رہی تھی، اس دور کی وحشت و بربریت زمانہ قدیم کی وحشت و بربریت سے کئی درجہ زیادہ بڑھی چڑھی تھی کیونکہ اس کی مثال ایک بڑے تمدن کی لاش کی تھی، جو سڑ گئی ہو، اس تمدن کے نشانات مٹ رہے تھے، اور اس پر زوال کی مہر لگ چکی تھی، وہ ممالک جہاں یہ تمدن برگزیدہ بار لایا اور گذشتہ زمانہ میں اپنی انتہائی ترقی کو پہنچ گیا تھا، جیسے اٹلی و فرانس وہاں تباہی طوائف الملک اور ویرانی کا دور دورہ تھا۔“

یہود

یورپ، ایشیا، افریقہ میں بسنے والی یہود نام کی قوم دنیا کی تمام قوموں میں

اس لحاظ سے ممتاز تھی کہ اس کے پاس دین کا بہت بڑا سرمایہ تھا، اور اس میں دینی تعمیرات و اصطلاحات سمجھنے کی سب سے زیادہ صلاحیت تھی، لیکن یہ یہودی مذہب تمدن کی سیاست میں وہ مقام نہیں رکھتے تھے کہ دوسروں پر اثر ڈال سکیں، بلکہ ان کے لئے مقدّم ہو چکا تھا کہ ہمیشہ ان پر دوسرے لوگ حکومت کریں اور ہمیشہ ظلم و استبداد، سزا و جلاوطنی اور مصائب و شقت کے ہدف بنے رہیں، عرصہ دراز تک غلام رہنے اور انواع و اقسام کی سختیاں اور سزائیں جھیلنے کے سبب ان کا ایک خاص مزاج بن گیا تھا، قومی غرور و نسبیت، حرص اور مال و دولت کی حد سے بڑھی ہوئی طمع، مسلسل سود کے لین دین سے ان میں مخصوص ذہنیت و سیرت اور قومی خصائل و عادات پیدا ہو گئے تھے، جن میں وہ ہمیشہ منفرد رہے کمزور یا مغلوب ہونے کے وقت ذلت و خوشامد اور غالب ہونے کی صورت میں انتہائی بے رحمی اور بد معاملگی اور عام حالات میں دغا بازی اور نفاق، سنگدلی و خود غرضی، ہفت خوری و حرام خوری راہ حق سے لوگوں کو روکنا ان کا قومی کردار تھا، قرآن کریم نے ان کی اس صورت حال کا جو چھٹی اور ساتویں صدی میں تھی، بہت واضح اور مکمل نقشہ کھینچا ہے اور بتلایا ہے کہ اخلاقی انحطاط، انسانی پستی اور اجتماعی فساد میں وہ کس منزل میں تھے، اور کیا اسباب تھے جن کی بنا پر وہ ہمیشہ کے لئے عالم کی قیادت اور اقوام کی امامت سے محروم کر دیئے گئے۔

چھٹی صدی کے آخر میں یہودیوں اور عیسائیوں کی باہم رقابت و منافرت اس حد پہنچ گئی تھی کہ ان میں سے کوئی دوسرے فریق کو ذلیل کرنے اور اس سے اپنی قوم کا انتقام لینے اور مفتوح کے ساتھ غیر انسانی سلوک کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتا تھا، اس لئے میں یہودیوں نے انطاکیہ میں عیسائیوں کے خلاف بلوہ کیا، شہنشاہ فوقا (PHOCAS) نے ان کی کربلی کے لئے مشہور فوجی افسر بنوسوس (BONOSUS) کو بھیجا اس نے پوری یہودی آبادی اس طرح



خاتمہ کیا کہ ہزاروں کونواریں سے ایکڑوں کو دریا میں غرق کر کے، آگ میں جلا کر اور زندوں کے سامنے ڈال کر ہلاک کر دیا۔ ۱۶۵ء میں جب ایرانیوں نے شام کو فتح کیا تو یہودی کے مشورہ و ترغیب سے خسر نے عیسائیوں پر وحشیانہ مظالم کئے اور بیشتر عیسائیوں کو تہ تیغ کیا، ایرانیوں پر فتح حاصل کرنے کے بعد ہرقل (HERCULES) نے زخم خوردہ عیسائیوں کے مشورہ سے ۶۳۷ء میں یہودیوں سے سخت انتقام لیا اور ان کا اس طرح قتل عام کیا کہ رومی مملکت میں صرف وہ یہودی ہی بچ سکے جو ملک چھوڑ کر چلے گئے یا کہیں چھپے رہے۔

اس سفاکی و بربریت اور اس خون آشام ذہنیت کے ساتھ جس کا مظاہرہ ساویہ صدی کے ان عظیم ترین مذاہب نے کیا، اس کی کیا توقع کی جاسکتی تھی کہ وہ اپنے دور حکومت میں انسانیت کے پاسان ثابت ہوں گے اور حق و انصاف، امن و صلح کا پیغام دنیا کو سنائیں گے۔

## ایران اور وہاں کی تخریبی تحریکات

تمدن دنیا کی تولیت و انتظام میں ایران، روم کا شریک تھا، لیکن قسمتی سے وہ دشمن انسانیت افراد کی سرگرمیوں کا پرانا مرکز تھا، وہاں کی اخلاقی بنیادیں زمانہ دراز سے متزلزل چلی آ رہی تھیں، جن رشتوں سے ازدواجی تعلقات دنیا کے تمدن و معتدل علاقوں کے باشندے ہمیشہ ناجائز اور غیر قانونی سمجھتے رہے ہیں، اور فطری طور پر اس سے نفرت کرتے ہیں ایرانیوں کو ان کی حرمت و کرامت تسلیم نہیں تھی، بزرگ در دوم جس نے پانچویں صدی کے وسط میں حکومت کی ہے اس نے اپنی لڑکی کو زوجیت میں رکھا پھر قتل کر دیا، بہرام چوہین جو چھٹی صدی عیسوی

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب "تاریخ الخط العربیہ" ج ۳ ص ۳۹۵ اور

(THE ARAB'S CONQUEST OF EGYPT P. 133 - 134)

HISTORIANS' HISTORY OF THE WORLD, VOL. VIII P. 24

میں حکمراں تھا، اس نے اپنی بہن سے اپنا ازدواجی تعلق رکھا، پروفیسر آرتھر کرٹن مین کے بیان کے مطابق اس قسم کا رشتہ ایران میں کوئی ناجائز فعل تصور نہیں کیا جاتا تھا، بلکہ ایک عباد اور کار ثواب سمجھا جاتا تھا، مشہور چینی سیاح (ہوئن سیانگ) کا بیان ہے کہ ایرانی قانون و معاشرت میں ازدواجی تعلقات کے لئے کسی رشتہ کا بھی استثناء نہ تھا۔

تیسری صدی عیسوی میں مانی دنیا کے سامنے آیا اس کی تحریک دراصل ملک کے بڑھتے ہوئے شدید شہوانی رجحان کا ایک غیر فطری اور سخت رد عمل اور نور و ظلمت کی مفروضہ کش مکش کا (جو ایران کا قدیمی فلسفہ ہے) نتیجہ تھا، چنانچہ اس نے تہذیب کی زندگی اختیار کرنے کی دعوت دی تاکہ دنیا سے شرف و فساد کے جراثیم ناپید ہو جائیں اس نے اعلان کیا کہ نور و ظلمت کا امتزاج ہی شر کا باعث ہے، اس سے نجات حاصل کرنا ضروری ہے اس بنا پر اس نے نکاح کو حرام قرار دیا کہ انسان جلد سے جلد فنا ہو جائے اور نسل انسانی منقطع ہو کر نور و ظلمت پر دائمی فتح حاصل ہو، ہیرا نے ۲۷۰ء میں مانی کو یہ کہتے ہوئے قتل کر ڈالا کہ شخص دنیا کی تباہی کی دعوت دیتا ہے اس لئے قتل اس کے کہ دنیا ختم ہو اور اس کا مقصد پورا ہو اس کو خود ہلاک ہونا چاہئے لیکن بانی مذہب کے قتل کے باوجود اس کی تعلیمات عرصہ تک زندہ رہیں اور اسلامی فتح کے بعد تک ان کے اثرات باقی رہے۔ ایران کی افتاد طبع نے پھر ایک مرتبہ مانی کی دشمن فطرت تعلیمات کے خلاف بغاوت کی، یہ بغاوت مزدک (پیدائش ۳۰۷ء) کی دعوت کی شکل میں سامنے آئی، اس نے اعلان کیا کہ تمام انسان یکساں طور پر پیدا ہوئے ہیں ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں ہے، لہذا ہر ایک کو دوسرے کی ملکیت میں مادی حقوق حاصل ہیں اور چونکہ مال اور عورت ہی ڈالیئے غصہ ہیں جن کی حفاظت و نگرانی کا انسان اہتمام کرتا ہے، لہذا انھیں میں مساوات و اشتراک کی سب سے

زیادہ ضرورت ہے، شہرستانی کا بیان ہے مزدک نے تمام عورتوں کو سبکے لئے حلال قرار دے دیا، اور مال و زن کو مثل آگ، پانی اور چارہ کے مشترک اور عام کر دیا۔ "نوجوانوں اور عیش پسندوں کی مراد برائی اور انھوں نے اس تحریک کا پرجوش خیر مقدم کیا، طرذ تاشیہ ہوا کہ شاہ ایران قباد نے اس کی سرپرستی قبول کر لی اور اس کی اشاعت و تبلیغ میں بڑی سرگرمی دکھائی نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تحریک آگ کی طرح ملک میں پھیل گئی، پورے کاپور ایران جنسی انارک اور شہوانی بھران میں ڈوب گیا، طبرانی کا بیان ہے کہ:-

"ابابش اور آوارہ مزاج لوگوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور مزدک اور مزدکیوں کے پرجوش ساتھی اور دست و بازو بن گئے، عام شہری اس بلائے ناگہانی کا شکار تھے، اس تحریک کا انتشار ہوا کہ جو چاہتا تھا اس کے گھر میں چاہتا تھا گھس آتا اور مال و زن پر قبضہ کر لیتا اور صاحب مکان کچھ بھی نہ کر سکتا، ان مزدکیوں نے قباد کو ابھارا اور اس کو مزدکی کی دھمکی دے کر تیار کر لیا کہ وہ بھی اس دعوت کو اپنا لے نتیجہ یہ ہوا کہ دیکھتے ہی دیکھتے یہ عالم ہو گیا کہ نہ باپ اپنے لڑکوں کو پہچان سکتا تھا، اور نہ لڑکا اپنے باپ کو، کئی بھی اپنی کسی ملکیت پر اختیار اور قبضہ نہیں تھا۔"

طبری کا بیان ہے کہ اس تحریک سے پہلے قباد ایران کے اچھے فرمانرواؤں میں تھا لیکن مزدک کی پیروی کی وجہ سے حدودِ مملکت اور سرحدوں میں پراگندگی اور انتہری پھیل گئی۔

## ایران کی شاہ پرستی

ایران کے سلاطین جن کا لقب کسریٰ (خسرو) ہوا کرتا تھا، اس بات کے مدعی تھے:

لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا وَالْعَرْشُ لَنَا وَهَرَسْتَانِي صَلَہ ۱۵ تاریخ طبری ج ۲ ص ۸۵ ۱۵ ایضاً

ان کی رگوں میں خدائی خون ہے، اہل ایران بھی انھیں اسی نظر سے دیکھتے تھے کہ گویا وہ خدا ہیں، ان کا اعتقاد تھا کہ ان سلاطین کی فطرت میں ایک مقدس آسمانی چیز ہے، چنانچہ یہ لوگ ان کے آگے سر سجدہ دہوتے، ان کی اُلوہیت کے ترانے گاتے اور انھیں قانون سے تنقید سے، بلکہ بشریت سے بالاتر تصور کرتے تھے، فرط ادب سے ان سلاطین کے نام بھی اپنی زبان پر نہ لاتے اور نہ کوئی شخص ان کی مجلس میں بیٹھنے کی ہمت کر سکتا تھا، اہل ایران کا عقیدہ تھا کہ ان سلاطین کا ہر انسان پر پیدا نشی حق ہے، اور کسی انسان کا ان سلاطین پر حق نہیں، شاہ ایران اپنی دولت میں سے جو تھوڑا بہت کسی کو دے دے یا اپنے دسترخوان سے کوئی ٹکڑا اٹھا کر کسی کو عطا کر دے وہ اس کا احسان و صدقہ ہے، کسی کا استحقاق نہیں، لوگوں کو سوائے احکام کی بجا آوری کے کسی امر میں دخل نہ دینا چاہئے، ملک قوم پر حکومت کرنے کے لئے ایک خاص گھرانہ (کیانی خاندان) متعین تھا، اہل ایران سمجھتے تھے کہ صرف اسی گھرانے کے افراد تخت و تاج کے وارث اور ملک سلطنت کے مالک ہو سکتے ہیں اور یہ حق وراثتاً بیٹے کو یا پسے نسلِ بعد نسل منتقل ہوتا ہے گا، اس حق میں کسی کو دست درازی کی مجال نہیں، چنانچہ یہ لوگ بادشاہ وقت پر ایمان رکھتے تھے، اور حکومت کو شاہی خاندان کا موروثی حق سمجھتے تھے کہ جس میں کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی، اگر اس خاندان میں کوئی سن رسیدہ ملتا تو بچہ ہی کو اپنا شہنشاہ تسلیم کر لیتے اور اگر کوئی مرد باقی نہ رہتا تو عورت ہی کو تاج شہنشاہی پہناتے، چنانچہ شیرازیہ کے بعد اس کے ہفت سالہ بچہ آر شیر کو شہنشاہ تسلیم کیا گیا اور خسرو پرویز کے بیٹے فرخ زاد خسرو کو طفلی کی حالت میں لوگوں نے بادشاہ بنایا اور کسریٰ کی لڑکی پوران بھی تخت نشین ہوئی اور دوسری بیٹی جس کا نام آزادی دخت تھا وہ بھی حکومت کر چکی ہے، کسی کو اس کا تصور بھی نہیں آیا کہ کسی سپہ سالار

یا بڑے سردار یا کسی دوسرے لائق اور آزمودہ کار شخص کو (جیسے رستم و جابان تھے) نظامِ سلطنت سپرد کر دیں چونکہ وہ شاہی گھرانے سے تعلق نہیں رکھتے تھے، اس لئے ان کا سوالی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

مذہبی گھرانوں اور سرداروں کے بارے میں ان کا عقیدہ یہی تھا کہ یہ لوگ عام انسانی سطح سے بلند ہیں اور ان کی شخصیتیں اور ان کے دل و دماغ دوسرے انسانوں سے الگ ہیں ان اشخاص کو اہل ایران نے غیر محدود اختیارات دے رکھے تھے، اونچ نیچ کا فرق طبقات کا تفاوت اور پیشوں کی تقسیم ایرانی سوسائٹی اور نظامِ زندگی کا اہل قانون تھا، جس میں رد و بدل ممکن نہ تھا، پروفیسر آرتھر کرٹن سین کا بیان ہے :-

”سوسائٹی کے مختلف طبقوں کے درمیان ناقابلِ عبور فاصلہ تھا، حکومت کی طرف سے عوامِ اناس کو ممانعت تھی کہ وہ طبقہٴ امرا میں سے کسی کی جائیداد کو خریدیں، سیاست ساسانی کا محکم اصول تھا کہ ہرگز کوئی شخص اپنے اس رتبہ سے بلند تر رتبہ کا خواہاں نہ ہو جو اس کو پیدائشی طور پر یعنی از روئے نسب حاصل ہے، کوئی شخص مجاز نہ تھا کہ سوائے اس پیشے کے جس کے لئے خدا نے اسے پیدا کیا ہے کوئی دوسرا پیشہ اختیار کر سکے، شاہانِ ایران حکومت کا کوئی کام کسی نیچ ذات کے آدمی کے سپرد نہیں کرتے تھے، عوامِ اناس کی مختلف جماعتوں میں نہایت صریح امتیاز تھا، سوسائٹی میں ہر شخص کی ایک معین جگہ تھی۔“

## ایران کی قوم پرستی

اہل ایران اپنی ایرانی قومیت کو عظمت و تقدیس کی نگاہ سے دیکھتے تھے، وہ

اپنے تئیں یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ دنیا کی ہر قوم اور ہر نسل پر اس قومیت و نسل کو فضیلت و برتری حاصل ہے، اور اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ خصوصی صلاحیتیں اور فطری قابلیتیں بخشی ہیں جن میں ان کا کوئی شریک و ہم سر نہیں، یہ لوگ اپنے گرد و پیش کی قوموں کو بڑی حقارت و ذلت آمیز نگاہوں سے دیکھتے تھے، اور ان کے لئے ایسے نام تجویز کرتے تھے جن میں توہین و تمسخر پایا جاتا۔

## آتش پرستی اور انسانی زندگی پر اس کے اثرات

چونکہ آگ اپنے پجاریوں کو ہدایت دینے اور اپنا پیغام پہنچانے کی صلاحیت نہیں رکھتی اور نہ اس میں یہ قدرت ہے کہ اپنے پجاریوں کے سائل زندگی کو حل کر سکے، ان میں دخل دے اور مجرموں، گنہگاروں اور مفسدوں کا ہاتھ پکڑ سکے اس لئے اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ مجوسیوں کا مذہب چند مراسم و روایات کا نام رہ گیا تھا، جنہیں مخصوص اوقات اور خاص خاص مقامات پر ادا کر لیا کرتے تھے، رہا عبادت گاہوں سے باہر اپنے گھروں اور بازاروں، دائرۃ اثر اور سیاسی و اجتماعی امور میں تو اس میں یہ بالکل آزاد تھے، اپنی من مانی کرتے، ان کے خیالات جس رخ پر چاہتے انہیں موڑتے رہتے یا پھر جو مصلحت اور وقت کا تقاضا ہوتا اس پر کاہنہ بند ہوتے، جیسا کہ ہر زمانہ اور ہر ملک میں عام طور پر شرکوں کا حال رہا ہے۔

غرض اہل ایران ایسے مکمل اور جامع دین سے کبیر محروم تھے، جو ان کے باطن کی اصلاح کرتا، ان کے اخلاق سنوارتا، نفسیاتی خواہشات کو دبانے اور نیک خواہشات کو ابھارنے کی اس میں طاقت ہوتی، وہ خاندان کا نظام زندگی ملک کا دستور حکومت ہوتا، جو سلاطین کی چیرہ دستیوں اور حکام کی زیادتیوں کی روک تھام کر سکتا، ظالم کا ہاتھ پکڑ سکتا اور مظلوم کے حق میں انصاف کر سکتا، لیکن جیسا کہ اوپر گزر چکا آتش پرست ایرانیوں کو ایسا دین نصیب نہ تھا۔

اور اس طرح ایران کے مجوسیوں اور دنیا کے دوسرے لاندہب ولاقانون افراد میں اخلاق و اعمال کے لحاظ سے کوئی فرق نہ تھا۔

## بدھ مت اور اس کے تغیرات

بدھ مت اپنی سادگی اور اپنی انفرادیت عرصہ ہوا کھوپکا تھا، بدھ مذہب کے ہندوستان کے برہمنی مذہب کو اپنے میں شامل کر کے اور اس کے اذکاروں اور دیوتاؤں کو اختیار کر کے (جیسا کہ ڈاکٹر گتاولی بان مصنف "ہندوستان کا جہان معلوم ہوتا ہے") اپنی ہستی کو کم کر دیا تھا، برہمنیت نے (جو عرصہ سے خوار کھائے بٹھی تھی) اس کو ہضم اور اپنے میں کم کر لیا تھا، بہر حال یہ دونوں مذاہب جو عرصہ سے ایک دوسرے کے حریف چلے آ رہے تھے، باہم شیعہ و ختم ہو چکے تھے، اور بدھ مت اب عرصہ سے بت پرستی کا ایک مذہب تھا، جن ممالک میں بھی اس مذہب کے پیرو گئے، بت ان کے ساتھ ہے، یہ لوگ جہاں جاتے اور جس ملک میں پہنچتے، گوتم کے مجسمے نصب کرتے اور اس کی شبیہیں تیار کرتے، ان کی مذہبی ورتہ دنی زندگی ان مجسموں سے ڈھکی ہوئی نظر آتی ہے، یہ مجسمے زیادہ تر بدھ مت کے دور ترقی میں تیار ہوئے تھے، پروفیسر ایشوراو پال نے کسلا (قدیم بدھ دار السلطنت) کے عجائب خانہ کی سیر کرنے والا ان مجسموں اور صورتوں کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتا ہے، جو بدھ مذہب کے مٹے ہوئے شہروں کی کھدائی کے بعد نکلے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مذہب اور اس کا تمدن خاص بت پرستانہ مذہب و تمدن بن گیا تھا، ڈاکٹر گتاولی بان نے بھی ہندوستان میں بدھ مت اور یادگاروں کو دیکھ کر یہی نتیجہ نکالا ہے، "وہ تمدن ہند میں لکھتا ہے:-

۱۔ اصلی بدھ مذہب کو سمجھنے اور جاننے کے لئے اس مذہب کی یادگاروں کا مطالعہ کرنا چاہئے نہ کہ کتابوں کا جو سبق ہیں، ان یادگاروں کا مطالعہ وہ ان کتابی مسائل سے جن کی تعلیم یورپی مصنفین کرتے ہیں، بالکل علاحدہ ہے، یہ یادگار بت ثابت کرتی ہیں کہ جس مذہب کو یورپی علماء اتحادی مذہب بتاتے ہیں وہ فی الواقع بت پرست اور غیر الالہہ مذاہب کا سراج ہے۔ (تمدن ہند ۲۶۵)

اپنی کتاب ہندوستانی تمدن میں لکھتے ہیں، بدھ مت کے سامنے ایسی حکومت قائم ہوئی جس میں اقداروں کی بھرا دار و مورت پرستی کا دور دورہ دکھلائی دینے لگا، سنگھوں کی فضا بدل رہی تھی، اس میں بدھ مت اور جڈتیں کے بعد دیگرے نظر آرہی تھیں۔

پنڈت جواہر لال نہرو اپنی کتاب تلاش ہند THE DISCOVERY OF INDIA میں بدھ مت کے بگاڑ اور تدریجی زوال کے متعلق لکھتے ہیں۔

”برہمنیت نے بودھ کو اذنا بنا دیا، بودھ مت نے بھی یہی کیا، سنگھ بہت دلدل مند ہو گئے اور ایک خاص جماعت کے مفاد کے مرکز بن کر رہ گئے، اور ان میں ضبط و قاعدہ بالکل نہیں رہا، عبادت کے طریقوں میں سحر اور اوہام داخل ہو گئے، اور ہندستان میں ایک ہزار سال تک باقاعدہ رائج رہنے کے بعد بودھ مت کا تنزل شروع ہو گیا“ اس عہد میں اس کی چورمضانہ کیفیت تھی سرزرا شس ڈیوڈس (MRS. RHYS DAVIDS) نے اس کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

”ان مریضانہ تخیلات کے گہرے سائے میں اگر گوتم کی اخلاقی تعلیم نظر سے اوجھل ہو گئی، ایک نظریہ پیدا ہوا اور اس نے فروغ پایا، اس کی جگہ دوسرے نے لی، اور ہر ایک قدم پر ایک نیا نظریہ پیدا ہونے لگا، یہاں تک کہ ساری فضا میں ذہن کی ان پُر فریب تخیلیتوں سے گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا، اور بانی مذہب کے سادہ اور بلند اخلاقی درس ان الہیاتی نوٹ کاغذوں کے انبار کے نیچے دب کر رہ گئے، مجموعی حیثیت سے بودھ مت اور برہمنیت دونوں ہی میں گراؤٹ پیدا ہو گئی، اور ان میں اکثر متذلل رسوم داخل ہو گئیں، دونوں میں امتیاز کا نشانہ شکل ہو گیا، بودھ مت برہمنیت میں گھل ل گیا۔“

لہ ہندوستانی تمدن (اردو) ایضوراٹوپا۔ ۱۹۷۱ء، ۲۰۳، ۲۰۴ ایضاً



خلاصہ یہ کہ چین اور ان تمام ممالک کے پاس (جو بودھ مت کے پیرو تھے) دنیا کے لئے کوئی پیغام نہیں تھا جس کی روشنی میں دنیا اپنے مسائل کا حل تلاش کر سکتی اور خدا کا سیدھا راستہ پاتی، اہل چین تمدن دنیا کے بالکل مشرقی کنارہ پر اپنی علمی اور مذہبی میراث کو سینہ سے لگائے بیٹھے تھے جس میں نہ خود وہ کسی اضافہ کے خواہشمند تھے اور نہ دوسروں کے ذخیرہ میں اضافہ کرنے کے اہل تھے۔

## وسط ایشیا کی قومیں

مشرق اور وسط ایشیا کی دوسری قومیں (مغل، ترک، جاپانی) وغیرہ گروے ہوئے بودھ مت اور دھیانہ مت پرستی کے درمیان تھیں، نہ کوئی علمی دولت ان کے پاس تھی اور نہ سیاست کا کوئی ترقی یافتہ نظام ان کے یہاں تھا، دراصل یہ قومیں اپنے عبوری دور میں تھیں، جاہلانہ مت پرستی سے نکل کر تمدن کی طرف آرہی تھیں اور چند قومیں ایسی بھی تھیں جو اس وقت تک شہریت اور زندگی کی ابتدائی منزل میں تھیں اور عقلی و تمدنی حیثیت سے ان کا دور طفولیت تھا۔

## ہندوستان، مذہبی، اجتماعی اور اخلاقی نقطہ نظر سے

ہندوستان کے مؤرخین کا اس نقطہ پر اتفاق ہے کہ چھٹی صدی عیسوی سے جو زمانہ شروع ہوتا ہے، وہ مذہبی، اجتماعی اور اخلاقی لحاظ سے اس ملک کی تاریخ کا (جو کسی زمانہ میں علم و تمدن اور اخلاقی تحریکات کا مرکز رہا ہے) پست ترین دور تھا، ہندوستان کے ارد گرد دوسرے ممالک میں جو اجتماعی اور اخلاقی انحطاط رونما تھا، اس میں یہ ملک کسی سے پیچھے نہ تھا، اس کے علاوہ بھی کچھ خصوصیات تھیں جن میں اس ملک کو شان مکتائی حاصل تھی، ان خصوصیات کو میں مندرجہ ذیل

کے ذیل میں بیان کیا جاسکتا ہے (۱) معبودوں کی حد سے بڑھی ہوئی کثرت (۲) جنسی خواہشات کی بھرائی کیفیت (۳) طبقاتی تقسیم اور معاشرتی امتیازات۔

## نت نئے دیوتا

چھٹی صدی عیسوی میں بت پرستی پورے عروج پر تھی، وید میں دیوتاؤں کی تعداد ۳۳ تھی، اس صدی میں نینتیس کروڑ ہو گئی، اس عہد میں ہر سپدیدہ شے ہر شے رکھنے والی اور زندگی کی کوئی ضرورت پوری کرنے والی چیز دیوتا بن گئی تھی، جس کی پوجا کی جاتی تھی، اس طرح بتوں اور بتوں دیوتاؤں اور دیویوں کا کوئی شمار نہ تھا، ان دیوتاؤں اور قابل پرستش اشیاء میں معدنیات و نباتات، اشجار و نباتات، پہاڑ اور دریا، حیوانات، حتیٰ کہ آلات تناسل سب ہی شامل تھے، اس طرح یہ قدیم مذہب افسانوی روایات اور عقائد و عبادات کا ایک دیوالا بن کر رہ گیا، ڈاکٹر گتاولی بان متدن ہند میں لکھتا ہے:-

”دنیا کی تمام اقوام میں ہندو کے لئے پرستش میں ظاہری صورت کا ہونا لازمی ہے اگرچہ مختلف ازمہ میں مذہبی اصلاح کرنے والوں نے ہندو مذہب میں توحید کو ثابت کرنا چاہا ہے، لیکن یہ کوشش بالکل بے فائدہ ہے، ہندو کے نزدیک کیا ویدی زمانہ میں اور کیا اس وقت ہر چیز خدا ہے جو کوئی چیز اس کی سمجھ میں نہ آئے یا جس سے وہ مقابلہ نہ کر سکے، اس کے نزدیک پرستش کے لائق ہے، برہمنوں اور شنیوں کی نہ صرف کل کوششیں جو انھوں نے توحید قائم کرنے کے لئے کیں بلکہ کل وہ کوششیں بھی جو وہ دیوتاؤں کی تعداد گھٹا کر تین پر لانے کے لئے عمل میں لائے، ٹھن بیکار اور لالچا گئی ہیں، عوام انسان نے ان کی تسلیم کو سنا اور قبول کیا، لیکن عملیہ میں خدا تعداد میں بڑھتے گئے اور ہر ایک چیز“

برایک رنگ بوس اُن کے اذکار نظر آنے لگے۔

چھٹی سائیس صدی میں بُت سازی کے فن نے بڑی ترقی کی، اس عہد میں فن اپنے کمال پر پہنچ گیا تھا، سائیس ملک میں بُت پرستی کا دور دورہ تھا، حتیٰ کہ بودھ مت اور جینی مذہب کو بھی مذاق عام کا ساتھ دینا پڑا اور اپنی زندگی اور مقبولیت کو قائم رکھنے کے لئے اسی روش کو اختیار کرنا پڑا بُت پرستی کے اس عروج اور موزنیوں اور محبتوں کی کثرت کا اندازہ چینی سیاح ہوئن سیانگ (جس نے سنہ ۶۳۰ء اور ۶۴۳ء کے درمیان ہندوستان کی سیاحت کی ہے) کے اس بیان سے ہو سکتا ہے جس میں اس راجہ ہرش (۶۰۶ء-۶۴۷ء) جن کی کیفیت سنائی ہے، ہوئن سیانگ لکھتا ہے:-

”راجہ ہرش نے قنوج میں علمائے مذہب کا مجمع کرایا، کوئی پچاس ہاتھ اونچے مینار پر گوتم بدھ کی عظیمی صورت نصب کی گئی تھی، اس کی دوسری چھوٹی صورت کا بڑی دھوم دھام سے جلوس نکالا گیا جس میں ہرش نے سکر دیوتا کے لباس میں چتر برداری کا اڈا اس کے طلیعت راجہ وائی کامروپ نے گس رانی کی ہے۔

ہوئن سیانگ نے ہرش کے خاندان یا درباریوں کے متعلق لکھا ہے کہ کوئی تو شیو کا پرتا تھا، اور کوئی بودھ مت کا پیر و ہو گیا تھا، بعض لوگ سوج کی پوجا کرتے تھے، بعض وشنو کی، ہر شخص آزاد تھا کہ جس دیوتا کو چاہے اپنی پرستش کے لئے مخصوص کرے اور چاہے تو سب کی پوجا کرے۔

## جنسی بجران

شہوانی جذبات اور جنسی (SEXUAL) میلان کو ابھارنے والے عناصر مذہبی صورت

میں جس قدر ہندوستان کے قدیم مذہب و تمدن میں ہیں، کسی دوسرے ملک میں نہیں پائے جاتے،

لے تمدن ہندوستان ۴۴-۴۵ ۱۹۱۱ء ہوئن سیانگ کا سفرنامہ ”تو کوئی کی“ (مغربی سلطنت) ۱۹۰۵ء ایٹا

ملک کی مقدس کتابوں اور مذہبی حلقوں نے اہم واقعات، حوادث کے وقوع اور موجودات کے وجود کی توجیہ کے سلسلے میں دیویوں اور دیوتاؤں کے باہم اختلاط اور بعض اونچے گھرانوں پر ان کی توجہات کے بعض ایسے واقعات اور روایتیں بیان کی ہیں، جن کو سن کر آنکھیں نیچی اور پیشانی عرق آلود ہو جاتی ہے، ان حکایتوں کا سادہ لوح اہل مذہب پر جو بڑے اخلاص اور جوش ایمانی کے ساتھ ان کہانیوں کو دہراتے ہیں، جو کچھ اثر پذیر ہو سکتا ہے، اس کا قیاس کرنا کچھ مشکل نہیں، ظاہر ہے کہ ان کے اعصاب اور جذبات پر یہ روایتیں غیر شعوری طور پر اثر انداز ہوں گی، اس کے علاوہ بڑے دیوتا (شیو) کے آڑن سائل (نگم) کی پوجا ہوتی تھی اور بچے، جوان، مرد و عورت سب اس میں شریک ہوتے تھے، ڈاکٹر گستاوی بان اس کی اہمیت اور اس کے ساتھ اہل ہند کے شغف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

”ہندوؤں کو عورتوں اور ظاہری علامات سے بے انتہا انس ہے، ان کا کوئی مذہب کیوں نہ ہو اس کے اعمال کو یہ نہایت اہتمام سے بجا لاتے ہیں، ان کے مندر پر ش کی چیزوں سے بھرے ہوئے ہیں، جن میں سب کا مقدم نگم اور پوتی ہیں، جن سے راو مادہ خلقت کے دونوں جزو ہیں، اشوک کے سنوؤں کو بھی عام ہندو نگم خیال کرتے ہیں اور اسطوانہ اور مخروطی شکلیں ان کے نزدیک واجب التعظیم ہیں۔“

بعض مورخین کا بیان ہے کہ ایک مذہبی فرقہ کے مرد برہمن عورتوں کی اور عورتیں برہمن مردوں کی پرستش کرتے تھے، ہندوؤں کے محافظ و منظم بد اخلاقی کا سرچشمہ تھے، اور بہت سی عبادت گاہیں اخلاقی جرائم (CORRUPTION) کا مرکز تھیں، راجاؤں کے محل اور بادشاہوں کے درباروں میں بے تکلف شراب کا دور چلتا اور رستی میں اخلاقی حدود برقرار نہ رہتے۔

اس تن پروری و نفس پرستی کے بالکل متوازی نفس کشی، ریاضت و مجاہدہ (جوگ اور تپسیا) کا سلسلہ بھی جاری تھا، جس میں حد درجہ غلو اور انتہا پسندی سے کام لیا جاتا تھا، ملک ان دونوں سروں کے درمیان اعتدال و توازن سے محروم تھا، چند افراد نفس کشی اور روحانی ترقی میں مصروف تھے اور عام آبادی شہوانیت اور نفس پرستی کے دھارے میں بہی چلی جا رہی تھی۔

## طبقہ واریت

کسی قوم کی تاریخ میں اس قدر تین طبقہ واری امتیاز اور پیشوں اور زندگی کے شغلوں کی ایسی نمٹ اور اٹل تقسیم کم دیکھنے میں آئی ہے، جیسی ہندوستان کے قدیم مذہبی و معاشرتی قانون میں ہے، ذات پات کی تفریق اور پیشہ کی جکڑ بندیوں کی ابتدا وید کے آخری زمانہ سے شروع ہو جاتی ہے، آریوں نے اپنی نسل اور اس کی خصوصیات کو محفوظ رکھنے اس ملک میں اپنی فاتحانہ حیثیت قائم رکھنے اور اپنا تفوق و برتری برقرار رکھنے کے لئے اس طبقہ واری تقسیم اور نسل امتیاز کو ضروری سمجھا، ڈاکٹر گستاوی بان لکھتا ہے:-

”ویدی زمانہ کے آخر میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ مختلف پیشے کم و بیش آبائی ہونے جا رہے تھے، اور ذات کی تقسیم شروع ہو چکی تھی، اگرچہ تکمیل کو نہیں پہنچی تھی، ویدی آریوں کو یہ خیال پیدا ہو چکا تھا کہ وہ اپنی پرانی نسل کو اقوام مفتوحہ کے سبب بول سے محفوظ رکھیں، اور جس وقت قلیل التعداد فاتحین شرق کی طرف بڑھے اور انھوں نے دیسی اقوام کے ایک بہت بڑے گروہ کو فتح کر لیا تو یہ ضرورت اور بھی زیادہ ہو گئی اور مفتوحہ کو اس کا لحاظ کرنا لازمی ہو گیا، نسل کے مسائل کو آریہ سمجھ چکے تھے انھیں معلوم ہو چکا تھا کہ اگر کوئی قلیل التعداد فاتح قوم اپنی پوری حفاظت نہ کرے

تو وہ بہت جلد مفتوح اقوام میں کھپ جاتی ہے اور اس کا نام و نشا باقی نہیں رہتا۔  
لیکن اس کو ایک مرتب مفصل قانون کی شکل دینے کا سہرا منوجی کے سر ہے، منوجی نے  
پیدائش مسیح سے تین سو برس پہلے (جب ہندوستان میں پہلی تہذیب روج پتھی) ہندوستانی سماج  
کے لئے اس قانون کو مرتب کیا اور تمام اہل ملک نے اس کو بالاتفاق قبول کیا اور اس نے بہت جلد  
ملکی قانون اور ایک مذہبی دستاویز کی حیثیت اختیار کر لی، یہ وہی قانون ہے جس کو ہم آج  
”منو شاستر“ کے نام سے جانتے ہیں۔

منو شاستر میں چار ذائقے بیان کی گئی ہیں (۱) برہمن یعنی مذہبی پیشوا (۲) چھتری  
لڑنے والے (۳) ویش زراعت و تجارت پیشہ اور (۴) شودر جن کا کوئی خاص پیشہ  
نہ تھا، اور جو دوسری ذاتوں کے صرف خادم تھے، منو شاستر میں ہے:-

”قادر مطلق نے دنیا کا یہودی کے لئے اپنے منہ سے اور اپنے بازوؤں سے اور اپنی راتوں  
سے اور اپنے پیروں سے برہمن، چھتری، ویش اور شودر کو پیدا کیا۔  
”اس دنیا کی حفاظت کے لئے اس نے ان میں سے ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ  
فرائض قرار دیئے۔“

”برہمنوں کے لئے وید کی تعلیم اور خود اپنے لئے اور دوسروں کے لئے دیوتاؤں  
کے چڑھاوے دینا اور دان دینے لینے کا فرض قرار دیا۔“  
”چھتری کو اس نے حکم دیا کہ خلقت کی حفاظت کرے، دان دے، چڑھاوے  
چڑھاوے، وید پڑھے اور خواہشات نفسانی میں نہ پڑھے۔“  
”ویش کو اس نے یہ حکم دیا کہ مویشی کی سیوا کرے، دان دے، چڑھاوے چڑھاوے،

وید پڑھے، تجارت لین دین زراعت کرے؛

”شودر کے لئے قادر مطلق نے صرف ایک ہی فرض بنایا وہ ان تینوں کی خدمت کرتا ہے؛

اس قانون نے برہمنوں کو دوسری ذاتوں کے مقابل میں اتنا امتیاز اور تفوق و تقدس عطا کیا تھا کہ وہ دیوتاؤں کے ہم سر بن گئے، منو شاستر میں ہے :-

”جب کوئی برہمن پیدا ہوتا ہے تو وہ دنیا میں سب سے اعلیٰ مخلوق ہے، وہ بادشاہ ہے کل مخلوقات کا اور اس کا کام ہے شاستر کی حفاظت؛

”جو کچھ اس دنیا میں ہے برہمن کا مال ہے چونکہ وہ خلقت میں سب سے بڑا ہے کل چیزیں اسی کی ہیں؛

”برہمن کو ضرورت ہو تو وہ بلا کسی گناہ کے اپنے غلام شودر کا مال بہ جبر لے سکتا ہے، اس غضب سے اس پر کوئی جرم عام نہیں ہوتا کیوں کہ غلام جتنا جائیداد نہیں ہو سکتا، اس کی کل املاک مالک کا مال ہے؛

”جس برہمن کو روگ وید یاد ہے وہ بالکل گناہ سے پاک ہے اگرچہ وہ تینوں عالم کو ناس کیوں نہ کرے یا کسی کا بھی کھانا کیوں نہ کھائے؛

”بادشاہ کو کیسی ہی سخت ضرورت ہو اور وہ مرنے کا بھی ہو تو بھی اسے برہمنوں کا محصول نہ لینا چاہئے اور نہ اپنے ملک کے کسی برہمن کو بھوک سے مرنے دینا چاہئے؛

”سزائے موت کے عوض میں برہمن کا صرف سر منڈا جائے گا، لیکن اور ذات کے لوگوں کو سزائے موت دی جائے گی؛

لہ منو شاستر باب اول منو ۵۵ ایضا منو ۵۶ ایضا منو ۵۷ ایضا منو ۵۸

۵۹ ایضا باب ششم منو ۶۰ ایضا باب ششم منو ۶۱ ایضا باب ششم منو ۶۲ ایضا باب ششم منو ۶۳ ایضا باب ششم منو ۶۴

اس قانون میں چھتری اگر چہ پیش اور شودر کے مقابل میں بلند ہیں لیکن برہمنوں کے مقابل میں وہ بھی سچ ہیں، منو لکھتے ہیں:۔

”دش سال کی عمر کا برہمن اور تین سال کی عمر کا چھتری گویا آپس میں باپ بیٹے کا رشتہ رکھتے ہیں لیکن ان دونوں میں برہمن باپ ہے۔“

## بد قسمت شودر

باقی ہے اچھوت شودر تو وہ ہندوستانی مسلح میں اس شہری و مذہبی قانون کی رو سے جانوروں سے پست درجہ کے اور کتوں سے زیادہ ذلیل تھے، منو شاستر میں ہے:۔

”برہمن کی خدمت کرنا شودر کے لئے نہایت قابل تعریف بات ہے اور اس کے سوا کسی اور چیز سے اُسے اور کوئی اجر نہیں مل سکتا۔“

”شودر کو اگر موتی ملے تو اسے نہیں چاہئے کہ مال و دولت جمع کرے کیونکہ شودر دولت جمع کر کے برہمنوں کو دکھ دیتا ہے۔“

”اگر شودر دو جوں پر ہاتھ یا لکڑی اٹھائے تو اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا جائے گا اور اگر وہ غصہ میں لات مارے تو اس کا پیر کاٹ ڈالا جائے گا۔“

”اگر کوئی شودر کسی راج کے ساتھ ایک ہی جگہ بیٹھنا چاہے تو بادشاہ کو چاہئے کہ اس کے سرین کو دغا دے اور اسے ملک بدر کر دے یا اس کے سرین کو زخمی کر دے۔“

”اگر کوئی شودر کسی برہمن کو ہاتھ لگائے یا گالی دے تو اس کی زبان تالوے کھینچ لی جائے گی۔“

اگر اس کا دعویٰ کرے کہ اس کو وہ تعلیم دے سکتا ہے تو کھوتا ہوا تیل اس کو پلایا جائے۔“

۱۔ منو شاستر باب ۱۰ ص ۱۳۵ ۲۔ ایضاً باب ۱۰ ص ۱۳۹ ۳۔ ایضاً باب ۱۰ ص ۱۴۰ ۴۔ ایضاً باب ۱۰ ص ۱۴۱ ۵۔ ایضاً باب ۱۰ ص ۱۴۲



کہتے، آئی، مینڈک چھپکلی، کوڑے، اُتو اور شودر کے مارنے کا کفارہ برابر ہے۔

## ہندوستانی سماج میں عورت کی حیثیت

برہمنی زمانہ اور تہذیب میں عورت کا وہ درجہ نہیں رہا تھا، جو ویدی زمانہ میں تھا، منو کے قانون میں (بقول ڈاکٹر لی بان) عورت ہمیشہ کمزور اور بے وفا سمجھی گئی ہے اور اس کا ذکر ہمیشہ تحارت کے ساتھ آیا ہے۔

شوہر مر جاتا تو عورت گویا جیتے جی مرجاتی اور زندہ درگور ہو جاتی، وہ کبھی دوسری شادی نہ کر سکتی، اس کی قسمت میں طعن و تشنیع اور ذلت و تحقیر کے سوا کچھ نہ ہوتا، بیوہ ہونے کے بعد اپنے متوفی شوہر کے گھر کی لونڈی اور دیوروں کی خادمہ بن کر رہا پڑتا، اکثر بیویاں اپنے شوہروں کے ساتھ سستی ہو جاتیں، ڈاکٹر لی بان لکھتا ہے، بیواؤں کو اپنے شوہروں کی لاش کے ساتھ جلانے کا ذکر منو شاستر میں نہیں ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسم ہندوستان میں عام ہو چکی تھی، کیونکہ یونانی مؤرخین نے اس کا ذکر کیا ہے۔

غرض یہ سرسبز و شاداب ملک جو فطرت کے خزانوں سے مالا مال تھا، سچے آسمانی مذہب کی تعلیمات سے عرصہ سے محروم ہونے اور مذہب کے مستند اخذوں کے گم ہو جانے کی وجہ سے قیاسات و تحریفات کا شکار اور رسوم و روایات کا پرستار بنا ہوا تھا، اور اس وقت کی دنیا میں جہالت و توہم پرستی، پست درجہ کی مٹ پرستی، انسانی خواہشات اور طبقہ داری نا انصافی میں پیش پیش تھا، اور دنیا کی اخلاقی و روحانی رہبری کے بجائے خود اندرونی انتشاء اور اخلاقی بد نظمی میں مبتلا تھا۔

## عرب

دور جاہلیت میں عرب اپنی بعض فطری صلاحیتوں اور بعض عادات و اخلاق میں تمام دنیا میں ممتاز تھے، فصاحت و بلاغت اور قادر الکلامی میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا، آزادی و خودداری ان کو جان سے زیادہ عزیز تھی، شہسواری و شجاعت میں وہ بے بدل تھے، عقیدہ کے پرچوش صاف گو اور جبری، حافظہ کے قوی، مساوات، بے تکلفی اور جفاکشی کے عادی، ارادہ کے پکے، زبان کے سچے، وفاداری اور امانت داری میں ضرب المثل تھے۔

لیکن انبیاء اور ان کی تعلیمات سے بعد ایک جزیرہ ناپائیداریوں سے متعین رہنے کی وجہ سے اور باپ دادا کے دین اور قوی روایات پر سختی سے قائم ہونے کے سبب وہ دینی و اخلاقی حیثیت سے بہت گر چکے تھے، چھٹی صدی میں وہ تنزل و انحطاط کے آخری نقطہ پر تھے، کھلی ہوئی بُت پرستی میں مبتلا اور اس میں دنیا کے امام تھے، اخلاقی و اجتماعی امراض ان کی سوسائٹی کو گھمن کی طرح کھا رہے تھے، غرض مذاہب کے اکثر محاسن سے وہ محروم اور جاہلی زندگی کی بدترین خصوصیتوں اور معائب میں مبتلا تھے۔

## دور جاہلیت کے بُت

جہالت و جاہلیت کی ترقی کے ساتھ ساتھ غیر اللہ کی پرستش کا عقیدہ مقبول و عام اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و ربوبیت کا تصور کمزور اور خواص میں محدود ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ رشتہ رشتہ پوری قوم مُبتوں اور موزیوں کی (جن کو کسی زمانہ میں شفیع اور واسطہ یا مرکز توجہ بنانے کے لئے اختیار کیا گیا تھا) صاف صاف پرستش میں مشغول ہو گئی، اور اللہ تعالیٰ سے (جس کا

خانقائے کائنات اور رب الارباب کی حیثیت سے اب بھی اقرار تھا) علما و قبلات خلق منقطع ہو کر دوسرے معبودوں اور بتوں سے قائم ہو گیا تھا، اور عبودیت و بندگی کے اظہار کے طریقے اور اعمال (سجدہ، قربانی، حلف و عدا و استعانت) انھیں کے ساتھ مخصوص ہو کر رہ گئے تھے، اور ملک میں کھلی بت پرستی، خدا سے بے تعلقی اور صریح شرک کا دور دورہ تھا۔

عرب میں ہر قبیلہ ہر شہر اور ہر علاقہ کا ایک خاص بت تھا، بلکہ گھر گھر بت تھے۔ کبھی کا بیان ہے کہ مکہ مکرمہ کے ہر گھر کا ایک بت تھا، جس کی گھر والے پریش کرتے تھے، جب کسی شخص سفر کا ارادہ کرتا تو روانگی کے وقت گھر پر اس کا آخری کام یہ ہوتا کہ اپنے بت کو خصوصی برکت کے لئے چھوٹا اور جب سفر سے واپس آتا تو گھر پہنچ کر پہلا کام یہ کرتا کہ اپنے بت کو تبرکات لگا دیتا۔ بتوں کے بارے میں بڑا غلو اور انہماک تھا، کسی نے تو ایک بت خانہ بنا رکھا تھا، کسی نے بت تیار کر لیا تھا، جو بت خانہ نہیں بنا سکتا تھا، یا بت نہیں تیار کر سکتا تھا، وہ حرم کے سامنے ایک پتھر کا ڈنڈا یا حرم کے علاوہ جہاں بہتر سمجھتا پتھر کا ڈنڈا اس کے ارد گرد اس شان سے طواف کرتا جس طرح بیت الشکر کے گرد طواف کیا جاتا ہے، ان پتھروں کو وہ انصاب کہا کرتے تھے، خود خانہ کعبہ کے اندر (وہ خانہ کعبہ جو صرف الشکر کی عبادت کے لئے بنایا گیا تھا) اور اس کے صحن میں ۳۶۰ بت تھے، بتوں اور دیوتاؤں کی پوجا کرنے کرتے یہ لوگ اس حد تک بڑھ گئے کہ پتھر کی قسم سے جو کچھ مل جاتا اس کو پوجتے، بخاری میں البورجاء العطاوی سے روایت ہے کہ ہم لوگ

لَهُ دَلِيلٌ سَأَلْنَاهُ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ﷻ عرب جاہلیت کے عقائد کی حقیقت اور شرکاء عقیدہ کے مدعیان ارتقا کو مسلم کرنے کے لئے ملاحظہ فرمائی فاضل محمد عزت درونہ کی کتاب بیۃ النبی

ﷺ علیہ وسلم من القرآن (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وطن اور ماحول قرآن کی روشنی میں)۔

تفہیم القرآن جلد ۱ صفحہ ۱۵۵ صحیح بخاری کتاب المغازی باب فتح مکہ۔

پتھر کو پوجتے تھے، اگر کوئی اس سے اچھے قسم کا پتھر مل جاتا تو اس کو پھینک کر اس نئے پتھر کے لئے  
 اور اگر پتھر نہ پاتے تو مٹی کا ایک ڈھیر بناتے اور اس پر بکری کو لاکر دوہتے، پھر اسی کا طوان کرتے  
 کلبی کا بیان ہے کہ کوئی شخص سفر میں کسی نئے مقام پر اترا تو چار پتھر لے آتا جو پتھر اس کو اچھا  
 معلوم ہوتا اس کو موجود قرار دیتا، اور باقی تین پتھروں کو اپنی ہانڈی کا پتھر بناتا اور جب  
 وہاں سے جاتا تو سب پتھروں کو چھوڑ جاتا۔

## معبودوں کی کثرت

مشرکوں کا ہر زمانہ اور ہر ملک میں جو حال رہا ہے وہی حال عرب کا تھا، ان کے متعدد اور  
 مختلف معبود تھے جن میں فرشتے، جن تارے سب شامل تھے، فرشتوں کے بارہ میں ان کا عقیدہ یہ تھا  
 کہ یہ اللہ کی بیٹیاں ہیں اس لئے ان سے شفاعت کے طلبگار رہتے ان کی پرستش کرنے اور ان کو وسیلہ  
 بناتے جنوں کو اللہ کا شریک سمجھتے، ان کی قدرت اور اثر اندازی پر ایمان رکھتے اور ان کی پرستش کرتے۔  
 کلبی کا بیان ہے کہ قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ بنو لیحتمی جو جنوں کو پوجتی تھی، صاعد کی  
 روایت ہے کہ قبیلہ حمیر آفتاب کی پرستش کرتا، کنانہ کا قبیلہ چاند پرست تھا، بنو تمیم وبران کی  
 تخم و جذام مشترکی کی قبیلہ طے ہسیل کی، بنو قیس شمر کی اور بنو اسد عطار کی پرستش کرتا تھا۔

## اخلاقی و اجتماعی امراض

اخلاقی اعتبار سے ان کے اندر بہت سی بیماریاں اور امراض گھڑ گئے ہوئے تھے اور

۱۔ صحیح بخاری کتاب النماز باب وفد بنی حنیفہ ۵۷ کتاب الامنام ۵۳ ایضاً ۳۴

۲۔ ایضاً ۳۴ ۵۷ طبقات الامم (صاعد اندلسی) ص ۳۲

اس کے اسباب واضح ہیں شراب عام طور سے پی جاتی تھی اور ان کی گھٹی میں پڑی تھی، اس کا تذکرہ ان کی ادبیات اور شاعری کی بہت بڑی جگہ کو گھیرے ہوئے ہے، عربی زبان میں اس کے نام جس کثرت سے ہیں اور ان ناموں میں جن باریک فرقوں اور پہلوؤں کا لحاظ رکھا گیا ہے اس سے اس کی مقبولیت و عمومیت کا اندازہ ہو سکتا ہے، شراب کی دو کانیں برسرِ راہ تھیں اور علامت کے طور پر ان پر پھر رالہا راتا، جو اچالی زندگی میں بڑائی اور خوبی کی بات تھی اور اس میں شرکت نہ کرنا پست سمیٹی اور مردہ دلی کی دلیل تھی، تابعی عالم قتادہ کا بیان ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ایک شخص اپنے گھر بار کو داؤں پر رکھ دیتا تھا، پھر ٹاٹا حاسر کے اپنے مال کو دوسروں کے ہاتھ میں دیکھتا اس سے نفرت و عداوت کی آگ بھڑکتی اور جنگوں کی نوبت آتی تھے حجاز کے عرب و یہودی سودی لین دین اور سود و سود کا معاملہ کرتے اس سلسلے میں بڑی بے رحمی اور سخت دلی کے مظاہرے ہوتے، زمانہ کچھ زیادہ میسوب بات نہ سمجھا جاتا اور اس کے واقعات عربوں کی زندگی میں کیاب نہ تھے اس کے بہت سے اقسام اور طریقے رائج تھے زنان بازار اور پیشہ و روزنوں کے آڈے بھی موجود تھے اور شراب خانوں میں بھی اس کا انتظام تھا۔

## عورت کا درجہ

جاہلی معاشرہ میں عورت کے ساتھ ظلم و بدسلوکی عام طور سے روا سمجھی جاتی تھی اس کے

له ملاحظه ہو کتاب المخصص (ابن سیدہ) الخرج ۱۱ ص ۴۲۱ ۵۲ سب معارف معلّمہ شرف قدس سامرہا ۴۱

کہ دیوان الحماسہ قصیدۃ الجحیر میں خالد شعرواذاہلکت فلا ترمیدی علی جزائہم کہ ملاحظہ ہو

تفسیر آیت اِنَّ الشَّيْطَانَ اَنْ يُوحِيَ بَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ ۚ تَفْسِير طبری ج ۲ ص ۵۹-۶۰

۱۵ ملاحظہ ہو العقد المربیہ کتاب خباز زیاد (ابن عبد ربیع)

حقوق پامال کئے جاتے اس کا مال مرد اپنا مال سمجھتے وہ ترکہ اور میراث میں کچھ حصہ نہ پاتی شوہر کے مرنے یا طلاق دینے کے بعد اس کو اجازت نہیں تھی کہ اپنی پسند سے دوسرا نکاح کر سکے، دوسرے سامان اور حیوانات کی طرح وہ بھی وراثت میں منتقل ہوتی رہتی تھی، مرد تو اپنا پورا پورا حق وصول کرتا لیکن عورت اپنے حقوق سے مستفید نہیں ہو سکتی تھی، کھانے میں بہت سی ایسی چیزیں تھیں جو مردوں کے لئے خاص تھیں، اور عورتیں ان سے محروم تھیں۔

لڑکیوں سے نفرت اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ انھیں زندہ درگور کرنے کا بھی رواج تھا، ہینٹمن بن عدی نے ذکر کیا ہے کہ زندہ درگور کرنے کا اصول عرب کے تمام ہی قبائل میں رائج تھا، ایک اس پر عمل کرتا تھا، دس چھوڑتے تھے، یہ سلسلہ اس وقت تک رہا جب تک کہ اسلام نہیں آیا۔ بعض ننگ و عار کی بنا پر بعض خرچ مفلسی کے ڈر سے اولاد کو قتل کرتے، عرب کے بعض شرفاء درو ساء ایسے موقع پر بچوں کو خرید لیتے اور ان کی جان بچاتے، حصصہ بن ناجیہ کا بیان ہے کہ اسلام کے ظہور کے وقت تک میں تین بوزندہ درگور ہونے والی لڑکیوں کو فدیہ دے کر بچا چکا تھا، بعض اوقات کسی سفر یا مشغولیت کی وجہ سے لڑکی سیانی ہو جاتی اور دفن کرنے کا نوبت آتی جاہلی باپ دھوکہ دے کر اس کو بیچتا اور بڑی بے جلدی سے اس کو زندہ درگور کرتا، اسلام لانے کے بعد بعض عربوں نے اس سلسلہ کے بڑے اند و ہناک اور رقت انگیز واقعات بیان کئے ہیں۔

## قبائلی و خاندانی عصبیت و امتیاز

قبیلے اور رشتہ داریوں کی بنیاد پر عصبیت اور جھڑندی عرب میں بڑی سخت تھی اس عصبیت کی

۱۔ سورۃ البقرہ آیت ۲۳۲ ۲۔ سورۃ النساء آیت ۱۹ ۳۔ سورۃ الانعام آیت ۱۲۰ ۴۔ صیدانی ۵۔ ملاحظہ ہو بلوغ

الاعراب فی احوال العرب الخوصی ۶۔ کتاب الاغانی ۷۔ ملاحظہ ہو سنن الدارمی ۸۔ باب ما کان علیہ

الاشاق قبل مبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الجہل والصلالہ ص ۳

بنیاد جاہلی مزاج تھا جس کی روح اس شہور جلد سے ظاہر ہوتی ہے: انصراخاۃ ظالما و مظلوما یعنی اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، چنانچہ وہ اپنے حلیف اور بھائی کی ہر حال میں مدد کرنا ضروری سمجھتے تھے، خواہ وہ برسرِ حق ہو یا برسرِ باطل۔

عربی معاشرہ مختلف طبقات اور الگ الگ حیثیت کے خاندانوں اور گھرانوں پر مشتمل تھا، ایک خاندان دوسرے سے اپنے کو بلند و بزرگ سمجھتا تھا، بعض خاندان دوسرے خاندانوں یا عام انسانوں کے ساتھ بہت سی رسوم و عادات میں شرکت پسند نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ حج کے بعض مناسک میں قریش عام حجاج سے الگ تھلگ اور ممتاز رہتے تھے، وہ عرفات میں عام لوگوں کے ساتھ ٹھہرنا عار کی بات سمجھتے تھے، آنے جانے میں پیش قدمی کرتے تھے، ایک طبقہ پیدائشی آقاؤں کا تھا، ایک طبقہ کم حیثیت لوگوں کا جس سے بیگاریا جانا اور کام پر لگایا جانا کچھ عوام اور بازاری لوگ تھے۔

## جنگو فطرت

عرب فطرۃ جنگجو واقع ہوئے تھے، اور ان کی صحرائی اور غیر تمدن زندگی کا تقاضا بھی یہی تھا، جنگ لڑنے کی زندگی کی ایک ضرورت آگے بڑھ کر نفرت اور دل بٹلی کا سامان بن گئی تھی جس کے بغیر ان کا جینا مشکل تھا، ایک شاعر فریہ کہتا ہے کہ اگر ہم کو کوئی حریف قبیلہ نہیں ملتا تو اس خواہش کی تسکین کے لئے ہم اپنے برادر و حلیف قبیلہ پر حملہ کر دیتے ہیں، ایک عرب شاعر دعا کرتا ہے کہ میرا گھوڑا سواری کے قابل ہو جائے تو اشر قبائل میں جنگ کی آگ بھڑکا دے تاکہ مجھے اپنے گھوڑے اور اپنی تلوار کے جوہر دکھانے کا موقع ملے۔

لے سورة البقرة آیت ۱۹۹ لے و احبنا علی بکر الخینا و اذا مالنا لم نجد الا اعدانا (حمار)

لے اذ المہرۃ الشعر ادرتہ ظہرہا و فشت الالہ العرب بین القبائل (حمار)

جنگ کرنا اور خون بہانا ان کے لئے معمولی کام تھا، جنگ کو بھڑکانے کے لئے معمولی واقعات کافی تھے، وائل کی اولاد بکرو تغلب کے درمیان چالیس سال تک جنگ جاری رہی جس میں پانی کی طرح خون بہا، ایک عرب سردار مہلہل نے اس کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے کہ دونوں خاندان مٹ گئے، ماؤں نے اپنی اولاد کھوئی، بچے قلم ہوئے، آنسو خشک نہیں ہوتے، لاشیں دفن نہیں کی جاتیں، پورا جزیرہ عرب گویا شکاری کا جال تھا، کوئی شخص نہیں جانتا تھا کہ کہاں لوٹ لیا جائے گا اور کب ہو کہ قتل کر دیا جائے گا، لوگ قافلوں میں اپنے ساتھیوں کے درمیان سے اچک لئے جاتے تھے، یہاں تک کہ عظیم الشان سلطنتوں کو اپنے قافلوں اور سفارتوں کے لئے چوکی پہرو اور مضبوط بدلتہ اور قبائل کے سرداروں کی ضمانت کی ضرورت پڑتی تھی۔

## دنیا کا عمومی جائزہ

ایک انگریز سیرت نگار آر وی سی، بوڈلے R. V. C. BODLEY اپنی کتاب "پیغامبر (THE MESSENGER)" میں زمانہ بعثت کی دنیا کا عمومی جائزہ لیتے ہوئے اس وقت کے قابل ذکر ممالک و اقوام کا تذکرہ کرتا ہے:-

"قدیم روایات کے باوجود چھٹی صدی عیسوی کی اس دنیا میں عربوں کو کوئی اہمیت حاصل نہ تھی، حقیقت میں تو کسی کی بھی کوئی اہمیت نہ تھی، یہ ایک نزلہ کا دور تھا، برب کہ مشرقی یورپ اور مغربی ایشیا کی عظیم سلطنتیں اول ہی تباہ ہو چکی تھیں یا اپنے شاہی دور کے اختتام پر تھیں، یہ ایک ایسی دنیا تھی جو اب بھی یونان کی فصاحت، ایران کی عظمت اور روم کی شوکت و جلال سے متحر تھی اور کوئی ایسی ایک شے یا کوئی ایسا



ایک مذہب بھی نہ تھا جو ان میں سے کسی کی جگہ لیتا۔

یہودی تمام دنیا میں اے اے پھر ہے تھے ان کو کوئی مرکزی رہنمائی حاصل نہ تھی، حالات کے مطابق یا تو ان کو محض برداشت کیا جاتا یا اذیتیں دی جاتیں کوئی ملک ان کا اپنا ذاتی نہ تھا، اور ان کا مستقبل اسی قدر غیر یقینی تھا جس طرح کراچ ہے۔ پوپ گرگری اعظم GREGORY THE GREAT کے حلقہ اثر سے باہر کسی اپنے پہل عقائد کے فہم کے پیچیدہ معانی ایجاد کر رہے تھے اور اس سلسلہ میں ایک دوسرے کا گلہ کاٹنے میں مصروف تھے۔

ایران میں تیسرے سلطنت کی صرف ایک کن رہ گئی تھی خسرو ثانی اپنی سلطنت کی توسیع میں مصروف تھا، اس نے روم کو شکست دے کر کپادوکیا CAPADOCIA، مصر و شام پر قبضہ کر لیا تھا، اس نے ۶۲۷ء میں (جب کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم حبشیت رہنا ظاہر ہونے والے تھے) بیت المقدس کو تاراج کر کے مقدس صلیب کو چڑھایا تھا، اور دارے اؤل کی زبردست عظمت و شوکت کو دوبارہ قائم کر دیا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا مشرق وسطیٰ کی عظمت کو زندگی کی ایک نئی قسط مل گئی ہے، لیکن یہی نہ تھا، بازنطینی رومی اب بھی اپنی گزری ہوئی جستی رکھتے تھے، جب خسرو اپنی فوج کو قسطنطنیہ کی فصیلوں پر لایا تو انھوں نے ایک آخری کوشش کر دکھائی۔

مشرق بعید میں حالات کوئی نمایاں اثرات نہیں چھوڑ رہے تھے، ہندوستان اب بھی چھوٹی چھوٹی غیر اہم ریاستوں پر مشتمل تھا، جو سیاسی اور جری حیثیت سے ایک دوسرے پر فوقیت کے لئے جدوجہد میں مصروف تھیں۔

چینی ہمیشہ کی طرح آپس میں نبرد آزا تھے، خاندان سوئی آیا اور گیا اور اس کی

جنگ نے لی جو تین صدیوں تک حکمران رہا۔

جاپان میں پہلی مرتبہ ایک عورت تخت نشین ہوئی، بدھ مت بڑھکے لگتا تھا اور  
جاپانی تصورات اور مقاصد پر اثر انداز ہونے لگا تھا۔

اسپین اور انگلستان غیر اہم چھوٹے چھوٹے ملک تھے، اسپین وسی گوتھوں  
(VISI GOTHS) کے زیر اثر تھا، جو کچھ عرصہ پہلے ہی فرانس سے جس پر انھوں نے لائر  
(LOIRE) تک قبضہ کر رکھا تھا، نکالے گئے تھے، وہ ان یہودیوں پر ظالم ڈھلے تھے جو کہ  
اس مسلم ملک کے لئے جو ابھی سو برس بعد ہونے والا تھا، آسانیاں پیدا کرنی تھیں۔

جزائر برطانیہ آزاد ریاستوں میں تقسیم تھا، دیر ۱۵۰ سال روسیوں کو روانہ  
ہوئے ہو چکے تھے، جن کی جگہ نازک لوگوں کی آمد نے لی تھی، خود انگلستان سب  
مختلف بادشاہتوں پر مشتمل تھا۔



## زمانہ جاہلیت کا سیاسی و معاشی نظام

جاہلی دنیا کی دینی و روحانی، اخلاقی و اجتماعی صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے سیاسی و معاشی نقشہ پر خصوصی نظر ڈال لی جائے کہ دینی و اخلاقی اور اجتماعی ترقی و انحطاط میں سیاسی و معاشی حالات اور رائج الوقت سیاسی و معاشی تصور اور قوانین کا بہت بڑا دخل ہے اور وہ قومی زندگی کی تعمیر و تشکیل کا ایک اہم و فعال عنصر (FACTOR) ہے۔

### مطلق العنان بادشاہت

زمانہ جاہلیت میں خالص آمرانہ حکومت کا دور دورہ تھا، اس زمانہ کی سیاست مطلق العنان بادشاہت تھی، یہ بادشاہت اکثر مخصوص خاندانوں کی عظمت پر قائم ہوتی تھی جیسا کہ ایران میں تھا، وہاں آل ساسان کا یہ عقیدہ تھا کہ حکومت پران کا موروثی حق ہے اور انھیں تاہید الہی ہے، عام عایا کو جس پوری کوشش کر کے اس کا یقین دلا دیا گیا تھا چنانچہ انھوں نے بھی اس اصول کو تسلیم کر لیا تھا، اور حکومت کے بارے میں ان کا یہی عقیدہ ہو گیا تھا جو کبھی متزلزل نہیں ہوتا تھا۔

کبھی یہ بادشاہت محض سلاطین کی عظمت پر قائم ہوتی تھی، اہل چین اپنے بادشاہ کو شہنشاہ فرزند آسمان کہتے تھے کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ آسمان "ترہ ہے اور زمین مادہ" اور کائنات کو انھیں دونوں نے جنم دیا ہے اور شہنشاہ خدائے اول زمین و آسمان کے

جوڑے کی سب سے پہلی اولاد ہے، اسی بنا پر شاہ دقت کو قوم کا تنہا باپ تصور کیا جاتا تھا، اس کو حق تھا کہ جو چاہے کرے، لوگ اس سے کہتے تھے کہ آپ ہی قوم کے مائی باپ ہیں، شہنشاہ لیان یا تائی تنگ جب مراہے تو اہل چین نے سخت ماتم برپا کیا اور حد سے زیادہ غم کیا، کسی نے سوئوں سے اپنا چہرہ خون آلود کیا، کسی نے اپنے بال کاٹے، کسی نے جنازہ سے اپنے کان مارا کہ زخمی کر لئے۔

کبھی بادشاہت کسی خاص گروہ یا کسی مخصوص وطن کا حق سمجھی جاتی تھی جیسا کہ مملکت رومائیں اعتقاد تھا، وہاں رومی وطن اور رومی قومیت کی عظمت کو بنیادی قانون تھا، دوسری قومیں اور دوسرے ملک اس قومیت کے غلام تھے، ان کی حیثیت ان رگوں اور شراٹمیں کی سی تھی، جن سے خون جاری ہو کر اپنے مرکز کو پہنچتا ہے، سلطنت روماء ہر قانون اور ہر ایک کے حق کو نظر انداز کر سکتی، اور ہر ایک کی عزت و ناموس پامال کر سکتی تھی، وہ ظلم و ستم کو جائز سمجھتی تھی، رومیوں کا ہم عقیدہ اور ہم مذہب ہو کر اور حکومت کے ساتھ خلوص اور وفاداری کا اظہار کر کے بھی کوئی قوم یا فرد رومیوں کے ظلم و ستم سے بچ نہیں سکتا تھا، کسی قوم کو حکومت خود اختیاری یا اندرونی خود مختاری کا حق نہیں تھا، اور نہ اس کا موقع تھا کہ اپنے ملک میں اپنے واجبی حقوق سے مستفید ہو سکے، ان محکوم قوموں اور مفتوح ملکوں کی مثال اس اوٹمنی کی سی تھی جس پر بوقت ضرورت سواری کی جاتی اور اس کا دودھ دہا جاتا اور صرف اسی قدر اس کو چارہ دیا جاتا جو اس کی پیٹھ کو مضبوط اور تھن کو دودھ سے بھرا رکھ سکے، رابرٹ بریفاٹ (ROBERT BRIFFAULT) رومی سلطنت کے بارہ میں لکھتا ہے:-

”رومی سلطنت کی تباہی کا سبب وہاں کی بڑھی ہوئی خرابیاں (شذائت و غیرہ)

لے تھیں۔ انھیں کارکن۔

تھیں، بلکہ اصلی بُرائی اور بُنیادی خرابی نِسار و شر اور تھاق سے گریز کی عادت تھی جو اس سلطنت کے قیام اور نشوونما میں پہلے ہی دن سے موجود تھی یہ خرابی سلطنت کے اندر بڑھ چکی تھی کسی انسانی جماعت کی تعمیر جب بھی اس طرح کی کمزوری کے بنیاد پر کی جائے گی تو اس کے گرنے سے صرف ذہانتیں اور علمائے مگر گریا نہیں بچ سکتیں اور چونکہ خرابیوں ہی پر اس سلطنت کی بنیاد تھی اس لئے اس کا خاتمہ اور زوال بھی ضروری تھا، کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ رومی سلطنت صرف ایک چھوٹے سے طبقہ کی عیش اور راحت رسانی کا ذریعہ تھی اور جمہور عوام سے ناجائز شغف اندوزی اور رعایا کا خون چوس کر شاہی قومیت کو غذا پہونچانا اس حکومت کا کام تھا، بلاشبہ روم میں تجارت، امانت داری اور انصاف کے ساتھ جاری تھی اور یہ بات حکومت کی بنیادی خصوصیات میں بھی جاتی تھی اور ان سے ہم انکار نہیں کہ حکومت اپنی طاقت و قابلیت میں نیز اپنے عدالتی نظام میں ممتاز تھی لیکن یہ تمام خوبیاں حکومت کو تباہی سے نہیں بچا سکتی تھیں اور نہ اس کی غلطیوں کے سخت انجام سے محفوظ رکھ سکتی تھیں۔

## مصر و شام کی رومی حکومت

ڈاکٹر الفریڈ بٹلر ALFRED BUTLER رومی حکومت کے بارے میں لکھتا ہے :-

”مصر میں رومی حکومت صرف ایک ہی غرض و غایت اپنے سامنے رکھتی تھی اور وہ یہ تھی کہ جس طرح ممکن ہو رعایا سے مال لوٹ کھسوٹ کر حکام کو فائدہ پہونچایا جائے“

رعایا کی بہبودی اور خوشحالی اور عوام کے میاں زندگی کو بلند کرنے کا خیال تک نہیں آتا تھا، رعایا کی تہذیب اور اخلاق کو درست کرنا اور ترقی دینا تو بڑی چیز ہے، ملک کے مادی وسائل کو ترقی دینے کا بھی اس کو فکر نہ تھی، ہصر پران کی حکومت ان پر دیسیوں کی سی حکومت تھی، جو صرف اپنی طاقت پر بھروسہ کرتی ہے اور محکوم قوم کے ساتھ اظہار ہمدردی کرنے تک کی بھی ضرورت نہیں سمجھتی تھی۔

ایک عرب شامی مؤرخ شام میں رومی حکومت کے بارہ میں کہتا ہے :-

”ابتداء میں رومیوں کا شامیوں کے ساتھ اچھا اور نفعانہ برتاؤ تھا، اگرچہ ان کی سلطنت میں اندرونی طور پر غلط فہمی تھا، لیکن جب ان کی حکومت بڑھی ہوئی تو اس نے بدترین قسم کی غلامی کی شکل اختیار کر لی اور بدترین معاملہ جو غلام اور رعیت کے ساتھ کیا جاسکتا ہے، اس نے اپنی محکوم رعایا کے ساتھ کیا، روم نے براہ راست شام کا بھی احاطہ نہیں کیا اور شام کے باشندوں کو کبھی بھی رومیوں کی طرح شہری حقوق نہیں حاصل ہوئے، نہ ان کے ملک کو رومی سلطنت اور سرزمین کا درجہ ملا، شامی ہمیشہ غریب الوطن افراد کی طرح رعایا بن کر رہے، اکثر سرکاری ٹیکس ادا کرنے کے لئے اپنی اولاد کو بیچ دینے پر مجبور ہوتے، مظالم کی زیادتی تھی، غلام بنانے اور بیگار لینے کا عام رواج تھا، اسی بیگار سے رومی حکومت نے وہ ادائے اور کارخانے تعمیر کئے جو رومیوں کا کارنامہ سمجھے جاتے ہیں۔“

”رومیوں نے شام پر سات سو سال تک حکومت کی، ان کے آتے ہی ملک میں اختلافات، خود سری اور تکبر کی بنیاد پڑ گئی تھی، اور قتل کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا“

یونانیوں نے تمام پر ۳۶۹ سال حکومت کی، اس پورے عہد حکومت میں بڑی سخت جنگیں ہوئیں، رعایا پر ظالم ہوئے اور یونانیوں کے حرص و ہوس کی پوری کیفیت کی کہ ظاہر ہو گئی، شامی قوم پر ان کی سلطنت بدترین نحوست اور سخت ترین عذاب تھی، خلاصہ یہ کہ بدیسی سامراج کے ہاتھوں روم و ایران کے ممالک انتہائی تکلیف و مصیبت میں تھے، اور سیاسی، مالی، اقتصادی ہر لحاظ سے ملک کے تمام مرکز اور دارالسلطنت حد درجہ ابتری کی حالت میں تھے۔

## ایران میں خراج اور ٹیکس وصول کرنے کا نظام

ایران میں سیاسی و معاشی نظام نہ عادلانہ تھا نہ مستحکم، بلکہ اکثر حالات میں بہت ہی ناہموار اور ظالمانہ تھا، خراج اور ٹیکس وصول کرنے والے عہدہ کے اخلاق ان کی خواہشات اور ملک کے جنگی اور سیاسی حالات کے مطابق یہ نظام بدلتا رہتا، ایران بعد ساسانیان کا مؤلف لکھتا ہے:-

”خراج اور ٹیکس کے لگانے اور وصول کرنے میں مختلف خیانت اور استحصال بالجوہر کے ترکب ہوتے تھے، چونکہ آیات کی رقم سال بسال مختلف ہوتی رہتی تھی، یہ ممکن نہ تھا کہ سال کے شروع میں مقررہ اور خرچ کا تخمینہ ہو سکے، علاوہ اس کے ان چیزوں کو ضبط میں رکھنا بھی بہت مشکل تھا، بسا اوقات نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ادھر تو جنگ چھڑ گئی اور ادھر روپیہ بڑا دلیسی حالت میں پھر غیر معمولی ٹیکسوں کا نفاذ ضرور ہو جاتا تھا اور تقریباً ہمیشہ اس کی زد و خربکے مالدار و صوبوں خصوصاً بابل پر پڑتی تھی۔“

## شاہی خزانے اور ذاتی دولت

پبلک کے فائدے کے لئے جتنا روپیہ شاہی خزانے سے خرچ ہوتا تھا، وہ کچھ زیادہ تھا،

شاہان ایران کے یہاں ہمیشہ یہ دستور رہا کہ جہاں تک ممکن ہو اپنے خزانہ میں نقد و سپرد قیمتی اشیاء جمع کرنے، خسرو دوم نے ۶۰۶-۶۰۸ء میں طیفون (ملائن) میں اپنے خزانہ کو نئی عمارت میں منتقل کیا تو اس میں چھایا تیس کروڑ اسی لاکھ (۶۸۰۰۰۰۰۰۰) مثقال سونا تھا، یعنی تقریباً سنیسٹس<sup>۲</sup> کروڑ پچاس لاکھ فرانک طلائی (چار ارب اڑسٹھ کروڑ روپے) حکومت کے تیرھویں سال کے بعد اس کے خزانہ میں اسی کروڑ مثقال وزن کا سونا تھا، خسرو دوم کے تاج میں ۱۲۰ پونڈ (یعنی ڈیڑھ من) خالص سونا تھا۔

## طبقاتی تفاوت

ایران کی قومی زندگی میں دولت و خوشحالی مخصوص افراد کے اندر محدود تھی، مگر بڑے چند اشخاص نہایت دولت مند تھے، باقی نہایت تنگدست اور پریشان حال ایرانی تاریخ میں نو شیراز کا زمانہ حُسن انتظام اور عدل گستری کے لئے ضرب النثل ہے ایران بہمد ساسانیان کا مصطفیٰ اس عہد کے متعلق لکھا ہے :-

”خسرو (نوشیرواں) کی مالی اصلاحات میں بیشک رعایا کی نسبت خزانے کے مفاد کو زیادہ ملحوظ رکھا گیا تھا، عوام انسان اسی طرح جہالت و غرور میں زندگی بسر کر رہے تھے، جیسا کہ زمانہ سابق میں، باز طبیعتی فلسفی جو شہنشاہ کے یہاں آکر پناہ گزین ہوئے تھے،

۱۔ ایران بہمد ساسانیان ۱۵۱ ۱۵۲ ۱۵۳ ۱۵۴ ۱۵۵ ۱۵۶ ۱۵۷ ۱۵۸ ۱۵۹ ۱۶۰ ۱۶۱ ۱۶۲ ۱۶۳ ۱۶۴ ۱۶۵ ۱۶۶ ۱۶۷ ۱۶۸ ۱۶۹ ۱۷۰ ۱۷۱ ۱۷۲ ۱۷۳ ۱۷۴ ۱۷۵ ۱۷۶ ۱۷۷ ۱۷۸ ۱۷۹ ۱۸۰ ۱۸۱ ۱۸۲ ۱۸۳ ۱۸۴ ۱۸۵ ۱۸۶ ۱۸۷ ۱۸۸ ۱۸۹ ۱۹۰ ۱۹۱ ۱۹۲ ۱۹۳ ۱۹۴ ۱۹۵ ۱۹۶ ۱۹۷ ۱۹۸ ۱۹۹ ۲۰۰ ۲۰۱ ۲۰۲ ۲۰۳ ۲۰۴ ۲۰۵ ۲۰۶ ۲۰۷ ۲۰۸ ۲۰۹ ۲۱۰ ۲۱۱ ۲۱۲ ۲۱۳ ۲۱۴ ۲۱۵ ۲۱۶ ۲۱۷ ۲۱۸ ۲۱۹ ۲۲۰ ۲۲۱ ۲۲۲ ۲۲۳ ۲۲۴ ۲۲۵ ۲۲۶ ۲۲۷ ۲۲۸ ۲۲۹ ۲۳۰ ۲۳۱ ۲۳۲ ۲۳۳ ۲۳۴ ۲۳۵ ۲۳۶ ۲۳۷ ۲۳۸ ۲۳۹ ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۴ ۲۴۵ ۲۴۶ ۲۴۷ ۲۴۸ ۲۴۹ ۲۵۰ ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵ ۲۵۶ ۲۵۷ ۲۵۸ ۲۵۹ ۲۶۰ ۲۶۱ ۲۶۲ ۲۶۳ ۲۶۴ ۲۶۵ ۲۶۶ ۲۶۷ ۲۶۸ ۲۶۹ ۲۷۰ ۲۷۱ ۲۷۲ ۲۷۳ ۲۷۴ ۲۷۵ ۲۷۶ ۲۷۷ ۲۷۸ ۲۷۹ ۲۸۰ ۲۸۱ ۲۸۲ ۲۸۳ ۲۸۴ ۲۸۵ ۲۸۶ ۲۸۷ ۲۸۸ ۲۸۹ ۲۹۰ ۲۹۱ ۲۹۲ ۲۹۳ ۲۹۴ ۲۹۵ ۲۹۶ ۲۹۷ ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰ ۱۰۰۱ ۱۰۰۲ ۱۰۰۳ ۱۰۰۴ ۱۰۰۵ ۱۰۰۶ ۱۰۰۷ ۱۰۰۸ ۱۰۰۹ ۱۰۱۰ ۱۰۱۱ ۱۰۱۲ ۱۰۱۳ ۱۰۱۴ ۱۰۱۵ ۱۰۱۶ ۱۰۱۷ ۱۰۱۸ ۱۰۱۹ ۱۰۲۰ ۱۰۲۱ ۱۰۲۲ ۱۰۲۳ ۱۰۲۴ ۱۰۲۵ ۱۰۲۶ ۱۰۲۷ ۱۰۲۸ ۱۰۲۹ ۱۰۳۰ ۱۰۳۱ ۱۰۳۲ ۱۰۳۳ ۱۰۳۴ ۱۰۳۵ ۱۰۳۶ ۱۰۳۷ ۱۰۳۸ ۱۰۳۹ ۱۰۴۰ ۱۰۴۱ ۱۰۴۲ ۱۰۴۳ ۱۰۴۴ ۱۰۴۵ ۱۰۴۶ ۱۰۴۷ ۱۰۴۸ ۱۰۴۹ ۱۰۵۰ ۱۰۵۱ ۱۰۵۲ ۱۰۵۳ ۱۰۵۴ ۱۰۵۵ ۱۰۵۶ ۱۰۵۷ ۱۰۵۸ ۱۰۵۹ ۱۰۶۰ ۱۰۶۱ ۱۰۶۲ ۱۰۶۳ ۱۰۶۴ ۱۰۶۵ ۱۰۶۶ ۱۰۶۷ ۱۰۶۸ ۱۰۶۹ ۱۰۷۰ ۱۰۷۱ ۱۰۷۲ ۱۰۷۳ ۱۰۷۴ ۱۰۷۵ ۱۰۷۶ ۱۰۷۷ ۱۰۷۸ ۱۰۷۹ ۱۰۸۰ ۱۰۸۱ ۱۰۸۲ ۱۰۸۳ ۱۰۸۴ ۱۰۸۵ ۱۰۸۶ ۱۰۸۷ ۱۰۸۸ ۱۰۸۹ ۱۰۹۰ ۱۰۹۱ ۱۰۹۲ ۱۰۹۳ ۱۰۹۴ ۱۰۹۵ ۱۰۹۶ ۱۰۹۷ ۱۰۹۸ ۱۰۹۹ ۱۱۰۰ ۱۱۰۱ ۱۱۰۲ ۱۱۰۳ ۱۱۰۴ ۱۱۰۵ ۱۱۰۶ ۱۱۰۷ ۱۱۰۸ ۱۱۰۹ ۱۱۱۰ ۱۱۱۱ ۱۱۱۲ ۱۱۱۳ ۱۱۱۴ ۱۱۱۵ ۱۱۱۶ ۱۱۱۷ ۱۱۱۸ ۱۱۱۹ ۱۱۲۰ ۱۱۲۱ ۱۱۲۲ ۱۱۲۳ ۱۱۲۴ ۱۱۲۵ ۱۱۲۶ ۱۱۲۷ ۱۱۲۸ ۱۱۲۹ ۱۱۳۰ ۱۱۳۱ ۱۱۳۲ ۱۱۳۳ ۱۱۳۴ ۱۱۳۵ ۱۱۳۶ ۱۱۳۷ ۱۱۳۸ ۱۱۳۹ ۱۱۴۰ ۱۱۴۱ ۱۱۴۲ ۱۱۴۳ ۱۱۴۴ ۱۱۴۵ ۱۱۴۶ ۱۱۴۷ ۱۱۴۸ ۱۱۴۹ ۱۱۵۰ ۱۱۵۱ ۱۱۵۲ ۱۱۵۳ ۱۱۵۴ ۱۱۵۵ ۱۱۵۶ ۱۱۵۷ ۱۱۵۸ ۱۱۵۹ ۱۱۶۰ ۱۱۶۱ ۱۱۶۲ ۱۱۶۳ ۱۱۶۴ ۱۱۶۵ ۱۱۶۶ ۱۱۶۷ ۱۱۶۸ ۱۱۶۹ ۱۱۷۰ ۱۱۷۱ ۱۱۷۲ ۱۱۷۳ ۱۱۷۴ ۱۱۷۵ ۱۱۷۶ ۱۱۷۷ ۱۱۷۸ ۱۱۷۹ ۱۱۸۰ ۱۱۸۱ ۱۱۸۲ ۱۱۸۳ ۱۱۸۴ ۱۱۸۵ ۱۱۸۶ ۱۱۸۷ ۱۱۸۸ ۱۱۸۹ ۱۱۹۰ ۱۱۹۱ ۱۱۹۲ ۱۱۹۳ ۱۱۹۴ ۱۱۹۵ ۱۱۹۶ ۱۱۹۷ ۱۱۹۸ ۱۱۹۹ ۱۲۰۰ ۱۲۰۱ ۱۲۰۲ ۱۲۰۳ ۱۲۰۴ ۱۲۰۵ ۱۲۰۶ ۱۲۰۷ ۱۲۰۸ ۱۲۰۹ ۱۲۱۰ ۱۲۱۱ ۱۲۱۲ ۱۲۱۳ ۱۲۱۴ ۱۲۱۵ ۱۲۱۶ ۱۲۱۷ ۱۲۱۸ ۱۲۱۹ ۱۲۲۰ ۱۲۲۱ ۱۲۲۲ ۱۲۲۳ ۱۲۲۴ ۱۲۲۵ ۱۲۲۶ ۱۲۲۷ ۱۲۲۸ ۱۲۲۹ ۱۲۳۰ ۱۲۳۱ ۱۲۳۲ ۱۲۳۳ ۱۲۳۴ ۱۲۳۵ ۱۲۳۶ ۱۲۳۷ ۱۲۳۸ ۱۲۳۹ ۱۲۴۰ ۱۲۴۱ ۱۲۴۲ ۱۲۴۳ ۱۲۴۴ ۱۲۴۵ ۱۲۴۶ ۱۲۴۷ ۱۲۴۸ ۱۲۴۹ ۱۲۵۰ ۱۲۵۱ ۱۲۵۲ ۱۲۵۳ ۱۲۵۴ ۱۲۵۵ ۱۲۵۶ ۱۲۵۷ ۱۲۵۸ ۱۲۵۹ ۱۲۶۰ ۱۲۶۱ ۱۲۶۲ ۱۲۶۳ ۱۲۶۴ ۱۲۶۵ ۱۲۶۶ ۱۲۶۷ ۱۲۶۸ ۱۲۶۹ ۱۲۷۰ ۱۲۷۱ ۱۲۷۲ ۱۲۷۳ ۱۲۷۴ ۱۲۷۵ ۱۲۷۶ ۱۲۷۷ ۱۲۷۸ ۱۲۷۹ ۱۲۸۰ ۱۲۸۱ ۱۲۸۲ ۱۲۸۳ ۱۲۸۴ ۱۲۸۵ ۱۲۸۶ ۱۲۸۷ ۱۲۸۸ ۱۲۸۹ ۱۲۹۰ ۱۲۹۱ ۱۲۹۲ ۱۲۹۳ ۱۲۹۴ ۱۲۹۵ ۱۲۹۶ ۱۲۹۷ ۱۲۹۸ ۱۲۹۹ ۱۳۰۰ ۱۳۰۱ ۱۳۰۲ ۱۳۰۳ ۱۳۰۴ ۱۳۰۵ ۱۳۰۶ ۱۳۰۷ ۱۳۰۸ ۱۳۰۹ ۱۳۱۰ ۱۳۱۱ ۱۳۱۲ ۱۳۱۳ ۱۳۱۴ ۱۳۱۵ ۱۳۱۶ ۱۳۱۷ ۱۳۱۸ ۱۳۱۹ ۱۳۲۰ ۱۳۲۱ ۱۳۲۲ ۱۳۲۳ ۱۳۲۴ ۱۳۲۵ ۱۳۲۶ ۱۳۲۷ ۱۳۲۸ ۱۳۲۹ ۱۳۳۰ ۱۳۳۱ ۱۳۳۲ ۱۳۳۳ ۱۳۳۴ ۱۳۳۵ ۱۳۳۶ ۱۳۳۷ ۱۳۳۸ ۱۳۳۹ ۱۳۴۰ ۱۳۴۱ ۱۳۴۲ ۱۳۴۳ ۱۳۴۴ ۱۳۴۵ ۱۳۴۶ ۱۳۴۷ ۱۳۴۸ ۱۳۴۹ ۱۳۵۰ ۱۳۵۱ ۱۳۵۲ ۱۳۵۳ ۱۳۵۴ ۱۳۵۵ ۱۳۵۶ ۱۳۵۷ ۱۳۵۸ ۱۳۵۹ ۱۳۶۰ ۱۳۶۱ ۱۳۶۲ ۱۳۶۳ ۱۳۶۴ ۱۳۶۵ ۱۳۶۶ ۱۳۶۷ ۱۳۶۸ ۱۳۶۹ ۱۳۷۰ ۱۳۷۱ ۱۳۷۲ ۱۳۷۳ ۱۳۷۴ ۱۳۷۵ ۱۳۷۶ ۱۳۷۷ ۱۳۷۸ ۱۳۷۹ ۱۳۸۰ ۱۳۸۱ ۱۳۸۲ ۱۳۸۳ ۱۳۸۴ ۱۳۸۵ ۱۳۸۶ ۱۳۸۷ ۱۳۸۸ ۱۳۸۹ ۱۳۹۰ ۱۳۹۱ ۱۳۹۲ ۱۳۹۳ ۱۳۹۴ ۱۳۹۵ ۱۳۹۶ ۱۳۹۷ ۱۳۹۸ ۱۳۹۹ ۱۴۰۰ ۱۴۰۱ ۱۴۰۲ ۱۴۰۳ ۱۴۰۴ ۱۴۰۵ ۱۴۰۶ ۱۴۰۷ ۱۴۰۸ ۱۴۰۹ ۱۴۱۰ ۱۴۱۱ ۱۴۱۲ ۱۴۱۳ ۱۴۱۴ ۱۴۱۵ ۱۴۱۶ ۱۴۱۷ ۱۴۱۸ ۱۴۱۹ ۱۴۲۰ ۱۴۲۱ ۱۴۲۲ ۱۴۲۳ ۱۴۲۴ ۱۴۲۵ ۱۴۲۶ ۱۴۲۷ ۱۴۲۸ ۱۴۲۹ ۱۴۳۰ ۱۴۳۱ ۱۴۳۲ ۱۴۳۳ ۱۴۳۴ ۱۴۳۵ ۱۴۳۶ ۱۴۳۷ ۱۴۳۸ ۱۴۳۹ ۱۴۴۰ ۱۴۴۱ ۱۴۴۲ ۱۴۴۳ ۱۴۴۴ ۱۴۴۵ ۱۴۴۶ ۱۴۴۷ ۱۴۴۸ ۱۴۴۹ ۱۴۵۰ ۱۴۵۱ ۱۴۵۲ ۱۴۵۳ ۱۴۵۴ ۱۴۵۵ ۱۴۵۶ ۱۴۵۷ ۱۴۵۸ ۱۴۵۹ ۱۴۶۰ ۱۴۶۱ ۱۴۶۲ ۱۴۶۳ ۱۴۶۴ ۱۴۶۵ ۱۴۶۶ ۱۴۶۷ ۱۴۶۸ ۱۴۶۹ ۱۴۷۰ ۱۴۷۱ ۱۴۷۲ ۱۴۷۳ ۱۴۷۴ ۱۴۷۵ ۱۴۷۶ ۱۴۷۷ ۱۴۷۸ ۱۴۷۹ ۱۴۸۰ ۱۴۸۱ ۱۴۸۲ ۱۴۸۳ ۱۴۸۴ ۱۴۸۵ ۱۴۸۶ ۱۴۸۷ ۱۴۸۸ ۱۴۸۹ ۱۴۹۰ ۱۴۹۱ ۱۴۹۲ ۱۴۹۳ ۱۴۹۴ ۱۴۹۵ ۱۴۹۶ ۱۴۹۷ ۱۴۹۸ ۱۴۹۹ ۱۵۰۰ ۱۵۰۱ ۱۵۰۲ ۱۵۰۳ ۱۵۰۴ ۱۵۰۵ ۱۵۰۶ ۱۵۰۷ ۱۵۰۸ ۱۵۰۹ ۱۵۱۰ ۱۵۱۱ ۱۵۱۲ ۱۵۱۳ ۱۵۱۴ ۱۵۱۵ ۱۵۱۶ ۱۵۱۷ ۱۵۱۸ ۱۵۱۹ ۱۵۲۰ ۱۵۲۱ ۱۵۲۲ ۱۵۲۳ ۱۵۲۴ ۱۵۲۵ ۱۵۲۶ ۱۵۲۷ ۱۵۲۸ ۱۵۲۹ ۱۵۳۰ ۱۵۳۱ ۱۵۳۲ ۱۵۳۳ ۱۵۳۴ ۱۵۳۵ ۱۵۳۶ ۱۵۳۷ ۱۵۳۸ ۱۵۳۹ ۱۵۴۰ ۱۵۴۱ ۱۵۴۲ ۱۵۴۳ ۱۵۴۴ ۱۵۴۵ ۱۵۴۶ ۱۵۴۷ ۱۵۴۸ ۱۵۴۹ ۱۵۵۰ ۱۵۵۱ ۱۵۵۲ ۱۵۵۳ ۱۵۵۴ ۱۵۵۵ ۱۵۵۶ ۱۵۵۷ ۱۵۵۸ ۱۵۵۹ ۱۵۶۰ ۱۵۶۱ ۱۵۶۲ ۱۵۶۳ ۱۵۶۴ ۱۵۶۵ ۱۵۶۶ ۱۵۶۷ ۱۵۶۸ ۱۵۶۹ ۱۵۷۰ ۱۵۷۱ ۱۵۷۲ ۱۵۷۳ ۱۵۷۴ ۱۵۷۵ ۱۵۷۶ ۱۵۷۷ ۱۵۷۸ ۱۵۷۹ ۱۵۸۰ ۱۵۸۱ ۱۵۸۲ ۱۵۸۳ ۱۵۸۴ ۱۵۸۵ ۱۵۸۶ ۱۵۸۷ ۱۵۸۸ ۱۵۸۹ ۱۵۹۰ ۱۵۹۱ ۱۵۹۲ ۱۵۹۳ ۱۵۹۴ ۱۵۹۵ ۱۵۹۶ ۱۵۹۷ ۱۵۹۸ ۱۵۹۹ ۱۶۰۰ ۱۶۰۱ ۱۶۰۲ ۱۶۰۳ ۱۶۰۴ ۱۶۰۵ ۱۶۰۶ ۱۶۰۷ ۱۶۰۸ ۱۶۰۹ ۱۶۱۰ ۱۶۱۱ ۱۶۱۲ ۱۶۱۳ ۱۶۱۴ ۱۶۱۵ ۱۶۱۶ ۱۶۱۷ ۱۶۱۸ ۱۶۱۹ ۱۶۲۰ ۱۶۲۱ ۱۶۲۲ ۱۶۲۳ ۱۶۲۴ ۱۶۲۵ ۱۶۲۶ ۱۶۲۷ ۱۶۲۸ ۱۶۲۹ ۱۶۳۰ ۱۶۳۱ ۱۶۳۲ ۱۶۳۳ ۱۶۳۴ ۱۶۳۵ ۱۶۳۶ ۱۶۳۷ ۱۶۳۸ ۱۶۳۹ ۱۶۴۰ ۱۶۴۱ ۱۶۴۲



ایران سے جلد برداشتہ خاطر ہو گئے، یہ سچ ہے کہ وہ اتنے بڑے نظر ناسفی نہ تھے کہ ایک غیر قوم کی عادات و رسوم کو غیر جانبداری کی نظر سے دیکھ سکے اور جن باتوں کو وہ ایک ظنی بادشاہ کی سلطنت میں دیکھنے کے خواہاں تھے وہ ان کو نظر نہ آئیں، اور چونکہ علم الاقوام کے مطالعہ کا انھیں ذوق نہ تھا، اور ان کی ذہنیت ایسی نہ تھی جو اس علم کے جاننے والے کی ہوتی ہے لہذا ایرانیوں کی بعض رسموں مثلاً تزویج محرمات کی رسم یا ہاشوں کو زخموں پر کھلا چھوڑ دینے کی نہ ہی رسم نے ان کو برم کیا، لیکن محض یہ رسمیں نہ تھیں جن کی وجہ سے ان کو ایران میں رہنا ناگوار ہو بلکہ ذات پات کی تمیز اور سوسائٹی کے مختلف طبقوں کے درمیان ناقابلِ عبور فاصلہ اور خستہ حالی جس میں نچلے طبقہ کے لوگ زندگی بسر کرتے تھے یہ وہ چیزیں تھیں جن کو دیکھ کر وہ آزرہ خاطر ہوئے، طاقتور لوگ کمزوروں کو دباتے تھے، اور ان کے ساتھ بہت ظلم اور بے رحمی کا سلوک کرتے تھے۔

یہ حال صرف ایران ہی میں نہ تھا، اس کی معاصر و حریف بازنطینی سلطنت میں بھی سخت قسم کا طبقاتی نظام اور امتیازی سلوک رائج تھا، رابرٹ بریفلٹ (ROBERT BRIFFAULT) لکھتا ہے :-

”یہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی اجتماعی ادارہ زوال پذیر ہوتا ہے تو اس کے چلانے والے اس کی حرکت اور ارتقاء کو روک دینے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں پاتے، اسی لئے رومی معاشرہ (اپنے انحطاط کے دور میں) سخت درجہ کی ظالمانہ طبقہ داریت کے شکنجہ میں کسا ہوا تھا، سوسائٹی میں کسی کی مجال نہ تھی کہ اپنا پیشہ بدل سکے، ہر آدمی کے لئے ضروری تھا کہ اپنے باپ کا پیشہ اختیار کرتے۔“

دونوں سلطنتوں میں بڑے بڑے عہدے، بڑے خاندانوں اور گھرانوں کے لئے  
مخصوص تھے، جو جاہ و شہرت رکھتے اور حکام میں ان کا رسوخ تھا۔

## ایران کے کسان

نئے نئے ٹیکسوں نے عوام کی مکتوڑ دیہی تھی، بہت سے کسانوں نے کیتی باڑی چھوڑ  
دی تھی، ان ٹیکسوں سے بچنے اور اس حکومت کی فوجی خدمت کرنے سے نجات حاصل کرنے  
کے لئے جس سے ان کو دلی لگاؤ نہ تھا، انھوں نے عبادت گاہوں اور خانقاہوں میں پناہ  
لی تھی، ان کو اس مقصد سے کچھ دلچسپی تھی جس کے لئے بار بار جنگیں کی جاتی تھیں، نتیجہ یہ ہوا کہ  
بیکاری اور جرائم کی گرم بازاری ہوئی اور ناجائز طریقوں سے روپیہ پیدا کرنے کا مرض عام  
ہو گیا۔ ایران بہدر ساسانیان کا مصنف ایران کے کاشتکار طبقے کے متعلق جو ملک کی  
خوراک اور آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ تھا لکھتا ہے:-

’کسانوں کی حالت بہت بدتر تھی، وہ اپنی زمین کے ساتھ بندھے رہتے تھے،  
اور ان سے ہر طرح کی بیگاریاں اور خدمت لی جاتی تھی، مؤرخ ارمیان مارسلینوس  
لکھتا ہے کہ ان پچائے کسانوں کے بڑے بڑے گروہ فوج کے پیچھے پیچھے پیادہ کوچ  
کرتے تھے، گو یا کہ ابدی غلامی ان کی تقدیر میں لکھی ہے، اور قسطنطین کی خواہ یا اجرت  
سے ان کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی تھی..... کسانوں کا تعلق زمینداروں  
کے ساتھ تقریباً ویسا ہی تھا جیسا کہ غلاموں کا تعلق آقا کے ساتھ‘

## حکام کا رویہ

حکومت کے اہل کار و عہدہ دار عام رعایا اور ملک کے باشندوں کے ساتھ ایسی سخت گیری اور بیدردی کا بڑا ڈاکرنے کہ اہل ملک ان سے عاجز تھے ان محکام اور عہدہ داروں کو نہ عوام کی جان و مال کی پروا تھی نہ ان کی عزت و آبرو کا پاس لوگ شکایتیں کرتے، لیکن جن لوگوں کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور تھی ان کے کانوں پر جوں نہ رسنگی، یہاں تک کہ لوگوں نے سمجھ لیا کہ یہ اندھیر نگری ان کے لئے مقدر ہو چکی ہے، اور اس سے نجات کی کوئی صورت نہیں، بعض اوقات وہ ایسی زندگی پر موت کو ترجیح دیتے۔

## مصنوعی معاشرت اور پُر عشرت زندگی

روم و ایران دونوں جگہ عام طور سے لوگوں پر عیش پرستی کا بھوت سوار تھا، مصنوعی تہذیب اور ایک پُر فریب زندگی کا سیلاب اُمنڈ آیا تھا جس میں وہ سر سے پاؤں تک غرق تھے، سلاطین روم اور شاہان ایران اور ان کے امراء و رؤساء خوابِ غفلت میں پڑے تھے، لذت اندوزی کے سوا انھیں کسی بات کی فکر نہ تھی، عیاشی کی وہ انتہا تھی کہ قیاس کام نہیں آتا، نکاحات زندگی، تعینات اور سامانِ آرائش کی وہ مہنتات تھی، اور اس میلان باریکیوں اور نکتہ بینیوں سے کام لیا جاتا تھا کہ عقل حیران رہ جاتی ہے، پارسی مؤرخ شاہن مکاریوس کے بیان کے مطابق، کسریٰ پرویز کے پاس بارہ ہزار عورتیں تھیں، پچاس ہزار اسیل گھوڑے، اس قدر سامانِ تہذیب، محلاتِ نقد و جواہرات تھے، کہ ان کا اندازہ مشکل ہے، اس کا محل اپنی شان و شکوہ لئے تھخیل کے لئے ملاحظہ ہو ایران بعد سامانیان کا بابِ نہم، آخری شاندار عہد۔

اور عظمت میں جواب نہیں رکھتا تھا، مکاریوس لکھتا ہے کہ تاریخ میں شمال نہیں ملتی کہ کسی بادشاہ نے ان شاہان ایران کی طرح داد عیش دی ہو جن کے پاس تحائف اور خراج کی قمیص ان تمام شہروں سے آتی تھیں جو شرق اوسط اور شرق اقصیٰ کے درمیان واقع تھے، اسلامی فتوحات کے بعد جب ایرانی عراق سے بے دخل ہوئے تو انھوں نے وہ اندوختہ چھوڑا جس کی قیمت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا ان چھوٹے ہوئے سامانوں میں بیش قیمت جوڑے طلائی ظروف، سنگار کا سامان عطریات وغیرہ تھے، طبری کی روایت ہے کہ عربوں کو مدائن کی فتح میں ترکی خیمے ملے جو سرسبز لکڑوں سے بھرے ہوئے تھے، عرب کہتے ہیں کہ ہم سمجھے کہ اس میں کچھ کھانے کا سامان ہوگا کھولنے سے معلوم ہوا کہ سونے چاندی کے برتن ہیں، مورخین نے فرش بہار کی (جس پر پیٹھ کر امراء ایران ہوسم خزاں میں شراب پیتے تھے) تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے :-

”یہ ساٹھ گز مربع تھا، تقریباً ایک ایکوڑ زمین کو گھیر لیتا، اس کی زمین سونے کی تھی جس میں جا بجا جواہرات اور موتیوں کی گلکاری تھی، چمن تھے جن میں پھولدار او پھل دار درخت قائم تھے، درختوں کی لکڑی سونے کی، پتے حریر کے، کلیاں سونے چاندی کی، او پھل جواہرات کے بنائے گئے تھے، اگر دبیرے کی جدول تھی، درختوں میں روشیں اور نہریں بنائی گئی تھیں، اور یہ سب جواہرات کی قمیص ہوسم خزاں میں تاجداران آل ساسان اس گلشن پر خزاں میں بیٹھ کر شراب پی کرتے اور دولت کا ایک حیرت انگیز کثرہ نظر آتا جو زمانے کبھی اور کہیں نہ دیکھا تھا۔“

رومی حکومت کے عہد میں شام اور اس کے مرکزی شہروں کا بھی یہی حال تھا، دونوں

لغت تاریخ ایران (شاہین مکاریوس) طبع مصر ۱۸۹۷ء ص ۳۵۷ ایضاً ص ۳۵۸ تاریخ طبری

لغت تاریخ اسلام از مولوی عبدالحکیم شرر - ج ۱ ص ۳۵۴ ماخوذ از تاریخ طبری وغیرہ۔

حکومتیں عیش پسندی اور تمدن کی باریکیوں میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھیں، شہنشاہانِ روم ان کے شامی رؤساء و حکام نے کھل کر داد عیش دی، ان کے عالی شان محل اور دیوان خانے اور ناؤ نوش کی مجلسیں عیش کے ساز و سامان اور دولت و فراغت کے اسبابِ بے پریز تھیں، تاریخ و روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ عیش پسندی اور زفاست میں بہت آگے نکل چکے تھے، حضرت حسان بن ثابتؓ نے (جنھوں نے اسلام سے پہلے غسانی امراء شام کی مجلسوں میں شرکت کی تھی) جب ابنِ الاہم غسانی کی مجلس کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:-

”میں نے دس باندیاں دیکھیں جن میں پانچ روم کی تھیں جو بریل پر گارہی تھیں، اور پانچ وہ تھیں جو اہل حیرہ کے دھن میں گارہی تھیں، جنہیں عرب سردار ایاس بن قبیصہ نے تحفہ بھیجا تھا، اس کے علاوہ عرب کے علاقہ مکہ وغیرہ سے بھی گوتیوں کی ٹولیاں جاتی تھیں، جب جلب شراب نوشی کے لئے بیٹھا تو اس کے نیچے فرش پر قمقمے کے پھول چھلی، جو بھی وغیرہ بچھا دیئے جاتے اور سونے چاندی کے ظروف میں مشک و عنبر نکلتے جاتے، چاندی کی ششتریوں میں شک فالح لایا جاتا اگر جاڑوں کا زمانہ ہوتا تو عود بھلایا جاتا اگر گرمیوں کا موسم ہوتا تو رب بچھائی جاتی اور اس کے اور اس کے ہم نشینوں کے لئے گرمیوں کا لباس آماجس کو وہ اپنے اوپر ڈال لیتا، جاڑوں میں سمور قمیضی کھاتیں اور دوسرے گرم لباس حاضر کئے جاتے“

وایانِ ریاست شاہزادے، امراء، اونچے گھرانوں کے افراد نیز متوسط طبقہ کے لوگ بادشاہوں کے نقش قدم پر چلنے اور کھانے پینے، پوشاک اور طرزِ رہائش میلن کی نقل کرنے کی کوشش کرتے اور ان کی عادات و اطوار اختیار کرتے، معیارِ زندگی بہت ہی زیادہ

بند ہو گیا تھا، اور معاشرت بہت زیادہ پیچیدہ بن گئی تھی، ایک ایک شخص اپنی ذات پر اور اپنے لباس کے کسی ایک حصہ پر اس قدر خرچ کرتا تھا جس سے پوری ایک بستی کی پرورش ہو سکے یا جو پورے ایک گاؤں یا آبادی کی پوشاک اور ستر پوشی کے مصارف کے لئے کافی ہو، ایسا کرنا ہر ایک ممتاز اور شریف آدمی کے لئے ناگزیر تھا کیوں کہ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو سوسائٹی میں انگشت نمائی ہوتی، اور وہ اپنے ہم پیشوں میں ذیل ہوتا یہاں تک کہ یہ بھی زندگی کی ایک ضرورت اور سوسائٹی کا ایک قانون بن گیا جس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی تھی، شہری کہتے ہیں کہ اہل ایران اپنے سروں پر جو کلاہ رکھتے تھے، وہ ان کی اس حیثیت کے مطابق ہوتی تھی جو انھیں اپنے قبیلے میں حاصل تھی، چنانچہ جو اپنے قبیلے میں شرافت و عزت کے لحاظ سے معیاری ہوتا تھا، اس کی کلاہ ایک لاکھ کی قیمت کی ہوتی تھی، ہرگز کا شمار انھیں فراد میں تھا، جن کی سیادت تسلیم شدہ تھی لہذا اس کی کلاہ ایک لاکھ کی تھی جس میں جو اہرات جڑے ہوئے تھے، شرافت و وجاہت کا معیار یہ تھا کہ وہ ایران کے ستائے اوچے گھرانوں میں سے کسی ایک خاندان کا فرد ہو، ازادیہ (زادویہ) شہر حیرہ کا کسری کے عہد میں حاکم تھا وہ سیادت میں دوسرے نمبر کا سمجھا جاتا تھا، اس لئے اس کی ٹوپی کی قیمت پچاس ہزار تھی، رستم کی کلاہ ستر ہزار میں فروخت ہوئی اور اس کی قیمت ایک لاکھ تھی۔

لوگ اس انتہا پسندانہ معاشرت اور اس کے تباہ کن لوازم و ضرورتیہ کے اس طرح عادی ہو گئے تھے، اور یہ تمدن ان کے رگ و پے میں طرح سرایت کر گیا تھا کہ یہ تکلفات ان کی طبیعت بن گئے تھے، اور ان سے علیحدہ ہونا ان کے لئے ناممکن سا ہو گیا تھا، نازک سے نازک وقت میں وہ مجبوری کی حالت میں بھی سادہ زندگی اور نیچے سطح پر اتر آنا ان کے لئے دشوار تھا۔

ملائن کی فتح کے وقت شہنشاہ ایران بزدگر جس بے سرو سامانی اور پریشانی میں

دارالسلطنت چھوڑ کر بھاگا ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں، مگر اس عجلت و پریشانی میں بھی وہ اپنے ساتھ جو سامان لے گیا ہے اس سے اس ذہنیت اور معیار تمدن کا اندازہ ہو سکتا ہے۔  
 "ایران بعد ساسانیان" کا مصنف لکھتا ہے :-

"یزدگرد اپنے ہمراہ ایک ہزار باروچی، ایک ہزار گوتے، ایک ہزار چیتوں کے محافظ، ایک ہزار بازدار اور بہت سے دوسرے لوگ لیتا گیا اور یہ تعداد اس کے نزدیک ابھی کم تھی۔"

ہرمزان شکست کھانے کے بعد جب پہلی بار مدینہ آیا اور حضرت عمرؓ کی مجلس میں حاضر ہوا تو اس نے پانی مانگا، پانی ایک موٹے سے پیالہ میں لایا گیا، اس نے کہا کہ چاہے میں پیسا سا مرجاؤں مگر اس بھدے پیالہ میں پانی پینا میرے لئے ممکن نہیں، چنانچہ اس کے لئے تلاش کر کے دوسرے برتن میں پانی لایا گیا جس کو وہ پی سکا۔

ان دو واقعات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایرانیوں کی عادی کس قدر گڑبگڑ گئی تھیں اور وہ مصنوعی زندگی اور تکلفات کے کس قدر مادی اور سادہ اور فطری زندگی کے کس درجہ درمچکے تھے۔

## حکومت کی دولت ستانی

اس عیش پسند اور مرفانہ زندگی کا لازمی نتیجہ تھا کہ ٹیکسوں پر اس قدر اضافے ہو گئے جو رعایا کے لئے ناقابل برداشت ثابت ہوئے، نئے نئے قوانین بنائے جائیں جن کی رو سے کسانوں، تاجروں، کاریگروں اور اہل حرفہ سے زیادہ سے زیادہ مال گھسیٹا جاسکے، نوبت یہاں تک پہنچی کہ آٹے دن کے ان اضافوں اور بھاری بھاری ٹیکسوں نے رعایا کی کمر توڑ دی اور حکومت کے

مطالبات سے ان کی پیٹھ بوجھل ہو گئی، "ایران بے ہراسان" کا ٹولہ لکھتا ہے:-

"باقاعدہ ٹیکسوں کے علاوہ رعایا سے نذرانے لینے کا بھی دستور تھا جس کو آئین کہتے تھے، اسی آئین کے مطابق عید نوروز اور مہرگان کے موقعوں پر لوگوں سے جبراً تحائف وصول کئے جاتے تھے، خزانہ شاہی کے ذرائع آمدنی میں سے ہمارا خیال ہے کہ سب سے اہم ذریعہ جاگیر ہائے خالصہ کی آمدنی اور وہ ذرائع تھے، جو بادشاہ کے لئے حقوق خسروی کے طور پر مخصوص تھے، مثلاً فائزگیوں (علاقہ آرمینیہ) کی سونے کی کانوں کی ساری آمدنی بادشاہ کی ذاتی آمدنی تھی۔"

مؤرخ شام رومی حکومت کے طرز عمل اور اس کی مدوں اور آمدنیوں کے متعلق لکھتا ہے:-

"شاہی رعایا پر لازم تھا کہ وہ حکومت کا ٹیکس ادا کرے اور اپنی تمام پیداوار اور آمدنی کا دسواں حصہ اور اس المال کا ٹیکس داخل کرے، فی کس ایک رقم مقرر تھی جس کا ادا کرنا لازمی تھا اس کے علاوہ رومی قوم کے کچھ دوسرے اہم ذرائع آمدنی تھے، مثلاً جنگی، کانیں، محاصل، اس کے علاوہ جو قطعاً خندم کی کاشت کے قابل ہوتے، اور چراگاہیں ٹھیکہ پر اٹھا دی جاتیں ان ٹھیکہ داروں کو عشارین کہتے تھے، یہ لوگ حکومت سے تحصیل وصول کے اختیارات خرید لیتے اور رعایا سے مطالبات وصول کرتے، ہر صوبہ میں ان ٹھیکہ داروں کی متحدہ کمپنی قائم تھیں، ہر کمپنی کے پاس کچھ منشی اور تحصیل لازم تھے، جو اپنے کو افسروں اور مالکوں کے انداز میں پیش کرتے اور جس قدر ان کو لینے کا حق تھا اس سے زیادہ وصول کرتے، وہ لوگوں کو فراغت و راحت کے وسائل سے محروم کرتے اور اکثر ان کو



غلاموں کی طرح فروخت بھی کر دیتے تھے

رومیوں کے سیاسی طرز کا اور ان کی پالیسی کا کسی نے خلاصہ یہ بیان کیا ہے کہ :-

۱۰۔ اچھا گلہ بان وہ ہے، جو اپنی بھیڑوں کا اُون کاٹ لیتا ہے نوچتا نہیں، ورنہ

یہ ہے کہ دو صدیاں گزر گئیں اور ہنشا بانِ روم اپنی ملکیت کا نشان اُون کاٹنے

یہ (نوچنے کی کوشش نہیں کی) وہ ان سے بہت بڑی دولت وصول کرتے رہے

لیکن اس کے ساتھ ساتھ بیرونی دشمن سے ان کی حفاظت کرتے رہے۔

## عوام کی خستہ حالی

روم و ایران دونوں ملکوں میں اہل ملک و علاقہ طبقوں میں تقسیم ہو گئے تھے ان دونوں

طبقوں کے درمیان واضح اور بڑے فرق تھا، ایک طبقہ بادشاہوں، شاہزادوں، اہل دربار، ان کے

خاندانوں، عزیزوں اور ان کے متعلقین و وابستگان اور جاگیرداروں اور دولتمندوں کا تھا

یہ لوگ سدا بہار بھولوں کی سیج پر زندگی گزارتے، ان کے گھر کے لوگ اور بچے سونے چاندی

سے کھیلے اور دودھ اور گلاب میں نہاتے یہ اپنے گھوڑوں کی نعلیں بھی جواہرات سے برتاتے

اور در و دیوار کو بھی ریشم و کنوَاب سے سجاتے تھے۔

دوسرا طبقہ، کاشتکاروں، کاریگروں، اہل حرفہ اور چھوٹے تاجروں کا تھا جن کی

زندگی سراسر پاکلفت و مصیبت تھی، یہ زندگی کے بوجھ و یکسوں اور نذرانوں کے بائے کچلے جاتے

تھے، ان کا جوڑ جوڑ اور بند بند مطالبات کے اندر جکڑا ہوا تھا، وہ اس جال کو توڑنے کی

جس قدر کوشش کرتے اور جس قدر ہاتھ پاؤں مارتے وہ جال اور کس جاتا اس کٹھن اور

لے خطہ اشام (محمد کر علی) ج ۵ ص ۴۴ لے ایضاً

پر مصیبت زندگی پر دوسری مصیبت یہ تھی کہ وہ اونچے طبقہ کی بہت سی باتوں میں نقل اتارنے کی کوشش بھی کرنے جس سے اور زیادہ پریشان ہوتے ضرورتاً زندگی کی فراہمی میں ان کو وہ دقت اور پریشانی لاحق نہ ہوتی تھی اس نقلاتی اور اونچے طبقہ کی ریس کرنے میں ان کو پیش آتی، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کی زندگی تلخ اور سراپا کوفت تھی، ان کا دماغ ہر وقت پریشان و پرانگندہ رہتا اور ان کو حقیقی سکون اور اطمینانِ قلب کبھی میسر نہ آتا۔

## سرکش دولتمند اور خود فراموش مفلس

سرمایہ داری کی سرکشی و خدا فراموشی اور افلاس کی بے بسی اور خود فراموشی کے دو انتہائی سروں کے درمیان انبیاء علیہم السلام کی دعوتِ تعلیم کی پوری حالت میں پڑی ہوئی تھی، اخلاقِ عالیہ اور زندگی کے بلند اصول پوری تمدن دنیا میں متروک ناقابلِ عمل سمجھے گئے تھے، دولتمندوں کو اپنے تفریحی مشاغل اور تعیشیات اس کی فرصت نہ تھی کہ وہ دین یا آخرت کے بارے میں کچھ سوچیں، کاشتکاروں اور محنت کش طبقہ کو اس کے افکار و اُلام اور زندگی کے بڑھے ہوئے مطالبات اس کی مہلت نہیں دیتے تھے کہ وہ روز کی خوراک اور ضروریات کے علاوہ کسی اور طرف توجہ کرے، غرض یہ کہ زندگی اور زندگی کے مطالبات نے امیر و غریب سب کو اُلجھا رکھا تھا، اور اسی میں ہر ایک سرگرداں تھا، زندگی کی چکی اپنی پوری قوت کے ساتھ گردش کر رہی تھی جس کی وجہ سے انھیں مطلق مہلت نہ تھی کہ وہ دین کی طرف توجہ کریں اور روح و قلب کے بارے میں اور انسانیت کی بلند قدروں کے متعلق غور کر سکیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۷۶ھ) نے اپنی جلیل القدر تصنیف ”تحفۃ اللہ البالغہ“ میں اقبل اسلام کی اس صورتِ حال کی پوری تصویر کھینچی ہے، وہ فرماتے ہیں:

”صدیوں سے آزادانہ حکومت کرنے کے لئے اور دنیا کی لذتوں میں نہمک رہنے، آخرت کو کمیر بھول جانے اور شیطان کے پوسے اثر میں آجانے کی وجہ سے ایرانیوں اور رومیوں نے زندگی کی آسائیوں اور سامان میں بڑی موثر مگانی اور نازک خیالی پیدا کر لی تھی اور اس میں ہر قسم کی ترقی اور زلفاست میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے اور فخر کرنے کی کوشش کرتے تھے، دنیا کے مختلف گوشوں کے ان مرکزوں میں بڑے بڑے اہل ہنر اور اہل کمال جمع ہو گئے تھے، جو اس سامان آرائش و راحت میں نزاکتیں پیدا کرتے تھے اور نئی نئی تراش و تراش نکالتے تھے، ان پر عمل فوراً شروع ہو جاتا تھا، اور اس میں برابر اضافے اور تبدیلی ہوتی رہتی تھیں، اور ان باتوں پر فخر کیا جاتا تھا، زندگی کا معیار اتنا بلند ہو گیا تھا کہ امراء میں سے کسی کا ایک لاکھ درہم سے کم کا پیکہ باندھنا اور تاج پہننا سخت میووب تھا، اگر کسی کے پاس عالی شان محل، فوارہ، حمام، باغات، خوش خوراک اور تیار جانور خوش رو جو اور غلام نہ ہونے، کھانے میں تکلفات اور لباس پوشاک میں تجل نہ ہوتا تو ہم چہنبوں میں اس کی کوئی عزت نہ ہوتی اس کی تفصیل بہت طویل ہے، اپنے ملک کے بادشاہوں کا جو حال دیکھتے اور جانتے ہو، اس سے قیاس کر سکتے ہو، یہ تمام تکلفات ان کی زندگی اور معاشرت کا جزو بن گئے تھے، اور ان کے دلوں میں اس طرح رچ گئے تھے کہ کسی طرح نکل نہیں سکتے تھے، اس کی وجہ سے ایک یا دو علاج مرض پیدا ہو گیا تھا، جو ان کی پوری شہری زندگی اور ان کے پوسے نظام تمدن میں سرایت کر گیا تھا، یہ ایک مصیبت عظمیٰ تھی جس سے عام و خاص اور امیر و غریب میں کوئی محفوظ نہیں رہا تھا، لے شاہانِ دہلی اور محل بادشاہوں کی طرف اشارہ ہے۔

ہر شہری پر یہ بڑ بکلف اور امیرانہ زندگی ایسی مسلط ہو گئی تھی جس نے اس کو زندگی سے عاجز کر دیا تھا اور اس کے سر پر غم و افکار کا ایک پہاڑ ہر وقت رکھا رہتا تھا۔ بات یہ تھی کہ یہ بکلفات بیش تر ارقمیں صرف کئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے تھے، اور یہ رقیں اور بے پایاں دولت کا شکاروں، تاجروں اور دوسرے پیشہ وروں پر محصول اور کیس بڑھانے اور ان پر تنگی کئے بغیر دستیاب نہیں ہو سکتی تھیں، اگر وہ ان مطالبات کے ادا کرنے سے انکار کرتے تو ان سے جنگ کی جاتی اور ان کو سزا دی جاتی، اور اگر وہ تعمیل کرتے تو ان کو گدھے اور سیلوں کی طرح بنا لیتے جس سے آپاشی اور کاشت کاری میں کام لیا جانا اور صرف خدمت کرنے کے لئے ان کو پالا جاتا ہے، اور محنت و مشقت سے ان کو کسی وقت چھٹی نہیں ملتی، اس پر شقت اور جوانی زندگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو کسی وقت سہراٹھانے اور سعادتِ آخری کا خیال بھی کرنے کا موقع اور ٹہلت نہیں ملتی تھی، بسا اوقات پورے پورے ملک میں ایک فرد بشر بھی ایسا نہ ملتا جس کو اپنے دین کی فکر اور اہمیت ہوتی!

## عالمگیر تاریکی

خلاصہ یہ کہ اس سائیس صدی سچی میں روئے زمین پر کوئی قوم ایسی نظر نہیں آتی تھی جو مزاج کے اعتبار سے صاف کہی جاسکے، اور نہ ایسی کوئی سوسائٹی تھی جو شرافت اور اخلاق کی اعلیٰ قدروں کی حامل ہو، نہ ایسی کوئی حکومت تھی جس کی بنیاد عدل و انصاف اور رحم پر ہو، اور نہ ایسی قیادت تھی جو علم و حکمت اپنے ساتھ رکھتی ہو، اور نہ کوئی ایسا صحیح دین تھا

لے حجۃ الشریعۃ باب اقامۃ الامرتفاقات و اصلاح المورسوم

جو انبیاء کرام کی طرف صحیح نسبت رکھتا ہو اور ان کی تعلیمات و خصوصیات کا حامل ہو اس  
 گھناؤپ اندھیرے میں کہیں کہیں عبادت گاہوں اور خانقاہوں میں اگر کبھی کبھی روشنی  
 نظر آجاتی تھی تو اس کی حیثیت ایسی ہی تھی جیسے برسات کی اندھیری رات میں جگنو چمکتا ہے  
 صحیح علم اور صحیح عمل اتنا نایاب تھا، اور خدا کا سیدھا راستہ بتلانے والے اس قدر خال خال  
 پائے جاتے تھے کہ ایران کے بلند ہمت اور بے چین طبیعت نوجوان سلمان فارسی کو جو اپنے  
 قوی و سلی مذہب (مجوسیت) سے غیر مطمئن و مایوس ہو چکا تھا، اور حق و صداقت کا جوا تھا، ایرا  
 ے کے کرشمہ کے آخری حدود تک اپنے طول و طویل سفر میں صرف چار آدمی ایسے مل سکے جن سے  
 اس کی روح کو سکون اور قلب کو اطمینان حاصل ہوا اور جو پیغمبروں کے بتلائے ہوئے راستہ پر  
 قائم تھے۔

اس عالمگیر تاریکی اور فساد کا نقشہ قرآن مجید نے جس طرح کھینچا ہے اس سے بہتر ممکن نہیں:

هَـمَّزَ الْفَسَادِ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ مَا كَانَتْ  
 خرابی پھیل گئی ہے خشکی اور تری میں لوگوں

اَيَّدِي الْمَاسِ لِيَدٍ بَعْضُ  
 کے اعمال کے نتیجہ میں تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے

الَّذِي عَمِلُوا الْعَمَلَهُمُ فَرِحُوا  
 بعض اعمال کا مزہ چکھا دے اور وہ

(الروم - ۴۱) باز آجائیں۔



اے حضرت سلمان فارسی کی سرگزشت (جو اپنی مسلسل سند اور راویوں کی ثقافت و عدالت کی وجہ سے ایک  
 مستند و قیمتی تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے) سند امام احمد اور مستدرک حاکم میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

# باب دوم

## بعثتِ محمدیؐ کے بعد

### بعثتِ محمدیؐ

ایسے وقت میں کہ انسانیت پر نزع کا عالم طاری تھا دنیا اپنے تمام ساز و سامان کے ساتھ ہلاکت کے ٹھہب و عمیق غار میں گرنے والی تھی، عین وقت پر اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وحی و رسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ اس جاں بلب انسانیت کو نئی زندگی بخشیں اور لوگوں کو تارکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں :-

|  |  |
|--|--|
| الَّذِينَ كَانُوا أَزْوَاجًا لِّأَزْوَاجٍ لِّتُخْرِجَ النَّاسَ | اتلا یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے تم پر اناری |
| مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ            | ہے تاکہ تم تمام لوگوں کو ان کے پروردگار  |
| إِلَى صِرَاطٍ الْعَرْشِ الْمُبِينِ                             | کے حکم سے تارکیوں سے روشنی کی طرف        |
| (ابراہیم -۱)   | لاؤ اس خدا کے راستہ کی طرف جو غالب       |

اور ستودہ صفات ہے۔

آپؐ نے انسانیت کو صرف ایک بندگی کی دعوت دی اور دنیا کی ساری بندگیوں و غلامیوں سے نجات دی، زندگی کی حقیقی نعمتیں (جن سے انسانوں نے اپنے کو محروم کر دیا تھا) دوبارہ ان کے عطا کیں اور وہ طوق و سلاسل اُن سے جدا کئے جو انھوں نے بلا ضرورت اپنے اوپر ڈال لئے تھے۔

يَا مَعْزُومِي لَعْنَةُ رُفَيْفٍ يَهْمُهُ عَنِ النَّكْرِ  
 وَفَعَلَ لَهُمُ الصَّبِيَّةَ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ  
 الْحَبِيَّةَ وَيَصْنَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ  
 وَالْاَعْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔  
 (الاعراف - ۱۵۷)

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نیکی کا  
 حکم دیتے ہیں بُرائی سے روکتے ہیں پسندیدہ  
 چیزیں حلال کرتے ہیں گندی چیزیں حرام  
 ٹھہراتے ہیں اس بوجھ سے نجات دلاتے ہیں  
 جس کے تلے وہ دبے ہوئے تھے ان پھنوس سے

نکالتے ہیں جو ان پر پڑے ہوئے تھے۔

آپ کی بعثت نے انسانیت کو نئی زندگی، نئی روشنی، نئی طاقت، نئی حرارت، نیا ایمان  
 نیا یقین، نئی نسل، نیا تمدن، نیا معاشرہ عطا کیا، آپ کی آمد سے دنیا کی نئی تاریخ اور انسانیت  
 کے کام کی عمر شروع ہوتی ہے کہ خود فراموشی و خود کشی میں جو زمانہ گزر ا، وہ اعتبار کے قابل نہیں،  
 اور مینا و نابینا اور زندہ و مردہ ایک پلے میں رکھے نہیں جاسکتے۔

وَمَا يَنْتَوِي الْأَعْمَى وَالْبَصِيرُ وَلَا  
 الظُّلُمُتُ وَلَا النُّورُ وَلَا الظِّلُّ وَلَا  
 الْحَرُّ وَلَا مَا يَنْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ  
 (الفطہ ۱۷)

اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں اور  
 تاریکی اور روشنی اور نہ چھاؤں اور نہ صوبہ  
 اور زندہ آدمی اور مردہ برابر نہیں ہو سکتے۔

جاہلیت و اسلام کے درمیان جو فاصلہ تھا اس سے بڑا کوئی فاصلہ نہیں لیکن یہ فاصلہ  
 جس شریعت کے ساتھ طے ہوا دنیا میں اس کی بھی نظیر نہیں دنیا نے آپ کی رہنمائی میں یہ طویل سفر  
 کس طرح طے کیا؟ اور جاہلیت سے اسلام کی طرف کس طرح پہنچی؟ آئندہ صفحات اسی سوال  
 کے جواب اور اسی اجمال کی تفصیل کے لئے ہیں۔

**جاہلیت پر ایک اجمالی نگاہ**

گزشتہ صفحات سے اندازہ ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت

دنیا کی کیفیت بعینہ ایک ایسے مکان کی سی تھی جس کی بنیادیں ایک سخت زلزلے نے ہلا دی تھیں اس کی ہر چیز بے محل اور بے قریب تھی، اس عمارت کا ساز و سامان زیر و بر ہو گیا تھا جو ٹوٹنے پھوٹنے سے بچ رہا تھا، اس کی شکل بگڑ گئی تھی، کہیں کی چیز کہیں پڑی تھی کہیں سامان کا انبار لگ گیا تھا، اور کہیں بالکل جھاڑو پھیر گئی تھی، دیکھنے والے کو وہاں ایسا انسان نظر آتا تھا، جس کی نظر میں اپنی ہستی خود حیرت تھی، وہ درخت، پتھر اور پانی کی پریش کرنے لگا تھا بلکہ وہ ہرے بس چیز کو معبود بنا چکا تھا، وہ اتنا سخ ہو چکا تھا کہ روزمرہ کی کھلی ہوئی حقیقتوں کے ادراک بھی قاصر تھا، اس کا فکری نظام مختل ہو چکا تھا، اس کے احساس غلط کام کر رہے تھے، اس کے لئے علم نظری بدیہی اور بدیہی نظری بن گیا تھا، یقینی اور قطعی چیزوں میں اس کو شک ہونے لگا تھا، اور شکوک و شبہات میں قطعیات یقینیات بن گئی تھیں، اس کا ذوق فاسد ہو گیا تھا، بد ذائقہ چیزیں اس کو خوش ذائقہ اور خوش ذائقہ بد ذائقہ معلوم ہونے لگیں تھیں، اس کا احساس باطل ہو چکا تھا، دوست اور خیر خواہ کے ساتھ اس کی دشمنی اور دشمن اور بد خواہ کے ساتھ اس کی دوستی تھی۔ معاشرے پر نظر ڈالئے تو دنیا ہی کا مرقع نظر آتا ہے، ہر چیز غلط شکل یا غلط جگہ نظر آئے گی اس معاشرے میں بھیرے کو گلہ کی نگہبانی اور ظالم فریق کو فصل خصومات کا کام سپرد کر دیا گیا تھا، اس سوسائٹی میں مجرم خوش قسمت اور آسودہ تھے، اور نیک سیرت رحمت و کلفت میں مبتلا تھے، اس معاشرے میں اخلاق کی پاکیزگی اور نیک چلنی سے بڑھ کر کوئی جرم اور حقاقت اور بد اخلاقی اور بد اطواری سے بڑھ کر کوئی ہنر اور قابلیت کی بات نہیں سمجھی جاتی تھی۔

اس معاشرے کے عادات اور اطوار ہلاکت آفرین تھے، جو دنیا کو ہلاکت کے غاریں ڈھکیل رہے تھے، شراب نوشی، بدستی، بد اخلاقی، جنون، سود خواری، لوٹ کھسوٹ اور مال کی محبت، بواہوسی اور جوع البقر تک پہنچ گئی تھی، سنگدلی اور بے رحمی اس حد تک پہنچ چکی تھی



کر رکھیاں زندہ دفن کر دی جاتی تھیں اور ان کے بچپن میں قتل کر دیئے جاتے تھے، بادشاہ اللہ کے مال کو ہاتھ کا میل وراثت کے بندوں کو خانہ زاد سمجھتے تھے، عالم و درویش خدا بن بیٹھے تھے، لوگوں کا مال کھانے اڑاتے اور خدا کے راستے سے خدا کے بندوں کو روکنے کے سوا ان کا کچھ مشغلہ نہ تھا۔

جو قابلیتیں انسان کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کی گئی تھیں وہ بڑی بیدردی سے ضائع کی جا رہی تھیں یا بے محل خرچ ہو رہی تھیں، ان سے فائدہ اٹھایا گیا تھا، اور نہ ان کا صحیح رخ پر لگایا گیا تھا، شجاعت اور بہادری نے ظلم و زبردستی، فیاضی و دریادلی نے اسراف اور فضول خرچی، خود داری اور غیرت نے جاہلی حیثیت، ذہانت و دکاندگی، دھوکہ بازی اور جیلہ سازی کی شکل اختیار کر لی تھی، عقل کا کام صرف اتنا رہ گیا تھا کہ جرائم کے نئے نئے طریقے ایجاد کرے اور خواہشات کی تسکین کے لئے نئے راستے پیدا کرے۔

افراد اور قیمتی انسانی ذخیرے مدت سے ضائع ہو رہے تھے، وہ ایک ایسا خام مال تھا جس کو کوئی تجربہ کار کاریگر نصیب نہیں ہوا تھا، جو اس سے تمدن کا صحیح ڈھانچہ تیار کرنا یہ لکھوی کے تختے تھے، جو پڑے پڑے گل رہے تھے، کوئی ایسا نہ تھا جو ان کو جو مرکز زندگی کا جہاز تیار کر لیتا۔ منظم قوموں کی جگہ بھیدوں کے چند گلے نظر آتے تھے جن کا کوئی چرواہا نہ تھا، سیاست شتر بے مہارت تھی، اور قوت ایک تلوار جو ایک بدست کے ہاتھ پر لگی تھی، جس سے وہ خود اپنے کو اور دوسروں کو زخمی کر رہا تھا۔

## جزئی اصلاح کی ناکامی

اس خراب اور ابتر زندگی کا ہر شعبہ مصلح کی پوری زندگی کا طالب تھا، فساد کا ہر گوشہ اس کا تحت تھا کہ وہ اس کی ساری توجہات کا مرکز بن جائے اور اس کو ایک لمحہ کے لئے بھی فرصت

نہ دے، اگر کوئی عام انسان ہوتا جو حی و نبوت کی ہدایت کے بجائے اپنی عقل یا خواہشات کے کام کرتا تو اس زندگی کے ایک ہی حصہ پر اپنی ساری کوششیں لگا دیتا، اور پوری عمر کو سوسائٹی کے صرف ایک مرض کے ازالہ پر قربان کر دیتا لیکن اس سے کوئی بڑا فائدہ حاصل نہیں کیا جاسکتا تھا، اس لئے کہ انسان کی نفسیات کا معاملہ بہت پیچیدہ اور نازک ہے اس میں بہت سے چور و زانیے ہیں اور عجیب عجیب رونق ہیں اس کی اصلی کمزوری اور مرکزی سرے کو پکڑ لینا آسان نہیں، جب انسان کا مزاج بگڑ جاتا ہے یا اس میں کجی پیدا ہو جاتی ہے تو اس کے صفت ایک عیب کو دور کرنا اور ایک ہی کمزوری کے پیچھے بڑھانا کارآمد نہیں اور نہ کسی ایک ہی عیب کو سناوڑنا سودمند ہے، جب تک اس کا رخ شرے پھیر کر خیر کی سمت اور خرابی سے ہٹا کر درستی کی جانب نہ کر دیا جائے اور زندگی میں بگاڑ کی جو جھاڑی اُگل گئی ہے اس کو نہ اکھاڑ پھیکا جاتا اور اس کی زمین کو گھاس اور خود رو پودوں سے صاف نہ کر دیا جائے تاکہ نیکی اور خیر کی محبت اور الشکر و جل کے خوف کا پودا اس میں بٹھایا جاسکے۔

انسانی معاشرے کی ہر کمزوری اور ہر عیب پوری پوری زندگی کا مطالعہ کرتا ہے بعض وقتاً پوری پوری جماعت کی زندگیاں اس کے مقابل میں مصروف کار ہو جاتی ہیں اور اصلاح نہیں ہوتی، اگر کسی ملک میں شراب کی لت پڑ گئی ہے اور زندگی کا فلسفہ ہی اس نے ناووش سمجھ لیا ہے تو اس کے منہ لگی شراب چھڑانی آسان نہیں ہے، نوشی کس بات کا نتیجہ ہے؟ ایک ایسی ذہنیت اور مزاج کا جو مزہ کا عاشق ہے چاہے وہ لذت زہری ہوئی ہو بے خودی اور خود فراموشی کا طالع ہے چاہے ہزار گناہ سے خریدی جاسکتی ہو، اس اقتدار طبیعت اور اس ذہن کو تقریر و تحریر، شراب کے طبی نقصانات کی تفصیل اور سخت سے سخت قوانین اور جرائنوں سے روکا نہیں جاسکتا، اس کو صرف عمیق نفسیاتی تبدیلی سے روکا جاسکتا ہے اس کے سوا اگر کوئی اور طریقہ اختیار کیا گیا تو

جرائم دوسرے رنگ میں ظاہر ہوں گے، اور اپنے لئے دوسرے راستے پیدا کر لیں گے۔

## پیغمبر اور سیاسی قائد کا فرق

عرب کے ملک میں کام کا بہت وسیع میدان تھا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی قومی رہنمایا محب وطن قائد ہوتے اور آپ کا طریقہ سیاسی اور ملکی رہنماؤں جیسا ہوتا تو آپ کے سامنے بہتر صورت یہ تھی کہ آپ عرب کو ایک وطن قرار دے کر عربی قبائل کا ایک اتحاد قائم کرتے اور عرب کی مضبوط طاقتوں سے ایک پختہ اور جنگجو ملک بنا لیتے اور ایک عربی ریاست یا جمہوریہ کی بنیاد رکھتے، جس کے آپ نہایت آسانی کے ساتھ صدر ہو سکتے تھے، ایسی صورت میل بو جہاں غلبہ وغیرہ آپ کے ساتھ پورا اشتراک عمل کرتے اور آپ کو عرب کی قیادت سونپ دیتے کیونکہ ان آپ کی صداقت و امانت کا شاہدہ تھا، انھوں نے آپ کو مکہ کے سب سے بڑے اختلافی مسئلہ حکم بنایا تھا، غلبہ نے قریش کا نمائندہ بن کر آپ کے سامنے عرب کی مزاوی کی پیش کش کی تھی اور کہا تھا کہ اگر آپ قیادت چاہتے ہیں تو ہم کو ذرا اختلاف نہیں، آپ زندگی بھر ہمارے قائد رہیں گے پھر اگر آپ کو یہ سیاسی مقام حاصل ہو جاتا تو آپ کے لئے ایرانی یا رومی سلطنت پر فوج کشی آسان تھی، آپ عرب کے شہسواروں کے ذریعہ ایران و روم کی سلطنت پر حملہ کر سکتے تھے اور عجیبو گویا مصلوب کے روم و فارس پر عرب کی فتح کا پھر میرا ڈاؤن اسکے تھے یہ کتنا دلکش خواب تھا، اور عربی جذبہ نخوت کی اس میں کتنی تسکین تھی، اور اگر آپ ان دونوں شہنشاہوں کے بیک وقت برسرِ پیکار ہونا سیاسی دانش کے معانی سمجھتے تو تین وجہ سے پر حملہ کر کے ان کو اپنی نوازش شدہ حکومت میں ملحق کر لینا کچھ مشکل نہ تھا۔

خود عرب میں اتنے اجتماعی، معاشی مسائل موجود تھے جو اعلیٰ سیاسی بصیرت، قومی تنظیم، انتظامی قابلیت، اعلیٰ عزیمت کے برسوں سے منتظر تھے، ایک بلند پایہ قومی الارادہ رہنما عرب

مقامی اصلاح و تنظیم کر کے اس کو دنیا کی بہت بڑی طاقت اور ایک با عظمت ملک بنا سکتا تھا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے مبعوث نہیں ہوئے تھے کہ ایک بگاڑ کو تبدیل کر کے دوسرا بگاڑ اس کی جگہ پر لائیں اور ایک نا انصافی کو شکار دوسری نا انصافی پیدا کریں ایک چیز کو ایک جگہ ناجائز قرار دیں اور دوسری جگہ اس کو جائز قرار دیں ایک قوم کی خود غرضی کی مخالفت کریں اور دوسری قوم کی خود غرضی کی ہمت افزائی کریں آپ ایک وطن پرست لیڈر اور ایک سیاسی قائد بن کر نہیں آئے تھے کہ ایک قوم کو اجاڑ کر دوسری قوم آباد کرتے، دوسری قوم کے زرد جو اہر سے اپنی قوم کا دامن بھرتے اور لوگوں کو روم و فارس کی غلامی سے نکال کر آل عدنان اور اولاد قحطان کی غلامی میں داخل کرتے۔

آپ کا مقصد بعثت دنیا کو جنت کی بشارت اور عذاب آخرت کی وعید پہنچانا تھا، آپ داعی الی اللہ اور سر راہِ نمیزن کر آئے تھے کہ ساری دنیا کو روشن کریں آپ مبعوث فرمائے گئے تھے کہ دنیا کو بندوں کی بندگی سے نکال کر صرف خدا کی بندگی میں داخل کریں تمام لوگوں کی مادی زندگی کی کال کو ٹھہری سے نکال کر دنیا و آخرت کی وسعتوں میں پہنچا دیں مذاہبِ ادیان کی نا انصافیوں اور زیادتیوں سے نجات دے کر اسلام کے انصاف سے مستحق ہونے کا موقع دیں آپ کا کام نیکی کی ترغیب دینا، بدی سے منع کرنا، فضا و پاک چیزوں کو حلال، گندی و ناپاک چیزوں کو حرام قرار دینا اور ان بندشوں اور بیڑیوں کو توڑنا تھا، جو انسانوں نے اپنی نادانی سے یا مذاہب اور حکومتوں نے اپنی زبردستی سے لوگوں کے پاؤں میں ڈال رکھی تھیں۔

اسی لئے آپ کے مخاطب صرف ایک قوم یا ایک ملک کے باشندے نہ تھے آپ کا خطاب تمام انسانوں اور پورے انسانی ضمیر سے تھا، عرب قوم اپنی حد سے بڑھی ہوئی پسماندگی اور اخلاقی پستی کی وجہ سے ضرور اس کی مستحق تھی کہ آپ کی مہم وہیں سے شروع ہو اور کائناتِ نبوت کا

افتتاح بھی اسی قوم میں ہوا اُمّ القریٰ (مرکز عالم مکہ) اور جزیرہ نمائے عرب اپنے جزا فیائی  
جائے وقوع سیاسی آزادی کی وجہ سے آپ کی جدوجہد کے لئے بہتر مرکز تھے اور عربی قوم  
اپنی نفسیاتی خصوصیت اور اخلاقی امتیازات کی وجہ سے آپ کے پیغام کی بہترین سفیر اور  
آپ کی دعوت کی موزوں ترین قاصد بن سکتی تھی۔

آپ ان مصلحین میں نہ تھے جو اپنی قوم یا اپنے زمانے کی چند اجتماعی کمزوریوں یا اخلاقی  
خرابیوں کے ٹلنے کے درپے ہوتے ہیں اور وقتی طور پر ان عیوب کے ازالے میں کامیاب  
ہوتے ہیں یا اس دنیا سے ناکام سدھار جلتے ہیں۔

## انسانیت کی صحیح گرہ کشائی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی رہنمائی سے دعوت و اصلاح کا کام اس کے

لئے کا ندھی جی نے اپنی سیاسی اور روحانی زندگی کی ابتداء سے دوزبردست اصولوں کو اپنی زندگی کا مقصد  
بنایا اور ان دونوں پر اپنی وہ تمام طاقتیں یعنی علمی صلاحیتیں و دروہ تمام وسائل مقرر کر دیے جو اس زمانے میں کم  
لوگوں کو حاصل ہو گئے پہلا اصول عدم تشدد تھا جس کی طرف انھوں نے ایک مستقل مذہب و فلسفہ کی حیثیت سے  
دعوت دی اور اس کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی، مگر چونکہ یہ طریقہ نفسیاتی تبدیلی اور دین کی بنیادی دعوت کے طریقہ  
سے جدا تھا اس لئے ان کی دعوت وہ گہری تبدیلی اور تازہ پیرائیں نہیں کیا جو انبیاء اپنی قوموں میں پیدا کر جاتے ہیں انھوں نے خود  
اپنی آنکھوں سے ہندوستان کو وہ ہونا کہ فرقہ وارانہ فساد دیکھا جس میں ان کے اصول عدم تشدد کو بڑی طرح پامال کیا گیا اور بربریت  
و تشدد کا بدترین مظاہر ہوا یہ واقعہ کا ندھی جی کے لئے سخت دل شکن اور اُن روح بنے بالا خزان کو نمود تشدد کا شکار ہونا  
پڑا جس کے خلاف ساری عمر انھوں نے تلقین کی تھی دوسرا اصول چھوٹے چھوٹے کارکن تھا، اس میں بھی کوئی خاص کامیابی  
نہ ہو سکی یہ خالق اس بنا کی روشن دلیل ہیں کہ انبیاء کرام کا طریقہ ہی صحیح اور نتیجہ خیز طریقہ ہے اور وہی کامیابی کا  
راستہ ہے۔

صحیح راستہ سے شروع کیا، آپؐ نے طبیعتِ انسانی کے قفل میں ٹھیک چابی لگائی یہ وہ قفل تھا جس کے کھولنے میں اپنے وقت کے تمام مصلحین ناکام رہے تھے، آپؐ نے لوگوں کو سب سے پہلے الشریعہ پر ایمان لانے کی دعوت دی اور مہبودانِ باطل کے انکار کی تلقین فرمائی اور طاعت (خدا کے سوا ہر ہستی جس کی عبادت و اطاعت مطلق کی جائے) کی نافرمانی کی ہدایت فرمائی، لوگوں میں کھڑے ہو کر آپؐ نے باواز بلند فرمایا: یا ایہا الناس قولوا لا الہ الا اللہ تفلحوا۔  
لوگو! کہو کہ اللہ کے سوا کوئی قابلِ عبادت نہیں! کامیاب ہو گے۔

## جاہلیتِ اسلام کے مقابلہ پر

جاہلی معاشرے نے اس دعوت اور اس کے مقاصد کے سمجھنے میں غلطی نہیں کی اور اس میں اس کو کچھ سیدھی محسوس نہیں ہوئی جیسے ہی آپؐ کی آواز سے سننے والوں کے کان آشنا ہوئے، وہ اچھی طرح سمجھ گئے کہ یہ دعوت ایسا تیر ہے جو جاہلیت کے نشانہ پر بیٹھ جائے گا اور جگر کے پار ہو جائے گا خطرہ کے اس احساس سے جاہلیت کے کڑھاء میں بال پیدا ہوا، جاہلیت کے سوا جاہلیت کے آخری معرکہ کے لئے میدان میں کیل کانٹے سے لیٹ کر اتر آئے۔

وَانْطَلَقَ الْكَلَامُ مِنْهُمْ اَنْ اَمْشُوا اور ان کے ذمہ ار لوگ نکل پڑے کہ چلو

وَاَصْبِرْ دَاعِيَ اِلَيْهِمْ اِنْ هَذَا اور اپنے مہبودوں پر جبرہ رہو یہ تو یقیناً

نشیءِ مرادہ (حق - ۶) کوئی سوچی سمجھی چیز معلوم ہوتی ہے۔

اس زندگی کے ہر رکن نے صاف محسوس کیا کہ جاہلی تہذیب کی عمارت متزلزل ہے اور

پورا نظامِ زندگی خطرے میں ہے اس موقع پر سختی و باؤ ظلم و زیادتی کے وہ لرزہ خیز واقعات

پیش آئے جو تاریخِ اسلام میں محفوظ ہیں یہ اس بات کی علامت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے جاہلیت پر زد لگانے کے لئے بالکل صحیح جگہ کا انتخاب کیا اور آپ کا تیر نشانہ پر صحیح بیٹھا آپ نے جاہلیت کی شہرہ رگ پر وار کیا جس سے جاہلیت تھلا اٹھی اور سارا عرب جو جاہلیت کا نشانہ رہا بڑا قلعہ تھا، لڑنے کے لئے آگیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعوت پر پہاڑ کی طرح جھے رہے، مخالفت کے طوفان اٹھے، فتنہ کی آندھیاں اُٹیں اور نکل گئیں، مگر آپ نے اپنی جگہ سے ذرا جنبش نہ کی، آپ نے اپنے چچا سے صاف کہہ دیا: میرے چچا اگر میرے ایک ہاتھ میں سو بج اور دوسرے پر چاند بھی رکھ دیا جائے تو بھی میں اس کام کو چھوڑ نہیں سکتا، یہاں تک کہ یا اللہ تعالیٰ اس کو کامیاب کرے یا میں کام آجاؤں!

آپ مکہ میں تیرہ سال تک مقیم رہے، مسلسل توحید رسالت، آخرت پر یقین کی دعوت پوری صراحت کے ساتھ دیتے رہے، آپ نے اس کے لئے ذرا بھی ہیر پھیر کا راستہ اختیار نہیں کیا، نہ مخالفوں کی ادنیٰ رعایت کی، نہ وقت کی مصلحت کے لئے اپنی دعوت میں لوچ اور ہچک گوارا کی، اسی دعوت کو ہر مرض کی دوا، اور ہر بند غفل کی کنجی سمجھا، اور ایک لمحہ کے لئے بھی آپ کو اس کے بارہ میں ادنیٰ تذبذب بھی نہیں ہوا۔

## اولین مسلمان

قریش نے اس دعوت کے مقابل میں گھٹنے ٹیک دیئے اور جاہلیت کے جھنڈے کے نیچے آپ کے مقابلہ پر آگئے اور انھوں نے تمام ملک میں آپ کے خلاف آگ لگا دی اور اسلام کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے، اب آپ پر ایمان لانا اسی شیر دل مرد کا کام تھا جو موت سے نہ ڈرتا ہو، جو اپنے عقیدہ اور یقین کے لئے آگ میں کودنے اور انگاروں پر لوٹنے کے لئے تیار ہو

جو دنیا کی تمام تر رغبات سے منہ موڑ چکا ہوا اور ساری دنیا سے رشتہ توڑ چکا ہو، قریش کے چند  
 جوان مرد آگے بڑھے، یہ غفلت کا فیصلہ اور نوجوانی کا اقدام نہ تھا، وہ سمجھتے تھے کہ وہ اپنی  
 زندگی کو خطرے میں ڈال رہے ہیں اور زندگی کے دروازے اپنے لئے بند کر رہے ہیں، کوئی  
 دنیاوی ترغیب یا لالچ اس کی تحریک نہ تھی کہ اس فیصلہ سے صرف خطرات کا دروازہ کھلتا  
 تھا، اور ہر طرح کے دنیاوی فوائد اور راحت کے دروازے بند ہوتے تھے، یہاں صرف  
 یقین کی ایک طاقت تھی اور آخرت کی لالچ تھی، انھوں نے ایمان کی طرف بلانے والوں  
 کو پکارنے سن پایا تھا کہ اپنے پروردگار پر ایمان لے آؤ، یہ پکار سننے ہی زمین ان پر تنگ  
 ہو گئی، طبیعتیں بھینچنے لگیں، زاتوں کی مینداؤں لگیں، نرم بسز کانٹوں کی طرح چھیننے لگے،  
 انھوں نے دیکھا اللہ و رسول پر ایمان لانا اور اپنے یقین کا ساتھ دینا ان کے لئے  
 ضروری ہو گیا ہے، وہ دل و دماغ کے فیصلہ اور اپنے یقین کی مخالفت کر کے خوش نہیں  
 رہ سکتے تھے، حقیقت ان پر ظاہر ہو چکی تھی، وہ اس حقیقت کو ٹال نہیں سکتے تھے، حیوانی  
 زندگی سے ان کا دل اچاٹ ہو گیا تھا، وہ اس کو اس میں دوبارہ پھنسا نہیں سکتے تھے،  
 ایک کانٹا تھا جو ان کے دل میں چھب رہا تھا، وہ اس کانٹے کو پال نہیں سکتے تھے، آخر انھوں نے  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے اور اسلام لانے کا فیصلہ کر لیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
 وسلم ان کے شہر کے محل میں تھے، چند گز کا فاصلہ! مگر قریش نے آپ کو اتنا دور کر دیا تھا،  
 اور راستہ اتنا پر خطر بنا دیا تھا کہ آپ تک پہنچنا ایک دو درازا اور نہایت خطرناک سفر تھا،  
 شام و یمن کو تجارتی قافلے جانا اور عرب کے رہزनों سے بچ کر نکل جانا اتنا مشکل نہ تھا،  
 جتنا کہ کے اندر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنا اور آپ سے مناسبت تھا، لیکن  
 وہ آپ تک پہنچنے، آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا اور اپنی زندگی آپ کے حوالے کر دی ان کو زندگی کا



خطرہ تھا، اور آزمائشوں و مشکلات کا یقین تھا، مگر انھوں نے قرآن کی یہ آیت سنی تھی :-

أَحَبَّ النَّاسُ أَنْ يُنْزَلَ عَلَيْهِمُ الْكِتَابُ مِنْ شَيْءٍ ۚ وَلَقَدْ فَتَنَّا  
الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلْيَعْلَمَنَّ اللَّهُ  
الَّذِينَ صَدَقُوا وَلْيَعْلَمَنَّ الْكَافِرِينَ  
(النکبت - ۳ و ۲)

کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ یہ کہہ کر  
چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان  
آزائش نہ ہو گی ہم نے تو ان سے پہلے  
لوگوں کو خوب آزمایا ہے اللہ تعالیٰ ان  
لوگوں کو ضرور جان لے گا جو سچے ہیں اور  
وہ جھوٹوں کو ضرور معلوم کرے گا۔

اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی سنا تھا کہ :-

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخِلُوا الْجَنَّةَ  
وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ  
قَبْلِكُمْ مَسْتَهْزِئِينَ ۚ وَالضَّرَآءُ  
وَرُزِقُوا فَهَيَّ يَقُولُ الرَّسُولُ  
وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نُفْرَأُكَ  
الْآتِ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ۝

کیا تم نے سمجھ رکھا ہے کہ جنت میں یوں ہی  
داخل ہو جاؤ گے اور تم پر وہ حالات  
نہیں گزریں گے جو پہلے گزر چکے ان کو  
مصیبت اور نقصانات کا سابقہ پڑا اور  
وہ ہل کر رکھ دیئے گئے حتیٰ کہ رسول اور  
ان کے ساتھ کے ایمان لانے والے کہنے لگے  
کب دے آئے گی معلوم ہو کہ بڑے قریب ہے۔  
(البقرہ - ۲۱۴)

آخر وہی پیش آیا جس کی قریش سے توقع تھی، قریش نے اپنا ترکش ان بے بسوں پر  
خالی کر دیا اور سب تیر آزمائے مگر ان کی پختگی اور یقین بڑھنا ہی گیا، اور کہنے لگے اسی کا تو  
ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا  
اور اس نے ان کے ایمان اور شہرہ دگی میں اضافہ ہی کیا، ان آزمائشوں اور ابتلاؤں سے ان

عقیدہ میں مزید پختگی ان کے یقین میں استحکام، ان کے دینی احساس میں ترقی اور ان کے ایمان میں لذت و حلاوت پیدا ہوئی ان کی طبیعتوں میں نکھار پیدا ہوا اور وہ اس کھپتی سے کھرا سونا بن کر نکلتے

## صحابہ کرام کی ایمانی تربیت

اس کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو قرآن کی روحانی غذا پہنچا رہے تھے اور ایمان کے ذریعہ ان کی تربیت فرما رہے تھے اور آپ ان کو طہارت بدنی و خشوع قلبی خصوصاً جسمانی اور حاضر دماغی کے ساتھ دن میں پانچ بار رُکبہ نمازین کے حضور میں بھٹکتے ان میں روز بروز روحانیت کی بلندی قلب کی صفائی اخلاقی تھراپن مادھی گرفت سے آزادی اور خواہشات کی اتباع سے چھٹکارا حاصل ہو رہا تھا اور مالکِ ارض و سما کا عشق اور شوق بڑھ رہا تھا، آپ ان کو تکلیف میں صبر اور درگزر اور ضبط نفس کی تلقین فرماتے تھے، اطاعتی ان کے خمیر میں داخل تھی، تلوار سے ان کا زلی رشتہ تھا، وہ لوگ اس قوم سے تھے، جس کی تاریخِ نبوت و احاس و غیرہ کی فوہیں داستانوں سے پڑے، یوم الفجار کو ابھی زیادہ دن نہیں گزرے تھے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان جنگی سرشت انسانوں کو نکھارے ہوئے تھے اور ان کی عربی نخوت کو ایمان کی طاقت سے دبا دے ہوئے تھے، آپ ان سے کہتے (اپنے ہاتھوں کو روکے رہو اور نماز قائم کرو) وہ آپ کے حکم سے موم ہو گئے تھے، بغیر ادنیٰ بُردی کے انھوں نے اپنے ہاتھوں کو روک لیا وہ سب برداشت کر رہے تھے، جو دنیا کی کسی قوم نے برداشت نہیں کیا، تاریخ نے ایک اقمہ بھی ایسا پیش نہیں کیا جس میں کسی مسلمان نے اپنے نفس کی طرف سے برداشت کی ہو اور جوابی یا انتقامی کارروائی کی ہو، ضبط و تحمل کی یہ انتہائی مثال ہے جو ہمیں کسی جماعت کی تاریخ میں نہیں ملتی ہے۔

## مدینہ الرسول میں

قریش جب حد سے بڑھ گئے اور پانی سر سے اونچا ہو گیا، تو اللہ نے اپنے رسول کو اور آپ کے اصحاب کو ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی یہ لوگ یثرب کو ہجرت کر گئے، اسلام سے پہلے یثرب پہونچ چکا تھا۔

یہ مکہ یثرب والوں سے خوب گھل مل گئے، ہالاں کہ ان کے درمیان کی کڑی صرف یہ نیا مذہب تھا، تاریخ نے دین کی طاقت و اثر کا یہ انوکھا منظر پیش کیا، ادس و خزع نے جنگ بے آتش سے ابھی دامن بھی نہ چھاڑا تھا، اور ان کی خون آشام تلواروں سے ابھی تک خون ٹپک رہا تھا۔ ایسے حالات میں اسلام نے دلوں میں الفت و محبت پیدا کی، اس مصالحت کے لئے اگر کوئی شخص پوری دنیا کا خزانہ خرچ کر دیتا تو بھی اس کی طاقت سے باہر تھی، نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انصار و مہاجرین کے درمیان بھائی چارہ کرایا، ایسا بھائی چارہ جس کے سامنے گئے بھائیوں کی محبت گرد اور دنیا کی ساری دوستیاں بے حقیقت تھیں، تاریخ میں ایسی محبت و خلوص کی مثال نہیں ملتی۔

یہ نوزائیدہ جماعت جو مہاجرین مکہ اور انصار مدینہ پرستل تھی، ایک عظیم شان اسلامی امت کی اساس اور اسلام کا سرمایہ تھی، اس جماعت کا تلوار کی گھڑی میں ہوا جب کہ دنیا موت و زندگی کی کش مکش میں مبتلا تھی، اس جماعت نے آکر اس کی زندگی کا پلراجھا کر دیا اور ان تمام خطرات کو دور کر دیا جو اس کو درپیش تھے، اس جماعت کا ظہور پھر اس کا استحکام انسانیت کی بقا کے لئے ضروری تھا، اسی لئے جب اللہ تعالیٰ نے انصار و مہاجرین کی اخوت و محبت پر زور دیا تو فرمایا (اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ و فساد برپا ہوگا)۔

## صحابہ کرامؓ کی ایمانی تکمیل

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی میں صحابہ کرامؓ کی ایمانی تربیت و تکمیل کا سلسلہ جاری رہا قرآن برابر ان کے قلوب کو طاقت اور گرمی بخشتا رہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس سے ان کو استحکام، خواہشات نفس پر قابو، رضائے الہی کی سچی طلب و اس کی راہ میں اپنے کو مٹانے کی عادت، حجت سے عشق، علم کی حرص، دین کی سمجھ اور احتسابِ نفس کی دولت حاصل ہوئی، وہ لوگ حسی و سستی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے جس حال میں ہوتے خدا کی راہ میں اٹھ کھڑے ہوتے، یہ لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مصیبت میں دس سال کے اندر تائیس بار جہاد کے لئے نکلے اور آپ کے حکم سے شوہر تہ سے زائد مکر بستہ ہو کر میدانِ جنگ کی طرف گئے، ان کے لئے دنیا سے بے تعلقی آسان بن گئی تھی، اہل و عیال کے مصائب برداشت کرنے کے عادی بن گئے تھے، قرآن کی آیات وہ بے شمار احکام لائیں جو ان کے لئے پہلے سے مانوس نہ تھے نفس و مال، اولاد و خاندان کے بائے میں احکام نازل ہوئے جن کی تعمیل کچھ ہنس نہ تھی، لیکن خدا اور رسول کی ہر بات ماننے کی عادت پڑ گئی تھی، شرک و کفر کی گتھی جب سلجھ گئی تو ساری گتھیاں ہاتھ لگاتے ہی سلجھ گئیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ان کے ایمان کے لئے کوشش فرمائی، پھر ہر امر و نہی اور ہر نئے حکم کے لئے متقل و متوشح اور جہد و جہد کی ضرورت نہ رہی، اسلام و جاہلیت کے پہلے معرکہ میلِ اسلام نے جاہلیت پر فتح حاصل کر لی، پھر تو ہر موقع کے لئے ہر مرتبہ نئے معرکہ کی ضرورت باقی نہ رہی، وہ لوگ مع اپنے قلوب کے مع اپنے ہاتھ پاؤں کے مع اپنی روحوں کے اسلام کے دامن میں آ گئے، ان پر جب حق واضح ہو گیا تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کوئی کشاکش باقی نہ رہی، آپ کے فیصلہ پر ان کو کبھی ذہنی

یا قلبی کش مکش پیش نہ آتی جس بات کا آپ فیصلہ فرمایتے ذرا اختلاف کی گنجائش باقی نہ رہتی، یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے روبرو اپنے چھپے قصوروں کا اقرار کیا اور اگر کسی گناہ میں مبتلا ہو گئے تو اپنے جسموں کو حدود اور سزاؤں کے لئے پیش کر دیا، شراب کی حرمت کا نزول ہوا ہے تو چھلکتے ہوئے جام تھیلیوں پر تھے، اللہ کا حکم ان کے بھر پڑے ہوئے جگر، آلودہ لبوں اور شراب کے پیالوں کے درمیان حائل ہو گیا، پھر کیا تھا! ہاتھ کو ہمت نہ تھی کہ اوپر کو اٹھ سکے، لبوں کی تمنائیں و مہر خشک ہو گئیں، شراب کے بزن توڑ دیئے گئے اور شراب مدینہ کی گلیوں اور زالیوں میں بہہ رہی تھی۔

جب شیطان کے اثرات ان کے نفوس سے دھل گئے، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ جہان کے نفوس کے اثرات ان کے نفوس سے زائل ہو گئے، نفسانیت کا خاتمہ ہو گیا اور وہ لوگ اپنے نفوس سے ویسا ہی بڑاؤ کرنے لگے جیسا کہ وہ دوسرے سے کرتے تھے، دنیا میں رہتے ہوئے مردانِ آخرت اور نقد سودے کے بازار میں آخرت کے قرض کو دنیا کے نقد پر ترجیح دینے والے بن گئے، نہ کسی مصیبت سے گھبراتے نہ کسی نعمت پر اترتے، فقر ان کی راہ میں رکاوٹ نہ بس سکتا، دولت سرکشی پیدا نہ کر سکتی، تجارت غافل نہ کرتی، کسی طاقت سے نہ دبتے، اللہ کی زمین پر کھڑے کا خیال بھی نہ آتا، بگاڑ اور تخریب کا وہم بھی نہ ہو سکتا، لوگوں کے لئے وہ میزانِ عدل تھے، وہ انصاف کے علمبردار تھے، اللہ تعالیٰ کے گواہ تھے، خواہ ان کو اپنے نفس کے خلاف گواہی دینی پڑے خواہ والدین اور اعزہ کے مخالف جانا پڑے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی زمین کو ان کے قدموں میں ڈال دیا، اور دنیا کو ان کے لئے سحر کر دیا، وہ اس وقت عالم کے محافظ اور اللہ کے دین کے داعی بن گئے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کو اپنا جانشین بنایا، اور آپ خود ٹھنڈی آنکھوں کے ساتھ رسالت اور امت کی طرف سے اطمینان کے رفیقِ علی کی طرف سفر کر گئے۔

## تاریخ کا عظیم ترین انقلاب اور اس کے اسباب

مسلمانوں کی طبیعتوں کا یہ زبردست انقلاب جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دست مبارک پر انجام پایا اور مسلمانوں کے ذریعہ سے انسانی معاشرہ میں پیش آیا، انسانی تاریخ کا ایک نوکھا واقعہ تھا، اس انقلاب کی ہر چیز زوالی اور انوکھی تھی، اس کی سرعت اس کا عمق اس کی وسعت و ہم گیری اس کی وضاحت اور فہم انسانی سے قرب یہ سب اس بحر العقول واقعہ کے زلے پہلو تھے، یہ انقلاب دوسرے خارق عادات واقعات کی طرح کوئی پیچیدہ مسئلہ یا ناقابل فہم ممتد نہ تھا، علمی طریقہ سے اس انقلاب کی تحقیقات کیجئے، تاریخ انسانی اور معاشرہ انسانی میں اس کے اثرات کا مطالعہ کیجئے۔

## ایمان اور اس کے اثرات

تمام لوگ خواہ عرب ہوں یا عجمی نہایت مسخ شدہ زندگی گزار رہے تھے، ہر وہ ہستی جو ان کے لئے وجود میں لائی گئی تھی، اور جو ان کے تصرفات کے تابع تھی، امر و نہی، سزا و جزا کی طاقت سے محروم تھی، اس کی وہ پستش کرنے لگے تھے، وہ بالکل ایک سطحی اور اٹھلی مذہبیت رکھتے تھے، جس کا زندگی میں کوئی اثر اور ان کے طبائع اور ارواح اور قلوب پر کوئی اقتدار نہ تھا۔ اخلاق و معاشرت اس مذہبیت سے ذرا متاثر نہ تھے، اللہ تعالیٰ کی ہستی ان کی نگاہوں میں ایسی تھی جیسا کہ ایک کاریگر اپنا کام پورا کر کے کنارہ کش اور گوشہ نشین ہو گیا ہو، ان کے خیال میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مملکت ان لوگوں کے حوالے کر دی تھی جن کو اس نے خلعت ربوبیت سے سرفراز کیا تھا، اب وہ حکومت پر قابض اور بیاہ و سفید کے مالک تھے،

خدا کی تقسیم ملک کا نظم و نسق اُن نے اختیار میں تھا، غرض ایک منظم حکومت کے جتنے شعبے اور محکمے ہوتے ہیں وہ سب ان کے انتظام میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ پر اُن کا ایمان ایک تاریخی واقعیت سے زیادہ نہ تھا، اللہ کو پروردگار سمجھنا اس کو زمین و آسمان کا خالق ماننا ایسا ہی تھا جیسے تاریخ کے کسی طالب علم سے پوچھا جائے کہ یہ قدیم عمارت کس کی تعمیر ہے؟ وہ جواب دے کہ فلاں بادشاہ کی! اس بادشاہ کے نام سے اس کے قلب پر خوف و ہراس کی کوئی لہر نہ دوڑے نہ اس کے دماغ پر کوئی اثر پڑے! ان لوگوں کا دل اللہ تعالیٰ کے خوف اور تعظیم و دعا سے خالی تھا! اللہ کی صفات سے وہ بالکل بے خبر تھے! اس لئے ان کے دل میں اس کی محبت کا کوئی جذبہ اور اس کی عظمت و کبریائی کا کوئی نقش نہ تھا، اللہ تعالیٰ کے متعلق ان کو بہت مبہم محفل اور عامیانا سا علم تھا، جس میں کوئی گہرائی اور قوت نہ تھی۔

یونانی فلسفہ نے خدائے تعالیٰ کی ذات کے تعارف کے سلسلہ میں زیادہ تر نفی سے کام لیا، اس نے صفات کی نفی کی اور نفی کا ایک طویل سلسلہ قائم کیا، جس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی مثبت تعریف اور کوئی ایجابی صفت نہیں ہے نہ اس کی قدرت کا ذکر آتا ہے نہ اس کا ربوبیت! اس کی بے پایاں بخشش! اس کی محبت و رحمت کا تذکرہ ہے! اس فلسفہ نے خلقِ اول کو تو ثابت کیا تھا لیکن علم و اختیار و ارادہ اور صفات کی نفی کی اور اپنی طرف سے ایسے کلیات و اصول وضع کئے جو اس ذاتِ عالی کی تنقیص اور مخلوقات پر قیاس تھا، اور ظاہر ہے کہ اگر سیکڑوں نفی ہو جائیں تو ایک ایجاب کا بھی فائدہ نہیں دے سکتے۔

ہمارے علم میں آج تک ایسا کوئی نظام، ایسا کوئی تمدن اور ایسی کوئی سوسائٹی وجود میں نہیں آئی جو محض نفی پر قائم ہو، یونانی فلسفہ کے حلقہ اثر میں دین و مذہب خسرو و تضرع،

حوادث میں رب العالمین کی طرف توجہ قلبی، محبت و الفت کی روح سے کیسے خالی تھا، اسی طرح اس دور کی مذہبیت روح کھوٹھی اور صرف چند بے روح رسمیں اور ایمان کی بے جان نقلیں دنیا میں رہ گئیں۔

مسلمان امت اور عرب قوم اس بیمار، غیر واضح اور بے جان معرفت سے نکل کر ایک ایسے واضح اور عین عقیدہ تک پہنچ گئی جو قلب و نفس و جوارح پر قابو یافتہ تھا، معاشرت کو متاثر کرنے والا زندگی اور تعلقات زندگی پر جاوی تھا، وہ لوگ اس خدائے قدوس پر ایمان لائے جس کے بہترین نام ہیں جس کی شان سب کا اونچی ہے، وہ لوگ ایسے رب العالمین پر ایمان لائے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے، قیامت کے دن کا تنہا مالک و مختار، شہنشاہ پاک ہے۔

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ

عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ هُوَ اللَّهُ

الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ

السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُتَعَزِّزُ

الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ مُنْجِنُ اللَّهِ عَمَّا

يُشْرِكُونَ هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ

الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ

الْحُسْنَى يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ

وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

(المشر - ۲۲ تا ۲۸)

وہ ایسا معبود ہے کہ اس کے سوا کوئی اور

معبود نہیں، وہ جاننے والا ہے پوشیدہ

چیزوں کا اور ظاہر چیزوں کا وہی بڑا

مہربان رحم والا ہے وہ ایسا معبود ہے کہ

اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں وہ بادرش

ہے پاک ہے سالم ہے امن دینے والا ہے،

نگہبانی کرنے والا ہے زبردست ہے، خرابی کا

درست کرنے والا ہے بڑی عظمت والا

ہے، اشرقتانے لوگوں کے شرک سے پاک ہے

وہ معبود ہے پیدا کرنے والا ہے ٹھیک

ٹھیک بنانے والا ہے، صورت بنانے والا ہے



اس کے اچھے اچھے نام ہیں سب چیزیں  
اسی کی تسبیح کرتی ہیں جو آسمانوں میں  
اور زمین میں ہیں اور وہی زبردست  
حکمت والا ہے۔

جو اس کارخانہء عالم کا پیدا کرنے والا بھی ہے اور چلانے والا بھی جس کے قبضہ قدرت  
میں تمام عالم کی باگ ڈور ہے جو پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابل میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا  
جنت اس کا انعام ہے اور دوزخ اس کی سزا جب کہ لئے چاہتا ہے رزق میں کشائش کرتا ہے  
اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے آسمان و زمین کی تمام پوشیدہ اشیاء سے واقف ہے  
آنکھوں کی چوریوں اور دلوں کے اسرار خوب جانتا ہے جو سراپا جال، سراپا جال، ہر ایک کمال  
اور محبت و رحمت ہے۔

اس گہرے وسیع اور واضح ایمان سے ان لوگوں کی نفسیات عجیب طرح تبدیل  
ہو گئیں، جب بھی کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا اور لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی گواہی دیتا  
اس کی زندگی میں عظیم الشان انقلاب رونما ہوتا، ایمان اس میں پیوست ہو جاتا یقین  
رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتا اور اس کے جسم میں خون و روح کی طرح دوڑ جاتا، جاہلیت  
کے جرائم کو ختم کر دیتا اور اس کی جڑوں کو اکھاڑ کے پھینک دیتا، دل و دماغ اس کے  
فیضان سے معمور ہو جاتے اور وہ شخص پہلا آدمی باقی نہ رہتا، اس شخص سے صبر و شجاعت  
ایمان و یقین کے ایسے حیرت انگیز واقعات رونما ہوتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے، او  
فلسفہ و تاریخ اخلاق انگشت بنداں ہیں، قوت ایمان کے سوا کسی اور چیز سے اس کی  
توجیہ نہیں ہو سکتی۔

## احساب نفس اور ملامتِ ضمیر

یہ ایمان ایک کامیاب خلاقی مدرسہ و نفسیاتی تربیت تھی جو طالبِ علم کو اعلیٰ درجہ کی قوتِ ارادی محاسبہ نفس اور خود اپنے ساتھ انصاف کی قوت عطا کرتی، تاریخ میں کسی دوسری طاقت کا سراغ نہیں ملتا جو نفس کے ترغیبات اور اخلاقی لغزشوں پر اس کامیابی کے ساتھ فتح حاصل کر لیتی۔

اگر کسی وقت صفتِ بھیی زور کرتی اور انسان سے غلطی سرزد ہو جاتی اور یہ ایسا موقع ہوتا جب کوئی آنکھ دیکھنے والی نہ ہوتی اور وہ شخص قانون کی دسترس سے باہر ہوتا تو یہی ایمان نفس کو امر بن جاتا، دل کی پھانس چیلن نہ لینے دیتی پریشان کن خیالات کا سیلاب اُمنڈنے لگتا، اس گناہ کی یادیں چین حرام ہو جاتا، حتیٰ کہ وہ شخص خود قانون کے سامنے اقرارِ جرم کرتا اور سخت سے سخت سزا کے لئے اپنے کو پیش کر دیتا اور پھر اس سزا کو برضا و رغبت جھیلتا تاکہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچ سکے اور آخرت کی جگہ دنیا کی سزا لے۔

ہم اے سامنے معتبر مورخین نے اس سلسلہ میں اسلامی تاریخ کے ایسے عجیب و غریب واقعات پیش کئے ہیں جن کی نظیر اسلام کی دینی تاریخ کے علاوہ کہیں نہیں مل سکتی، ان ہی واقعات میں سے ماعز بن مالک اسلمی کا واقعہ بھی ہے جس کو امام مسلم نے اپنی جامع صحیح میں نقل کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہ حاضر ہوئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ مجھ سے خطا ہوئی ہے میں زنا کا مرتکب ہو گیا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھ کو پاک کر وادیں آپ نے ان کو واپس کر دیا، دوسرے دن وہ پھر آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ میں زنا کا مجرم ہوں آپ نے دوبارہ پھر واپس کر دیا، اور ان کے گھرانے سے دریافت کرایا کہ ان کی بھویں کنسیں کی

کوئی خرابی تو نہیں یا کوئی عادت کے خلاف بات تو نہیں پائی جاتی، انھوں نے جواب دیا کہ ہم تو صرف اسی قدر جانتے ہیں کہ وہ سمجھ دار اور اچھے خاصے آدمی ہیں پھر تیسری بار ماعز بن مالک آئے آپ نے دوبارہ دریافت کر لیا جواب کیا ملا، چوتھی بار جب وہ آئے تو آپ نے نصف دفن کروا کر نگار کر دینے کا حکم دیا۔

اس کے بعد غلامیہ آئیں کہنے لگیں یا رسول اللہ مجھ سے زنا کی غلطی سرزد ہو گئی ہے، طاہر کروادیکھئے، آپ نے ان کو واپس کر دیا، دوسرے روز پھر آئیں اور کہنے لگیں آپ ہم کیوں واپس کرتے ہیں شاید اسی طرح جس طرح کہ ماعز کو واپس کرتے تھے، ہاں میں حال بھی ہوں، آپ نے فرمایا تو پھر جاؤ جب ولادت ہو جائے تو آنا، ولادت سے جب فارغ ہوئیں تو پھر آئیں لڑکا کچرہ میں پٹا ہوا تھا، کہنے لگیں یہ میرا بچہ ہے آپ نے فرمایا جاؤ دودھ پلاؤ جب کچھ کھانے لگے تو لانا جب دودھ چھڑایا تو پھر آئیں، لڑکے کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا، کہنے لگیں اے اللہ کے نبی لیجئے میں دودھ پلانے سے بھی فارغ ہو گئی اور یہ کھانا بھی کھلنے لگا، آپ نے لڑکا ایک مسلمان کے سپرد کیا، حد قائم کرنے کا حکم فرمایا، ان کے سینہ تک گرٹھا کھودا گیا اور آپ نے حکم فرمایا، لوگوں نے نگار کر دیا، خالد بن ولیدؓ نے ایک تھمر لیا تو خون کی چھینٹیں ان پر آکے پڑیں تو انھوں نے مذمت کے لفظ کہے، آپ نے یہ الفاظ سن لئے اور فرمایا ہا میں خالد اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ ایسی توبہ چنگی والا کرتا تو بخش دیا جاتا، پھر آپ نے حکم دیا نماز پڑھی گئی اور ان کو دفن کر دیا گیا۔

## امانت و دیانت

یہ ایمان انسان کی امانت اس کی پاکیزگی اور شرافت کا محافظ تھا، خلوت و جلوت میں

جہاں کوئی آنکھ دیکھنے والی نہ ہوتی اور ایسی جگہ جہاں آدمی کا پورا اقتدار اور اختیار ہوتا اور کسی سے خوف کھانے کی ضرورت نہ تھی، یہ ایمان نفس کی ترغیبات اور خواہشات پر پورا قابو رکھنا اسلامی فتوحات کی تاریخ میں دیانت و امانت و اخلاص کے ایسے واقعات موجود ہیں کہ انسانی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتیں، یہ صرف ایمان راسخ اور اللہ کے دھیان اور ہر موقع محل پر اس کے علم کے استحضار کے نتائج تھے۔

تاریخ طبری کی روایت ہے کہ سلمان جب برائن پہنچے اور مال غنیمت جمع کرنے لگے تو ایک شخص اپنے حصہ کا مال غنیمت لایا اور خازن کے سپرد کر دیا، لوگوں نے کہا ایسا قیمتی سامان تو دیکھنے میں نہیں آیا ہمارے پاس جو مال ہے اس کو اس سے کچھ نسبت نہیں ان لوگوں نے اس شخص سے دریافت کیا کہ تم نے اس سے کچھ لیا بھی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ خدا کی قسم اگر اللہ کا معاملہ نہ ہوتا تو تم کو اس کی خبر بھی نہ ہوتی، ان لوگوں نے اندازہ کر لیا کہ یہ معمولی شخص نہیں، انھوں نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا میں یہ نہیں بتا سکتا اس لئے کہ تم تعریف کرو گے، سب تعریف اللہ کی ہے، اسی کے ثواب پر میں راضی ہوں، جب وہ واپس ہوا تو لوگوں نے ایک آدمی بھیج کر دیا کہ معلوم کرو کون ہے، معلوم ہوا کہ عامر ان کا نام ہے، اور عبید بن جریہ قبیلہ سے ان کا تعلق ہے۔

## مخلوقات اور مظاہر سے بے رغبتی

توحید کے عقیدہ نے ان کا سراونچا اور گردن فراز کر دی تھی، کیا مجال تھی کہ غیر اللہ کے سامنے یا جابر بادشاہ کے آگے، یا کسی عالم و درویش یا دینی یا دنیوی سرکار کے سامنے ان کی گردن خم ہو، اس ایمان نے ان کے دل و نظر کو خدائے تعالیٰ کی عظمت سے سمور کر دیا تھا، مخلوقات کا

حُسن و جمال دنیا کی دل فریبیاں، شان و شوکت کے مظاہرے ان کی نظر میں ہیچ تھے، وہ جب ملوک و سلاطین اور ان کے جاہ و حشم، کٹر و فراوان کے درباروں کی سجاوٹ اور زیب زینت پر نظر ڈالتے اور یہ دیکھتے کہ یہ سلاطین اسی میں خوش ہیں تو ان کو ایسا معلوم ہوتا کہ چند بے جان مجسمے یا مٹی کی توڑیں ہیں جن کو انسانی لباس سے آراستہ کر دیا گیا ہے۔

ابوموسیٰ کہتے ہیں، جب ہم نجاشی کے پاس پہنچے تو اس کا دربار لگا تھا، دائیں جانب عمرو بن العاص، بائیں جانب عمار تھے، مذہبی پیشوا دورویہ بیٹھے تھے، عمر واد و عمارہ نے بادشاہ سے کہا کہ یہ لوگ سجدہ نہیں کرتے، پادریوں نے کہا کہ بادشاہ کو سجدہ کرو، حضرت جعفر نے جرتہ جواب دیا کہ ہم صرف خدا کو سجدہ کرتے ہیں۔

حضرت سعد نے رستم کے پاس جو کہ ایرانی افواج کا سپہ سالار تھا، ربیع بن عامر کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا، ربیع بن عامر پہنچے تو دربار فرش فروش سے آراستہ تھا، رستم یا قوت اور بیش بہا موتی زیب بدن کئے، لباس بیش قیمت پہنے، تاج سر پر رکھے، سونے کے تخت پر بیٹھا تھا، ربیع بن عامر پیچھے پرانے لباس میں پہنچے، مختصر سی ڈھال، چھوٹا سا گھوڑا، یہ ان کی حیثیت تھی، وہ گھوڑے پر سوار فرش کو روندتے ہوئے بڑھتے چلے گئے اور پھر گڑے سے اترے، قیمتی کاؤٹیکر سے گھوڑا باندھ دیا، اور خود رستم کے پاس جانے لگے، آلات حرب ساتھ، سر پر خود، جسم پر زرہ بھی موجود تھی، لوگ بولے جنگی لباس تو اتار دو، کہنے لگے میں خود سے نہیں آیا، مجھے بلا گیا ہے، اگر تم کو منظور نہیں تو ابھی پس جانا ہوں، رستم نے کہا آنے دو، وہ اسی فرش پر نیزے سے سہا لیتے ہوئے بڑھے نیزے کی ٹوک سے فرش کو جا بجا سے کاٹ دیا، لوگ بولے تمہارا کیسے آنا ہوا، بولے ہم کو اللہ نے اسی لئے بھیجا ہے کہ جس کے بائے میں اس کی مرضی ہو اس کو بندوں کی بندگی سے نجات دلا کر اللہ کی بندگی میں

داخل کر دیں اور دنیا کی تنگیوں سے نکال کر آخرت کی وسعتوں میں پہنچا دیں اور مذہب کی  
زیادتیوں سے چھٹکارا دلا کر اسلام کے عدل کے سایہ تلے لے آئیں۔

## بے نظیر شجاعت اور زندگی کی حقارت

آخرت کے عقیدے نے مسلمانوں کے قلوب میں ایسی دلیری بھردی تھی جو بالکل خارقِ  
عادت تھی ان میں جنت کا عجیب و غریب شوق اور زندگی کی تحقیر پیدا کر دی تھی جنت کا نقشہ ان کی  
آنکھوں کے سامنے اس طرح کھینچا جاتا تھا جیسے وہ آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں وہ اس طرح جنت کی شجاعت  
پکٹے تھے جیسے نامہ بر کو تراپی اڑان میں کسی چیز کی پراہ نہیں کرتا اور اپنی منزل پر پہنچ کر دم لیتا ہے۔  
مگر اُحد میں جب کہ بہت سے مسلمان میدان چھوڑ چکے تھے حضرت انس بن نصرؓ بڑھے  
انھوں نے سعد بن معاذ کو سامنے دیکھا تو کہنے لگے اے سعد بن معاذ! خدا کی قسم جنت کی خوشبو  
اُحد پہاڑ کے اسی طرف سے آرہی ہے انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ ہم نے انھی سے زیادہ زخم  
ان کے جسم پر پائے کچھ تلوار کے ٹکڑے کچھ نیزے کے اور کچھ تیروں کے زخم تھے ہم نے ان کو  
اس حال میں دیکھا کہ شرکین نے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا جس کی وجہ سے سوائے ان کی بہن  
کے جنھوں نے ان کو انگلی کے پورے شناخت کیا اور کوئی نہ پہچان سکا۔

بر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرمایا بڑھو اس جنت کی طرف جس کی  
وسعت زمین و آسمان ہے تو عمر بن حوام انصاری نے کہا یا رسول اللہ اس کی وسعت زمین  
و آسمان ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں کیا تم کو شک ہے کہ نہیں لگے نہیں یا رسول اللہ میری یہ تمنا تھی کہ  
میں اس کو پالیتا آپ نے فرمایا ہاں ہاں پالو گے وہ چند دنے کھجور کا ل کر کھانے لگے پھر بولے اگر ان

لے البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) علیہ بخاری وسلم

کھجوروں کے کھالینے کا انتظار کروں گا تو بہت سا وقت لگے گا پھر تمام کھجور الگ پھینکے اور میدان میں کود پڑے اور شہادت پائی۔

ابو بکر بن ابوموسیٰ اشعری راوی ہیں کہ میرے والد دشمن کے مقابل تھے اور فرمایا ہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جنت کے دروازے تلواروں کے سایہ میں ہیں یسین کر ایک شخص اٹھا اس کا لباس نہایت بوسیدہ تھا اس نے کہا ابو موسیٰ تم نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے انھوں نے جواب دیا ہاں وہ شخص اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور اس نے کہا یہ اسلام قبول ہوا اور تلوار کا پتلا توڑ کر ڈال دیا اور تلوار لے کر دشمن کے مقابلہ میں آگیا اور شہادت پائی۔

عمر بن جوح کے چار بیٹے تھے اور ان کے خود کپڑے میں لنگ تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ میں تشریف لے جاتے تو وہ بیٹے آپ کے ہمراہ جاتے جب آپ غزوہ اُحد کے لئے تشریف لے جانے لگے تو عمرو بھی ساتھ ہونے لگے ان کے بیٹوں نے سمجھا یا کہ آپ کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے رخصت ہے اگر آپ تشریف نہ لے جائیں تو زیادہ اچھا ہے اور ہم تو آپ کی طرف سے کافی ہیں ہی، اللہ نے جہاد آپ پر سے ساقط کر دیا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے کہنے لگے یا رسول اللہ میرے بیٹے مجھ کو آپ کے ہمراہ نکلنے سے روکتے ہیں اور بخدا میری تینا ہے کہ میں اپنے اسی معزز دریاؤں سے جنت میں چلوں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے تم کو جہاد سے معاف فرما دیا ہے دوسری طرف ان کے بیٹوں سے فرمایا کہ جانے کیوں نہیں دیتے شاید شہادت اللہ تعالیٰ نصیب فرمادے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کے لئے نکلے اور شہادت پائی۔

شداد بن ہاد کہتے ہیں کہ ایک عربی نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا ایمان لایا اور آپ کے ساتھ ہو گیا اور کہا میں آپ کے ساتھ ہجرت کروں گا، آپ نے ایک صحابی سے فرمایا کہ اس کا خیال رکھنا، خیر کا موکر پیش آیا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت تقسیم فرمایا، اس میں اعرابی کا بھی حصہ لگا کر صحابہ کے سپرد فرمایا، یہ اعرابی رعبے جانور چرایا کرتا تھا جب شام کو لوٹ کر آیا تو لوگوں نے اس کا حصہ اس کے حوالہ کر دیا اس نے کہا یہ کیا؟ لوگوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تمہارا حصہ لگایا تھا، اس نے لے لیا اور لے کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اور کہا یا رسول اللہ یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ تمہارا حصہ ہے، وہ بولا میں اس لئے آپ کے ساتھ نہیں ہوا تھا، میں نے تو اس لئے رفاقت اختیار کی تھی کہ اس جگہ تیرے لئے اور اس نے اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا تاکہ میں جنت جاسکوں آپ نے فرمایا اگر خدا سے تیرا معاملہ سچا ہے تو خدا بھی تیری یہ آرزو پوری کر دے گا، جب جنگ ہوئی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس اعرابی کے پاس گئے تو آپ نے اس کو شہید پایا، آپ نے پوچھا کہ کیا یہ وہی ہے؟ لوگوں نے جواب دیا ہاں آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ اس کا معاملہ سچا تھا، اللہ نے بھی اس کو سچا کر دیا۔

## مکمل سپردگی

یہ تمام اس ایمان سے پہلے ایک پراگندہ و غیر منظم زندگی گزار رہے تھے، نہ کسی قحط کے سامنے تسلیم کرتے، نہ کسی ضابطہ حیات کے پابند تھے، نہ کسی نظام زندگی سے منسلک تھے، وہ خواہشات کے تابع تھے، بغیر سمجھے بوجھے عمل کرتے، گمراہیوں میں بھٹکتے پھرتے، اب وہ ایمان اور بندگی کے دائرہ میل اس طرح داخل ہو گئے تھے کہ ان کے لئے اس سے باہر آنا



مشکل ہو گیا تھا انھوں نے الشریک شہنشاہیت اور اس کے اقتدار کو تسلیم کر لیا تھا، اور اپنے کو رعایا، بندہ اور مطیع مطلق مان لیا تھا، مکمل طور پر اس کو اپنی قیادت حوالہ کر دی تھی، قانونِ الہی کو بے چوں و چرا تسلیم کر چکے تھے اور خواہشات و خود سری سے مکمل طور پر دستبردار ہو گئے تھے، وہ ایسے غلام بن گئے تھے، جو نہ اپنے مال کا لک ہے، نہ اپنی جان کا، جو مالک کی مرضی اور اجازت کے بغیر ادنیٰ سے ادنیٰ تصرف بھی نہیں کر سکتا ہے، ان لوگوں کی صلح و جنگ، دشمنی و دوستی، خوشی و ناراضگی، عطا و محرومی اور بلا و محی قطعاً حسی سببِ شرکے حکم کے تابع بن چکی تھی جو کچھ بھی کرتے، اس کے حکم کے موافق کرتے، وہ لوگ جاہلیت سے خوب واقف تھے، اس میں پلے بڑھے تھے، اس وجہ سے اسلام کا مطلب خوب سمجھتے تھے، ان کو خوب معلوم تھا کہ اسلام نام ہے ایک زندگی سے دوسری زندگی کی طرف منتقل ہونے کا، ایک طرف بندوں کا راج یا صرت راج ہے، دوسری طرف خدا کی حکومت ہے، کل تک خدا سے جنگ تھی اور اس کے قانون سے کشاکش اب مکمل اطاعت و پیروی اور دائمی صلح و آشتی ہے، کل تک صرف خودی تھی اب صرف خدا کی بندگی، جب اسلام کو اختیار کیا تو اب خود رائی اور خود سری کا کوئی کام نہیں اب حکم خداوندی سے سربازی اور قانونِ الہی سے بغاوت کی کوئی گنجائش نہیں، خدا کے حکم کے بعد اختیار باقی نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخالفت اور اس سے حجت و بحث کا کوئی موقع نہیں، نہ غیر اللہ کے سامنے مقدمہ جاسکتا ہے اور نہ اپنی رائے کے مطابق فیصلہ ہو سکتا ہے، نہ دین کے مقابل میں رسم و رواج کی پابندی ہو سکتی ہے، نہ نفس پرستی باقی رہ سکتی ہے، جب وہ اسلام لائے تو انھوں نے جاہلی زندگی کو اس کی تمام خصوصیات، عادات اور رسوم کے ساتھ ترک کر دیا اور اسلام کو پوری خصوصیات، منسلقات اور لوازم کے ساتھ اختیار کیا اس کے ان کی زندگی میں بلاتماخیر مکمل انقلاب رونما ہو گیا۔

فضالہ بن عمر بن لُوح نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کا ارادہ کیا آپ  
خاندان کعبہ کا طواف کر رہے تھے، جب فضالہ آپ کے قریب ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
فرمایا کون؟ فضالہ — انھوں نے جواب دیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے  
فرمایا کہ تم کیا سوچ کر آئے تھے؟ کہنے لگے نہیں کچھ نہیں! اللہ کو یاد کر رہا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
ہنسے پھر فرمایا اللہ سے توبہ کر پھر اپنا دست مبارک ان کے سینہ پر رکھا اور ان کا قلب پُر سکون  
ہو گیا، فضالہ کہا کرتے تھے آپ کا ہاتھ جیسے ہی سینہ سے اٹھا آپ مجھ کو ایسے محبوب لگنے لگے کہ  
دنیا میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے زیادہ کوئی محبوب چیز پیدا ہی نہیں کی، فضالہ کہتے ہیں  
میں گھر لوٹا تو راستہ میں وہ عورت ملی جس سے دل لگی کیا کرتا تھا اس نے کہا او باتیں کریں  
میں نے کہا اللہ کی اطاعت اور اسلام کے بعد اب اس کا کوئی امکان نہیں ہے۔

## صحیح معرفت

انبیاء علیہم السلام نے انسان کو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کے افعال کا صحیح  
الیقینی علم عطا کیا تھا اس عالم کی ابتداء و انتہا اور ہر شے کے بعد انسان کا جس سے سابقہ پڑنے والا ہے  
اس سب کا علم انبیاء کے ذریعہ انسانوں تک بے منت و منت پہنچا تھا، انبیاء علیہم السلام نے ایسے  
علوم میں ان کی رہنمائی کی جن کے اصول و مبادی بھی ان کو حاصل نہ تھے، جن پر یہ انسان اپنی تحقیق کی  
عمارت قائم کر سکتا، انبیاء علیہم السلام نے انسانوں کے وقت اور قوت کو بچایا اور مابعد الطبیعیات  
و مسائل انہیات کی اس لاجحل تلاش و تحقیق سے فرصت دی جس میں نہ ان کے حواس کام آئے سکتے  
تھے نہ نظر رستہ پاسکتی تھی نہ ان کے پاس اس کے بنیادی معلومات ہی موجود تھے۔

لیکن لوگوں نے اس نعمت کا شکر ادا نہ کیا ایک بے ضرورت ہم اپنے سر لی ان حقائق کو جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ ان کو بے محنت حاصل ہو گئے تھے از سر نو تحقیق شروع کی اور ان نامعلوم خطوں میں سفر کی ابتداء کی جہاں ان کے ساتھ نہ کوئی رہبر تھا اور نہ کوئی ان کی راہوں سے باخبر وہ اس معاملہ میں اس سیاح سے بھی زیادہ بد قسمت اور فضول پسند ثابت ہوئے جو ان معلومات و تحقیقات پر قانع نہیں جو جغرافیہ اور نقشہ جات کی شکل میں سولہ و صدیوں کی محنتوں کا نتیجہ ہے وہ کوشش کرتا ہے کہ پہاڑوں کی بلندی اور سمندروں کی گہرائی کی از سر نو پیمائش کرے صحراؤں، فاصلوں اور حدود کو اپنی اس مختصر عمر اور محدود وسائل کے ساتھ دوبارہ مضبوط کرے اس آدمی کی محنت کا انجام اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ کھٹک رہ جائے اس کا عزم جواب دے جائے اور وہ شخص صرف چند یادداشتوں اور ناتمام اشاروں کا سر یہ جمع کر سکے اس سے بڑھ کر جن لوگوں نے الہیات کے میدان میں بصیرت اور روشنی کے بغیر قدم رکھا ان کو اس علم میں سوائے متضاد آراء ادھوئے معلومات، اتفاقی خیالات اور عجلت کے نظریات کے کچھ ہاتھ نہ لگا، خود براہ کھو بیٹھے اور دوسروں کی بھی منزل کھوئی کی۔

صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) دین کے بایں میں بڑے خوش قسمت اور صاحب توفیق تھے کہ دین کے بایں میں انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و اطلاع پر پورا اعتماد کیا اور ذات و صفات کے بارے میں کوہ کندن و کاہ بر آوردن کی سعی لاحاصل سے محفوظ رہے انھوں نے اپنی ذکاوت و طاقت کو محفوظ رکھا اور اپنی جد و جہد اور کوشش اور اپنے اوقات کو پوری احتیاط کے ساتھ دین و دنیا کے مفید میدانوں میں صرف کیا، وہ دین کے ضبوط حلف کو تنہا لے رہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگر دوسروں کے پاس دین کے متعلقات و تفصیلات تھے تو ان کے پاس دین کا مغز اور اس کا لب لباب تھا۔

## انسانی گلدستہ

اشر رسولؐ اور یوم آخرت پر ایمان اور کامل پُردگی نے زندگی سے پیچ و خم کو دور کر دیا اور انسانی خاندان کے ہر فرد کو اس کا صحیح مقام عطا کیا، انسانی معاشرہ ایک بے خار گلدستہ بن گیا جس کا ہر پھول اور ہر پتی اس کے لئے باعثِ زینت تھی۔

نورِ انسانی کے افراد ایک خاندان میں تبدیل ہو گئے، وہ سب ایک باپ (آدمؑ) کی اولاد تھے اور آدمؑ کی اصل مٹی سے ہے، نہ کسی عرب کو کسی عجمی پر فضیلت تھی اور نہ کسی عجمی کو کسی عرب پر فوقیت تھی، ہاں اگر کسی کو کسی پر فضیلت تھی تو محض تقویٰ کی بناء پر۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! بیشک اللہ نے تم سے جاہلیتِ عینکے دور فرما دیا اور آباؤ اجداد پر فخر کرنے کی رسم ختم کر دی، انسانوں کی دو قسمیں ہیں نیک اور خدا سے ڈرنے والے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں شریعت دوسرے بدل بد بخت اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ذلیل۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ”دیکھو تم کسی سے نہ بہتر ہو اور نہ بڑے ہاں اگر تقویٰ میں بڑھ جاؤ (تو بیشک بڑے ہو)۔ آپ جب اپنے رب سے رات کے آخری حصہ میں مناجات کرتے تھے، تو فرماتے تھے: ”میں گواہ ہوں کہ تمام بندے بھائی بھائی ہیں۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلیت کا پورا پورا استیصال کر دیا تھا اور اس کے داخلہ کے تمام روزن بند کر دیئے تھے۔ فرمایا:-

”جو عصبیت کا علمبردار ہو وہ ہم میں سے نہیں، اور جو عصبیت پر جنگ کرے وہ

ہم میں سے نہیں اور جس کی موت عصبیت پر ہو وہ بھی ہم میں سے نہیں<sup>۱</sup>۔  
 جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ ہم ایک غزوہ میں تھے ایک مہاجر نے ایک انصاری کو کچھ  
 کہہ دیا اور انصاری پکارا اٹھا "انصار یو!" اور مہاجر پکارا اٹھا "مہاجر یو!" تو نبی کریم صلی اللہ  
 علیہ وسلم نے فرمایا "چھوڑو اس جتنے بندی کے نعروں کو یہ سنا ہے۔"

آپ نے جاہلی حیمت کو ناجائز قرار دیا اور مرد و تعاون کے اس جاہلی اصول کو  
 بدل دیا جس پر ساری زندگی چل رہی تھی کہ اپنے بھائی کی مدد کرو ظالم ہو یا مظلوم۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے اپنے لوگوں کی باطل پرستی کو وہ اس  
 اونٹ کی مثال ہے جو کٹوئیں میں گرنا چاہتا ہے اور لوگ اس کو دم سے پکڑ پکڑ کر روکتے ہوئے"  
 عربوں کی نفسیات اور ذہنیت ایسی تبدیل ہو گئی کہ اب ان کا ذوق اس شہویش کو مضمر نہ کرتا  
 تھا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک باریہ فرمایا اپنے بھائی کی مدد کرو، ظالم ہو یا مظلوم  
 تو صحابہ کرام خاموش نہ رہ سکے اور بے ساختہ بولے کہ یا رسول اللہ! مظلوم کی بڑی توفیق کی جاسکے  
 مگر ظالم کی مدد کیسے کی جائے؟ آپ نے فرمایا: اس کو ظلم سے روکو یہی اس کی مدد ہے۔<sup>۲</sup>

اسلامی معاشرے میں مختلف طبقے شریک ہو گئے تھے، وہ ایک دوسرے کا سہارا بن گئے  
 تھے اب وہ ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار نہیں تھے، مرد و عورتوں کے ذمہ دار و ممتظ تھے،  
 عورتیں نیک و فاضلہ اور امانت دار تھیں، ان کے حقوق مردوں پر تھے، اور مردوں کے  
 حقوق ان پر تھے۔

## ذمہ دار معاشرہ

پورے معاشرے میں ذمہ داری کا احساس پیدا ہو گیا تھا، اب انسانی معاشرہ

۱۔ ابو داؤد۔ ۲۔ صحیح بخاری۔ ۳۔ تفسیر ابن کثیر۔ ۴۔ بخاری و مسلم۔

(سوسائٹی) ایک مجبور بے اختیار اور مفلوج و مغل جاعت نہ تھی چونہ اپنے دماغ سے کام لے سکتی ہے نہ اپنے اختیار سے اس کی عقل و بلوغ اور اس کا اختیار تسلیم کیا جا چکا تھا، اس کا ہر فرد ایک ذمہ دار با اختیار شخص تھا، جو اپنے اپنے دائرہ میں صاحب اختیار و ذمہ دار تھا، آدمی اپنے گھر کا سرپرست اور ذمہ دار ہوتا تھا، عورت اپنے شوہر کے گھر کی منتظم اور ماتحتوں کے متعلق جواب دہ تھی، ملازم اپنے مالک کے مال میں ذمہ دار اور اس ذمہ داری کا جواب دہ تھا، اس طرح اسلامی معاشرہ ایک ذمی ہوش اور صاحب اختیار معاشرہ تھا جو اپنے اعمال کا جواب دہ تھا۔

تمام مسلمان حق کے مددگار بن گئے تھے، ان کا کام مشورہ سے ہوتا، خلیفہ جب تک خدا کا مطیع رہتا وہ اس کے مطیع ہوتے اور اگر نافرمانی کرتا تو اطاعت باقی نہ رہتی حکومت کا شعار لا طاعة لمخلوق فی معصیۃ الخالق، بن گیا تھا یعنی خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت نہیں وہ مال اور خزانے جو سلاطین اور رئیسوں کا نغمہ تر اور امر و کی ذاتی جائیداد سمجھے جاتے تھے اب اللہ کی امانت سمجھے جانے لگے تھے اس کی رضائیں خرچ اور صحیح عمل پر صرف کئے جاتے، اور مسلمان اس دولت کے امین اور متولی تھے، خلیفہ کی مثال تیم کے سرپرست کی سی تھی، اگر صاحب استطاعت ہوتا تو احتیاط کرتا اور اگر حاجت مند ہوتا تو بقدر ضرورت لیتا، اللہ کی وہ زمین جس کو سلاطین و امرا نے اپنی جاگیر سمجھ لیا تھا، جس کے لئے چاہتے و مسرت دیتے تھے اور جس پر چاہتے تنگ کر دیتے تھے اور بعض اس میں کپڑے کی طرح کتر بیونت کرتے تھے اب اللہ کی زمین تھی جس کے متعلق ایک ایک بالشت کا حساب دینا تھا۔

**صاحب ضمیر معاشرہ**

انسانی سوسائٹی مدت سے اپنا ارادہ و اختیار اور ذوق و نشاط کھو چکی تھی، وہ

ایک گھنٹی گھنٹی سی سوسائٹی بن کر رہ گئی تھی وہ ایک مجبور و مقہور جماعت تھی جس کی نہ جنگ کے  
 بسے میں رائے لی جاتی تھی نہ صلح کے موقع پر اس کی مرضی معلوم کی جاتی تھی اس سوسائٹی کے  
 افراد کو قربانی و ایثار اور نزاکت کو بھیلنے، مشقتوں سے مقابلہ کرنے پر مجبور کیا جاتا، حالانکہ  
 اس کو نہ تو اس کی خواہش ہوتی اور نہ اس سے کچھ فائدہ نہ وہ افسروں کو پسند کرتے اور نہ  
 افسران ان کو، وہ مجبور تھے کہ اس کی اطاعت کریں جسے وہ ناپسند کرتے ہوتے اور اپنی جان  
 و مال کو اس پر قربان کریں جس سے وہ نفرت کرتے ہوں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دلوں کی چٹکار  
 بچھ گئی، جذبات سرد پڑ گئے، اور لوگوں کا اٹھان 'ریاء اور فریب پر ہوا، توہین و حقارت  
 اور ذلت کے برداشت کی طبیعتیں عادی ہو گئیں۔

## محبت کا صحیح مصرف

وہ فطری عنصر جن کے سرانسانیت کے اکثر عجوبہ روزگار اور حیرت انگیز کارناموں  
 کا سہرا ہے جس کو لوگ "محبت" سے یاد کرتے ہیں، عرصہ سے حقیر اور مردہ تھا، صدیوں سے  
 کوئی اس کو کام میں لگانے والا اور اس سے حقیقی فائدہ اٹھانے والا پیدا نہیں ہوا تھا،  
 بس وہ چمک دک اور حُسن و جمال کے فانی مظاہر کی نذر ہو کر رہ گیا تھا، عرصہ سے دنیا میں  
 کوئی ایسا انسان نہیں پیدا ہوا تھا، جو اپنے جمال و کمال اور اپنی اعلیٰ صفات سے ساری  
 انسانیت کی محبت کا مستحق ہو اور اپنی طاقت و دل آویز شخصیت سے اس محبت سے  
 کام لے سکے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں انسانیت کو وہ گم گشت دولت  
 مل گئی، آپ وہ انسان تھے جن کو اللہ نے مجموعہ خوبی بنایا تھا، دیکھنے والے بیان کرتے  
 ہیں کہ آپ کو جو اچانک دیکھتا مرعوب ہو جاتا، اور جو آپ سے ملتا جلتا وہ فریقہ ہو جاتا،

آپ کا تعریف کرنے والا کہتا، آپ جیسا نہ آپ سے قبل دیکھنے میں آیا اور نہ آپ کے بعد آپ کے آنے کے بعد سچی اور پاک محبت کا بندہ چشمہ ابل پڑا، نفوس و قلوب اس طرح کھینچے جس طرح لوہا منقناطیس کی طرف کھینچتا ہے، گویا کہ طبعیتیں اور دل پہلے سے آپ کے منتظر اور آپ کے لئے بیتاب تھے، آپ کی امن کے افراد نے آپ سے ایسی محبت اور ایسی اطاعت کی ہے جس کی مثال عشاق اور اہل محبت کی تاریخ میں سننے میں نہیں آئی، آپ کی اطاعت و تابعداری میں اپنے آپ کو بالکل مٹا دینے اور گھر بار مال و دولت لٹا دینے کے ایسے واقعات پیش آئے جو نہ آپ سے قبل پیش آئے تھے اور نہ آئندہ ان کی امید ہے۔

## محبت و جاں نثاری

حضرت ابو بکرؓ کے اسلام لانے کے بعد اُن پر کمہ میں ایک روز دشمنوں نے حملہ کر دیا، غنیمہ بن ربیعہ نے اس قدر مارا کہ آپ کا چہرہ سوج گیا، حتیٰ کہ شناخت تک مشکل ہو گئی تھی، بنو نضیم حضرت ابو بکرؓ کو کپڑے میں لپیٹ کر ان کے گھر اٹھالے گئے، ان کو آپ کی موت میں ذرا شک نہ تھا، آپ کو دن چھپتے ہوئے ہوش آیا تو سب سے پہلے بولے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ لوگوں کو اس پر بڑا غصہ آیا کہ اس حالت میں بھی آپ انھیں کو یاد کرنے میں جن کی وجہ سے یہ حال ہوا، وہ آپ کو بُرا بھلا کہنے لگے، انھوں نے اُن کی ماں ام ابیجر سے کہا کہ دیکھو ان کو کچھ کھلا پلا دو، انھوں نے کچھ کھانے کے لئے اصرار کیا، آپ برا بکھتے رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا، بخدا مجھے تمہارے ساتھی کا کچھ علم نہیں، انھوں نے کہا تو خطاب کی بیٹی ام حبیل کے پاس جاؤ اور آپ کی خبر بریت درپنا کر کے مجھے بتاؤ، وہ ام حبیل کے پاس آئیں اور کہا کہ ابو بکر محمد بن عبد اللہ کے متعلق پوچھتے ہیں؟



انہوں نے کہا کہ میں نہ ابو بکر کو پہنچا سکتی ہوں اور نہ محمد بن عبداللہ کو اور اگر تمہاری یہ خواہش ہو کہ میں تمہارے ساتھ تمہارے بیٹے کے پاس چلوں تو ہو سکتا ہے انہوں نے کہا ہاں چلو وہ اُن کے ہمراہ گئیں اور ابو بکر کو پڑا ہوا پایا، ام حیل ان کے قریب پہنچیں تو ان کا حال دیکھ کر کہا "واللہ جس قوم نے تمہارے ساتھ یہ برتاؤ کیا ہے وہ فاسق و کفار ہیں" اور مجھے ابید ہے کہ اللہ ان سے تمہارا انتقام لے گا" انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ وہ بولیں کہ تمہاری اس سنتی ہیں انہوں نے کہا ان سے کچھ پردہ نہیں انہوں نے جواب دیا بخیر و عافیت ہیں آپ نے فرمایا کہاں ہیں؟ وہ بولیں دار بن ارقم میں آپ نے فرمایا آپ نے بخدا میں کھاپی نہیں سکتا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہ پہنچ جاؤں وہ دونوں ذرا کہیں جب رات ہوئی اور آمد و رفت موقوف ہوئی تو وہ ان کو لے کر نکلیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیا آپ نے جب حضور کو دیکھ لیا تو جان میں جان آئی اور کھایا پیلا۔

ایک نصاریٰ عورت جس کا باپ بھائی اور شوہر اُحد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے اور شہید ہو گئے تھے قیام گاہ سے نکلی اور پوچھنے لگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے کہا: بھرا اللہ عافیت سے ہیں جیسا تم چاہتی ہو اس نے کہا مجھے دکھاؤ میں آپ کو دیکھنا چاہتی ہوں اس نے جب آپ کو دیکھ لیا تو بولی اگر آپ سلامت ہیں تو ہر مصیبت سچ ہے۔

حضرت خبیثہؓ کو چھانسی کے تختہ پر چڑھایا گیا اسب کہنے لگے کہ وہیں پسند ہے کہ محمدؐ تمہاری جگہ ہوں؟ انہوں نے کہا خدائے تعالیٰ کی قسم میں اس کو بھی پسند نہیں کرتا کہ آپ کے

پیر میں کانٹا چبھے اور میں چھوڑ دیا جاؤں، وہ سب ہنس دیئے۔

زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ اُحد کے روز رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے سعد بن ربیع کی تلاش میں بھیجا اور مجھ سے فرمایا، ان کو اگر دیکھو تو میرا سلام کہو اور کہو کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں کہ اپنے کو کیسا پاتے ہو کہتے ہیں کہ میں تو لین میں چکر لگانے لگا، پھر ان کے پاس پہنچا، ان کا آخری وقت تھا، اور ان کے جسم پر تیر و تلوار اور نیزے کے ستر زخم تھے، میں نے ان کا کہتا ہے سعد! رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو سلام کہتے ہیں اور دریافت فرماتے ہیں کہ تمہارا کیا حال ہے؟ انھوں نے کہا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سلام کہو اور آپ سے کہہ دو یا رسول اللہ جنت کی خوشبو پارہا ہوں اور میری قوم انصار سے کہہ دو کہ اگر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کچھ ہو گیا اس حال میں کہ تم میں ایک آنکھ بھی حرکت کر سکتی ہو تو اللہ کے یہاں تمہارا کوئی عذر نہیں اور اسی وقت روح پرواز کر گئی تھی۔

اُحد کے روز ابو جحانہ نے اپنی بیٹی کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے ڈھال بنادیا تھا، تیر اس پر لگتے تھے، اور وہ حرکت نہ کرتے، بالکل بخداری نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا رخ چوس کر فنا کر دیا تھا، ان سے آپ نے فرمایا تھوک دو انھوں نے کہا: بخدا! میں کبھی بھی نہ تھوکوں گا۔

ابوسفیان جب مدینہ آئے اور اپنی بیٹی ام حبیبہ کے پاس پہنچے اور جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بستر مبارک پر بیٹھنا چاہا تو انھوں نے اس کو لپیٹ دیا، انھوں نے کہا: "اے بیٹی! مجھے خبر نہیں کہ تم نے بستر میرے لائن نہ سمجھا، یا مجھ کو اس کے لائن نہ سمجھا، انھوں نے کہا نہیں! بلکہ یہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بستر ہے اور تم مشرک نجس ہو۔"

عروہ بن مسعود ثقفی نے حدیبیہ سے واپسی کے بعد اپنے ساتھیوں سے کہا: اے لوگو! بخدا

میں سلاہین کے یہاں گیا، کسریٰ قیصر اور نجاشی کے دربار بھی دیکھے، خدا کی قسم میں ایسا بادشاہ نہیں دیکھا جس کے ساتھی اس کی اتنی عزت کرتے ہوں جتنی محمدؐ کے ساتھی خدا کی قسم جب بھی وہ تھوکتے ہیں ان میں سے کسی شخص کے ہاتھ پر گزرتا ہے وہ اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا ہے اور جب وہ ان کو حکم دیتے ہیں تو وہ سب ان کے حکم پر پکیتے ہیں اور جب وہ وضو کرتے ہیں تو اس کے پانی پر لڑتے لڑتے رہ جاتے ہیں اور جب بات کرتے ہیں تو وہ لوگ اپنی آوازیں پست کر لیتے ہیں اور وہ لوگ فرط ادب سے آپؐ پر گہری نظر نہیں ڈال سکتے۔

## اطاعت و تابعداری

اطاعت و تابعداری محبت کا لازمی نتیجہ ہے، جب صحابہ کرامؓ محبت کی دولت سے مالا مال ہوئے تو انھوں نے اپنی ساری طاقت آپؐ کی اطاعت میں صرف کر دی اس کی بہترین مثال سعد بن معاذ کا وہ قول ہے جو انھوں نے اپنی اور جماعت انصار کی جانب سے بدر سے قبل کہا: ۱۔

”میں انصار کی طرف سے شرح صدر کے ساتھ کہتا ہوں، اور ان کی جانب سے

جواب بھی دیتا ہوں کہ آپؐ جہاں چاہیں مقیم ہوں جس کا تعلق چاہیں قائم رکھیں و

جس کا چاہیں توڑ دیں، اور ہمارے مال و دولت سے جو چاہیں لے لیں اور جو چاہیں

دے دیں، جو کچھ کہ آپؐ ہم سے لے لیں گے وہ اس سے زیادہ محبوب ہوگا، جو آپؐ چھوڑ

دیں گے اور جس بارے میں جو کچھ حکم فرمائیں گے ہم اس کے تابع ہوں گے، بخدا اگر آپؐ

برک غدران تک چلے جائیں تو ہم بھی آپؐ کے ساتھ چل پڑیں گے اور خدا کی قسم اگر

آپؐ سمندر میں گھوڑا ڈال دیں گے تو ہم بھی اس میں کود پڑیں گے۔“

ان کی اطاعت کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان میں شخصوں کے گفتگو ممنوع قرار دی تھی جو غزوہ تبوک نہ جا سکے تھے تو لوگوں نے آپ کی بات مانی اور مدینہ ان تینوں کے لئے شہر خوشاں بن گیا جہاں کوئی بات کرنے والا اور بات کا جواب دینے والا نہ تھا، کتب کہتے ہیں:-

”رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہم تینوں سے گفتگو منع فرمادی تھی لوگ ہم سے کترانے لگے اور ان کی نگاہیں بدل گئیں، حتیٰ کہ مجھے زمین تنگ محسوس ہونے لگی گویا وہ زمین ہی نہ تھی جس کو میں جانتا تھا، یہاں تک کہ جب لوگوں کی میرے ساتھ بے رخی بہت بڑھ گئی میں چلا اور ابوقتادہ کی دیوار پھانڈ کر ان کے باغ میں گھس گیا، یہ ابوقتادہ وہ ہیں جو میرے محبوب چچا زاد بھائی تھے اور میرے سب سے زائد چہیتے تھے، میں نے ان کو سلام کیا بعد انھوں نے مجھے جواب بھی نہ دیا تو میں نے ان سے کہا اے ابوقتادہ! میں تم کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کیا تم کو علم ہے کہ میں اللہ و رسولؐ سے محبت رکھتا ہوں وہ خاموش رہے، میں نے پھر دہرایا، ان کو واسطہ دیا اور وہ خاموش رہے، میں نے کتر کر کہا اور ان کو واسطہ دیا، تو وہ بولے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کو زیادہ علم ہے، میری آنکھیں پھر آئیں اور میں پلٹ پڑا اور دیوار پھانڈ کر باہر نکل آیا۔“

ان کی اطاعت کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ وہ ناراضگی و بے رخی کے ہدف تھے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قاصد آتا ہے اور کہتا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو حکم دیتے ہیں کہ اپنی بیوی سے علیحدہ رہنا، وہ بولے ”طلاق دیدن کیا کروں؟“ وہ بولا ”نہیں، بلکہ الگ رہو ان کے قریب مت جاؤ“ تو انھوں نے اپنی بیوی سے کہہ دیا اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ، ان ہی کے

پاس رہو، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں کچھ فیصلہ کر دے۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ان کی محبت و تعلق کا یہ حال تھا کہ ہر ایک پر آپ کو ترجیح دیتے تھے، عین اس مقاطعہ کے زمانہ میں عثمان کا بادشاہ ہمدردی کا اظہار کرتا ہے اور اپنے دربار کی پیشکش کرتا ہے اس بے رخی اور غنا کے زمانے میں حقیقتاً سخت آزمائش تھی لیکن وہ رد کرتے ہیں کہتے ہیں میں نے بازار میں چل رہا تھا کہ ان شامی بیبیوں میں جو مدینہ میں غلہ فروخت کرتے آتے تھے ایک بھلی کہتا ہے کہ مہربان مالک کو کوئی بتائے میں کو لوگ میری جانب اشارے کرنے لگے اس نے میرے پاس پہنچ کر شاہ عثمان کا ایک خط حوالے کیا میں پڑھا کھانا تھا، میں نے اس کو پڑھا، اس میں تحریر تھا کہ:-

”ہم کو یہ خبر ملی ہے کہ تمہارے آقا نے تم سے بے رخی اختیار کر لی ہے، اللہ تعالیٰ نے تم کو ذلت کے لئے نہیں رکھا اور وہ تم کو ضائع کرنا نہیں چاہتا ہے، بس تم ہم سے مل جاؤ ہم تمہارا بہت خیال کریں گے“

میں نے جب پڑھا تو کہا کہ یہ بھی ایک آزمائش ہے اور میں نے جا کر اُسے تنور کی نذر کر دیا۔ اطاعت اور فوری تعمیل حکم کی ایک مثال وہ واقعہ ہے جو شراب کی حرمت کے حکم کے وقت پیش آیا، حضرت ابو بردہؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ:-

”ہم مجلس میں بیٹھے شراب پی رہے تھے کہ میں اٹھا تاکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضری دوں اور سلام کروں اور شراب کی حرمت نازل ہو چکی تھی“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ  
وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ  
أَوْبِئَتْ بِهِ ذِكْرٌ وَلَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ  
بِأَنَّهُمْ فِي شَيْطَانِي كَامٍ هِيَ يُولَنَ سَ بَالِكَل

لہ بخاری و مسلم لہ ایضاً

تُفَاحُونَ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ  
يُوَفِّقَ بَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ  
فِي الْكُفْرِ وَالْإِنْسِيَةِ دَيْبُكُمْ عَنَّا  
ذَكَرَ اللَّهُ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ  
مُنْهَوُونَ ۝ (المائدہ - ۹۰-۹۱)

الگ رہو تاکہ تم کو فلاح ہو شیطان تو  
یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ  
سے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض واقع  
کر دے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز  
سے تم کو باز رکھے سو اب بھی باز آؤ گے۔

میں اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور میں نے یہ آیت "هَلْ أَنْتُمْ مُنْهَوُونَ" (کیا تم رک  
جاؤ گے) تک پڑھ کر سنائی کہتے ہیں کہ بعض لوگوں کے ہاتھ میں ساغر تھا کچھ پیاتھا اور کچھ  
ساغر میں بچ رہا تھا جو شراب ہونٹوں میں پہنچ گئی تھی وہ فوراً تھوک دی گئی ہے

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت اور اپنے نفس پر گھر والوں اور خاندان والوں  
پر آپ کو ترجیح دینے کی عجیب و غریب مثال یہ ہے کہ عبد اللہ بن ابی کے بیٹے عبد اللہ کو رسول اللہ (صلی اللہ  
علیہ وسلم) نے بلایا اور فرمایا "دیکھتے ہو تمہارے والد کیا کہتے ہیں؟" وہ بولے یا رسول اللہ میرے ماں باپ  
آپ پر قربان دے کیا کہتے ہیں آپ نے فرمایا کہتے ہیں کہ اگر مدینہ واپسی ہوئی تو جو عمرز ہو گا وہ ذلیل کو نکال دے گا  
وہ بولے "خدا کی قسم یا رسول اللہ انھوں نے سچ کہا بخدا آپ عزیز ہیں اور وہ ذلیل ہیں یا رسول اللہ آپ مدینہ  
تشریف لائے اور اہل شرب کو علم ہے کہ وہاں مجھ سے بڑھ کر اپنے باپ کا کوئی فرمانبردار نہیں اگر اللہ  
و رسول کی مرضی یہ ہے کہ میں اس کا سر لے آؤں تو میں حاضر ہوں" رسول اللہ نے فرمایا "نہیں!"  
جب لوگ مدینہ پہنچے تو عبد اللہ بن عبد اللہ بن ابی مدینہ کے دروازے پر تلواریں لے کر اپنے باپ  
کے انتظار میں کھڑے ہو گئے جب ان کے والد آئے تو بولے :-

"تم ہی کہتے تھے اگر مدینہ واپسی ہوئی تو جو عمرز ہو گا وہ ذلیل کو نکال دے گا" تم کو ابھی معلوم

ہو جائے گا کہ عز و کون ہے؟ خدا کی قسم تم مدینہ میں اشر اور اس کے رسول کی اجازت کے بغیر  
نہیں رہ سکتے۔

اس نے کہا:-

”اے خزرج کے لوگو! دیکھ میرا لڑکا مجھے میرے گھر سے روکتا ہے، اے خزرج کے لوگو!  
میرا لڑکا مجھے میرے گھر سے روکتا ہے۔“  
وہ بولے:-

”خدا کی قسم! یہ رسول اشر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اجازت کے بغیر مدینہ میں قدم نہیں رکھ سکتا؛  
لوگ اکٹھا ہو گئے اور ان کو سمجھایا، انھوں نے کہا:-

”یہ اشر اور اس کے رسول کی اجازت کے بغیر قدم نہیں رکھ سکتا۔“  
لوگ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آئے، آپ کو خبر دی، آپ نے فرمایا:-  
”جاؤ اور عبداللہ سے کہہ دو کہ آنے دو۔“  
لوگ واپس آئے، انھوں نے کہا:-

”ہاں! اب جب کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اجازت آگئی ہے، وہ مدینہ  
میں داخل ہو سکتا ہے۔“

## نئے افراد اور نئی امت

اس وسیع و عریض ایمان اس محکم پیغمبرانہ تعلیم اس دقیق و حکیمانہ تربیت اپنی عجیب و غریب  
طقت و شخصیت اور اس عظیم العقول آسمانی کتاب کے ساتھ کہ جس کے عجائب و غرائب ختم ہونے کو

لے تفسیر طبری۔ ج ۲۸

نہیں آتے اور جس کی تازگی میں کبھی فرق نہیں پیدا ہوتا، رسول اللہؐ نے جاں بسبب انسانیت میں ایک نئی زندگی پیدا کر دی، انسانیت کے وہ ذخائر جو خام اشیاء کی شکل میں پڑے پڑے ضائع ہو رہے تھے، جن کی افادیت اور مصرت کی کسی کو خبر نہ تھی، اور جن کو جہالت، کفر اور کم ہمتی نے برباد کر رکھا تھا، آپؐ نے ان کی زندگی کا نوح بدل دیا، اس میں خدا کی مدد سے ایمان و عقیدہ پیدا فرمایا، زندگی کی نئی روح پھونک دی، دلی ہوئی صلاحیتیں ابھار دیں اور اندرونی استعدادیں اجاگر کر دیں، پھر ہر ایک کو اس کی صحیح جگہ عطا فرمائی، گویا کہ اسی کے لئے اس کا وجود تھا اور گویا کہ جگہ خالی تھی اور اس کی منتظر تھی، وہ بے جان پتھر تھا، اب وہ ایک جیتا جاگتا انسان بن گیا، وہ بے حس و حرکت مردہ تھا، اب وہ زندہ ہو کر دنیا پر حکومت کرنے لگا، پہلے نامینا تھا جس کو خود رستہ کا پتہ نہ تھا، اب ساری دنیا کا رہبر و رہنما بن گیا۔

اَدَمَ كَانَ مِثًا فَخَلَقْنَاهُ وَجَعَلْنَاهُ  
فِي الْاَنْفُسِ مِثًا فِي الْاَنْفُسِ مِثًا  
فِي الْاَنْفُسِ مِثًا فِي الْاَنْفُسِ مِثًا  
(الانعام - ۱۲۳)

بھلا وہ جو مردہ ہو ہم نے اس کو زندہ کیا اور  
اس کو ایک نور و نایت کیا جس کے ذریعہ وہ  
لوگوں میں چلتا ہو جس جیسے جو اندھیروں  
میں گم ہو، مکمل نہ سکتا ہو۔

آپؐ کی توجہ و تعلیم سے عرب کی برباد شدہ قوم میں ایسا انقلاب ہوا کہ دنیا نے تھوڑے ہی عرصہ میں ان میں وہ عظیم الشان شخصیتیں دکھیں جو عجوبہ روزگار اور دنیا کی تاریخ میں یادگار ہیں، وہ عمر جو اپنے باپ خطاب کی بکریاں چرایا کرتے تھے، اور ان کے باپ ان کو جھڑکا کرتے تھے اور جو کہ قوت و عمر میں قریش کے متوسط لوگوں میں تھے، جن کو کوئی غیر معمولی امتیاز حاصل نہ تھا، ان کے معاصران کو غیر معمولی اہمیت نہیں دیتے تھے، وہی عمر بنی تھے کہ کیا رنگ تمام عالم کو اپنی عظمت و جلال سے متحیر بناتے ہیں، اور قیصر و کسریٰ کو تخت و تاج سے محروم کر دیتے ہیں، اور ایسی اسلامی سلطنت کی



بنا ڈالتے ہیں جو بیک وقت ان دونوں حکومتوں پر حاوی ہے اور تدبیر حسن انتظام میں ان کے فوجیت رکھتی ہے وسیع و تقویٰ اور عدل کو چھوڑ دیکھے کہ ان میں تو وہ ضربا تلش ہیں۔

یہ وید کے فرزند خالد ہیں قریش کے نوجوان جو صلہ منڈوں میں سے ایک شخص تھے مقامی جنگوں میں انھوں نے نام پیدا کیا تھا، قریش کے سردار قبائلی جنگوں میں ان سے مدد لیتے تھے انھوں نے جزیرۃ العرب کے علاقوں میں کوئی بڑی شہرت بھی حاصل نہیں کی تھی، اچانک وہ آسمانی تلوار (سيف من سیوف الله) بن کر چکے ہیں جو چیز سامنے آتی ہے کٹ جاتی ہے یہ خدائی تلوار دم پر کھینچی بن کر گرتی ہے اور تارخ کے طول و عرض میں اپنے تہہ کرے چھوڑ جاتی ہے۔

یسا ابو عبیدہ ہیں جن کی امانت اور نرمی کی تعریف کی جاتی تھی وہ مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے لشکروں کی قیادت کر لیا کرتے تھے ان کو دیکھئے کہ مسلمانوں کی سب سے بڑی قیادت کا بوجھ سنبھال لیتے ہیں اور ہر قل کو شام کے ہرے بھرے ملک سے ہمیشہ کے لئے نکال دیتے ہیں غریب اس پر وداعی نظر ڈالتا ہے اور کہتا ہے اے ملک شام تجھ کو رخصتی سلام ایسا سلام جس کے بعد کبھی ملاقات نہیں ہوگی۔

یہ عمرو بن العاص ہیں جن کا شمار قریش کے سجدہ دار لوگوں میں تھا، قریش ان کو جہشہ کا سفیر بنا کر بھیجتے ہیں تاکہ مسلمان مہاجرین کو واپس لے آئیں مگر ناکام واپس ہوتے ہیں ان کو دیکھئے مقرر فتح کرتے ہیں اور زبردست اقتدار کے مالک بن جاتے ہیں۔

اور یہ سعد بن ابی وقاص ہیں اسلام سے قبل ان کے متعلق نہ کسی بڑی فوجی قیادت کا پتہ چلتا ہے اور نہ کسی ماہر جنگ کی حیثیت سے ان کی شہرت ہے ان کو دیکھئے مدائن کی کنجیاں سنبھالتے ہیں اور عراق و ایران کو اسلامی سلطنت میں شامل کر کے ہمیشہ کے لئے فاتح عجم کہلاتے ہیں۔ یہ سلمان فارسی ہیں ایک مذہبی مہم دار کے بیٹے تھے فارس کا ایک گاؤں وطن تھا، ایک غلام سی

دوسری غلامی اور ایک مصیبت سے دوسری مصیبت دیکھتے ہوئے مدینہ پہنچتے ہیں اور اسلام قبول کرتے ہیں ان کو دیکھئے؟ اپنی ہی قوم کے عظیم الشان دارالسلطنت (ملائن) کے حاکم بن کر پہنچتے ہیں کل جہاں کی رعیت کے ایک فرد تھے آج اس ملک کے حکمران ہیں اور اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ اس سے ان کے زہد سادگی میں فرق نہیں پڑتا لوگ ان کی اس حالت میں دیکھتے ہیں کہ ایک جھونپڑی میں قیام ہے سر پر بوجھ ڈھوتے ہیں۔

یہ بلال حبشی ہیں فضیلت و عزت میں اس درجہ کو پہنچتے ہیں کہ امیر المؤمنین ان کو اپنا سر اڑھتے ہیں یہ ابوذر غفاری کے آزاد کردہ غلام ہیں جن میں حضرت عمرؓ کو خلافت کی صلاحیت نظر آتی ہے فرماتے ہیں: اگر حیات ہوتے تو میں ان کو خلیفہ بناتا؟

یہ زید بن حارثہ ہیں جنگ موتہ کے لئے مسلمانوں کے لشکر کی قیادت کرتے ہیں اور اسی لشکر میں جعفر بن ابی طالب، خالد بن ولید جیسے ممتاز لوگ بھی موجود ہیں اور ان کے بیٹے اُسامہ اس لشکر کی قیادت کرتے ہیں جس میں ابو بکرؓ، عمرؓ جیسے افراد موجود تھے۔

یہ ابوذر، مقداد، ابوالدرداء، عمار بن یاسر، معاذ بن جبل، اور ابی بن کعب ہیں اسلام کی باد بہاری کا ایک جھونکا چل جاتا ہے اور وہ دنیا کے نامور زاہدوں اور جلیل القدر عالموں میں دیکھنے دیکھتے شمار ہونے لگتے ہیں۔

یہ علی بن ابی طالبؓ اور عائشہؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ اور زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن عباسؓ ہیں جو نبی اُمّی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی گود میں پل کر دنیا کے عظیم ترین عالموں میں شمار ہونے لگے جن سے علم کی نہریں بہتی ہیں اور حکمت ان کی زبان پر جاری ہو جاتی ہے، قلب کے سچے علم کے گہرے اور تکلف سے دور بات کرتے ہیں تو زمانہ ہمہ تن گوش ہو کر سننے لگتا ہے خطاب کرتے ہیں تو دنیا کے ٹوٹے کاظم لکھنے میں مشغول ہو جاتا ہے کہ کوئی لفظ ضائع نہ ہو۔

## متوازن انسانی مجموعہ

پھر تھوڑا عرصہ بھی نہیں گزرنا کہ تمدن دنیا دکھتی ہے کہ وہ خام اشیاء جو بکھری پڑی تھیں جن کی معاصر قوموں نے بھی ذرا قدر نہ کی تھی اور بڑی سی ملکوں نے جن کا مذاق اڑایا تھا، اس سے ایک ایسا مجموعہ تیار ہوتا ہے کہ انسانی تاریخ نے اس سے زیادہ متوازن و مکمل مجموعہ نکالا نہیں دیکھا، جیسے ایک ڈھلا کرہ، یہ معلوم ہی نہیں ہو سکتا کہ اس کا سر اکھر ہے یا باران رحمت کی طرح کہ اس کا پتہ نہ چل سکے کہ اس کا پہلا پھینٹا مبارک ہے یا آخری، ایسا مجموعہ جو انسانی زندگی کے ہر شعبہ کی صلاحیت رکھتا ہے، دین و دنیا کی ہر ضرورت کے لئے اس کے پاس سامان موجود ہے اس لئے اس کو کسی سے مدد کی ضرورت نہیں لیکن دنیا اس کی مدد کی محتاج ہے۔

اس نورائیدہ جماعت نے اپنی تہذیب کی خود بنیاد ڈالی، نئی حکومت کی داغ بیل ڈالی، حالانکہ اس کو اس سے پہلے اس کا کوئی تجربہ نہ تھا، اس کے باوجود اس کو ذرا ضرورت نہ پڑی کہ کسی دوسری قوم سے کوئی آدمی مستعار لے، یا کسی انتظام میں کسی حکومت کے مدد چاہے، ایسی حکومت کی بنیاد ڈالی جس کا سکھ، دو بڑے براعظموں کے وسیع رقبہ میں چلتا تھا، اس کے ہر شعبہ اور ہر ضرورت کے لئے متعدد آدمی ایسے تھے جو اپنی لیاقت، کارکردگی، امانت و دیانت، قوت اور احساس فرائض میں بے نظیر تھے، یہ عالمگیر سلطنت قائم ہوئی تو اس نورائیدہ قوم نے جس پر تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا اس کو پورے آدمی فراہم کئے جن میں کوئی عادل، حاکم، نفاذ، کوئی امانت دار، خازن، کوئی منصف، قاضی تھا اور کوئی عبادت گزار، قائم کوئی پرہیزگار اور حقیقی فوجی تھا، اس ذہنی تربیت کی برکت جسے کام مسلسل جاری تھا، اور اس اسلامی دعوت کی مدد سے جو مستقل چل رہی تھی، اس اسلامی حکومت کو اہل ترین خداترین، فرض شناس و مستعد کارکن ملتے رہے، حکومت کی ذمہ داری

ان ہی اشخاص کے سپرد ہوتی جو ہدایت کو تحصیل و حصول کے جذبہ پر ترجیح دیتے، جو اپنے کو بچائے  
تخصیصہ دار کے مبلغ و ہادی سمجھتے جن کی شخصیت میں صلاحیت و صلاح اور دین و دنیا کا صحیح  
استزاج ہوتا ان کے اثر سے اسلامی تہذیب اپنی پوری خصوصیتوں کے ساتھ جلوہ گر ہوئی،  
اور دین کے برکات اس طرح وجود میں آئے کہ کچھ کسی دور میں دیکھنے میں نہیں آئے۔  
حقیقت میں محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نبوت کی کبھی انسانی فطرت کے قفل پر  
رکھ دی تھی، بس وہ کھل گیا اور اس کے تمام خزانے عجائبات، طاقتیں اور کمالات دنیا کے  
سامنے آگئے، آپ نے جاہلیت کی شہرہ رگ کاٹ دی اور اس کے ظلم کو پاش پاش کر دیا،  
آپ نے سرکش اور ضدی دنیا کو خدا کی طاقت سے مجبور کر دیا کہ زندگی کی ایک نئی شاہراہ  
پر گامزن ہوا اور تاریخ میں انسانیت کے ایک بالکل نئے دور کا آغاز کرے، یہ وہ اسلامی  
دور ہے جو تاریخ کی پیشانی پر ہمیشہ دکھائی دے گا۔

# باب سوم

## مسلمانوں کا دورِ قیادت

### مسلمانوں کی قائدانہ خصوصیات

مسلمان میدان میں آئے دنیا کی رہنمائی کی باگ انھوں نے اپنے ہاتھ میں لی اور ان پیار قوموں کو رہنمائی کے اس منصب کے معزول کیا جس پر وہ قابض ہو گئی تھیں اور جس کو انھوں نے کبھی صحیح طور پر استعمال نہیں کیا، مسلمانوں نے دنیا کے انسانوں کو اپنے ساتھ لے کر توازن اور صحیح رفتار کے ساتھ صحیح منزل کی طرف بڑھنا شروع کیا، ان میں وہ تمام صفات جمع تھیں جو ان کو قوموں کی رہنمائی کے منصب حلیل کا اہل ثابت کرتی تھیں اور ان کی نگرانی اور قیادت میں قوموں کی فلاح و سعادت کی ضمانت کرتی تھیں، یہ امتیازی صفات حسب ذیل ہیں:-

۱۔ ان کے پاس آسمانی کتاب اور الہی شریعت تھی، اس لئے ان کو قیاس اور اپنی طرف سے قانون سازی کی ضرورت نہیں تھی، اور اس طرح وہ جہالت و ناواقفیت اور روز کے قانونی رد و بدل اور ترسیم ہونے والی غلطیوں اور مظالم سے محفوظ تھے، وہ اپنے سیاست و معاملات میں اتحاد و ہمدردی اور اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مارنے پر مجبور نہ تھے، ان کے پاس وحی اور شریعت الہی کی روشنی تھی جس کے سہارے وہ چلتے تھے، اور جس سے زندگی کی تمام راہیں اور اس کے موڑ ان کے لئے روشن تھے، ان کا ہر قدم روشنی میں پڑتا تھا اور منزل مقصود ان کو ہٹا نظر آتی تھی:-

اَوَمَنْ كَانَ مِثْلًا خَلِيلُهُ وَجَعَلْنَا  
لَهُ نُورًا يَهْدِيهِ فِي النَّاسِ مَثَلًا  
جس کی مدد سے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے کیا  
قَتَلَهَا۔

(سورة الانعام - ۱۲۳)

ان کے پاس الہی قانون تھا جس کے مطابق وہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتے تھے، وہ حق و انصاف کے علم پر دار بنائے گئے تھے، اور ان کو سخت سے سخت اشتعال و برہمی اور عداوت و بیزاری کی حالت میں بھی انصاف اور صداقت کا دامن ہاتھ سے چھوڑنے اور نفس کا انتقام لینے کی اجازت نہیں دی گئی تھی :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ  
فِيهِ شَهَادَاتُكُمْ لَا يَجْعَلُكُمْ  
شَتَا نِ قَوْمٍ عَلَىٰ أَنْ لَا تَعْدُوا  
إِعْدَاءَهُمْ قُرْبُ لِلتَّقْوَىٰ  
وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا  
تَعْمَلُونَ ۝ (المائدہ - ۸)

۲۔ وہ حکومت اور قیادت کے منصب پر مستحکم اخلاقی تربیت اور مکمل تہذیب نفس کے بعد فائز ہوئے تھے، انھوں نے دنیا کی عام حکمران قوموں اور اہل حکومت کی طرح اپنے تمام اخلاقی عیوب و نقائص کے ساتھ پستی سے بلند کی طرف جست نہیں لگائی تھی، بلکہ ایک طویل عرصہ تک ہی الہی ان کی اصلاح اور تربیت کرتی رہی تھی، اور سالہا سال وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی

کامل نگرانی اور تعلیم میں رہے تھے، آپ ان کا تذکرہ فرماتے رہے، ان کی مکمل تربیت فرمائی، زہد و ورع کی زندگی کا عادی بنایا، عفت و امانت، ایثار و قربانی، خوف خدا کا اُن کو جو کر گیا، حکومت و مناصب کی حرص و طمع ان کے دل سے بالکل نکال دی، آپ کا ارشاد تھا کہ بخدا ہم کوئی عہدہ کسی ایسے شخص کے سپرد نہیں کریں گے جس نے اس کی فرائض کی یا جس کو اس کی خواہش ہے، ترغیب، ذاتی سر بلندی اور اغراض کا شوق، اور فتنہ و فساد کی خواہش سے ان کے دل بالکل صاف ہو گئے تھے، اُن کے کانوں میں رات دن قرآن مجید کے یہ الفاظ پڑتے رہتے تھے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰتٰىنَا الْاٰخِرَةَ فَيَسْلُفُنَا الَّذِيْنَ

لَا يُرِيْدُوْنَ عَلٰۤى اِلٰهٍ اِلَّا الْاَرْضَ وَلَا

فَسَادًا وَّ اِنْفَاقًا ۚ لَّيْسَ فِیْہِمْ

(الفصل ۸۳) پرہیزگاروں ہی کا ہے۔

اس لئے وہ حکومت کے عہدوں اور منصبوں پر پروانہ دار نہیں گرتے تھے، بلکہ وہ اس قبول کرنے سے گریز کرتے تھے، اور اُن کی ذمہ داریوں سے لرزہ بر اندام ہو جاتے تھے، اُن میں سے ہر ایک پیچھے ہٹتا تھا، اور اپنے کو اس بار کا سزاوار نہیں سمجھتا تھا، پوچھ جائے کہ وہ اپنا نام حکومت کے لئے پیش کریں، اپنے منہ سے تعریف کریں اور اپنی ذات کے لئے پروگنڈا کریں، پھر جب وہ کسی ذمہ داری کو اپنے ہاتھ میں لے لیتے تو اُس کو مال غنیمت یا القدر تر نہ سمجھتے بلکہ اس کو اپنے ذمہ ایک امانت اور اللہ کی طرف سے آزمائش سمجھتے اور یقین رکھتے کہ اللہ کے سامنے ان کو حاضر ہونا ہے، اور ہر چھوٹی بڑی چیز کا جواب دینا ہے، وہ یہ آیت ہمیشہ پیش نظر رکھتے۔

لے روایت بخاری و مسلم۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا  
الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا خَلَبْتُمْ  
بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَعْلَمُوا بِالْعَدْلِ  
مسلما! اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت  
والوں کی امانتیں ان کو پہونچا دو اور  
جب فیصلہ کرنے لگو گویوں میں تو فیصلہ  
کردانصاف سے۔ (النساء - ۵۸)

نیز یہ ارشاد:-

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ  
فِي الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ  
دَرَجَاتٍ لِّيَلْزَمُوا فِي مَا آتَاكُمْ آتَاتِ  
رَبِّكَ سِرًّا سِرًّا وَالْجَوَابِ وَإِنَّ  
لَهُمْ فِي ذَٰلِكَ لَعَلَمًا (الانعام - ۱۶۶)  
اور اسی نے تم کو زمین میں نائب کیلئے اور  
تم میں ایک کے ایک پر درجے بلند کئے تاکہ جو  
نعمتیں تم کو دی ہیں ان میں تمہاری آزمائش  
کے، جیکے تمہارا پروردگار جلد مزید اپنے والا  
اور وہی بخشنے والا مہربان ہے۔

۳۔ وہ کسی قوم کے خدمت گزار اور کسی نسل و وطن کے نمائندے نہ تھے جن کے پیش نظر محض اس کی  
خوشحالی اور ترقی ہو اور جو اس کی برتری اور تمام اقوام و اوطان پر اس کی سیادت کے قائل ہوں اور  
یقین د رکھتے ہوں کہ ان کی قوم تنہا حکومت کرنے کے لئے اور باقی تمام قومیں اس کی محکوم بننے کے لئے  
پیدا کی گئی ہیں وہ عرب سے اس لئے نہیں نکلے تھے کہ دنیا میں عربی شہنشاہی کی بنیاد ڈالیں اور  
اس کے زیر سایہ راحت و عشرت کی زندگی گزاریں اور اس کے زیر حمایت دوسروں پر فخر و تکبر کریں  
نہ اس لئے کہ لوگوں کو روپیوں اور ایرانیوں کی غلامی سے نکال کر عربوں کی اور اپنی غلامی میں داخل  
کر لیں وہ صرف اس لئے نکلے تھے کہ وہ بندگان خدا کو اپنے جیسے تمام بندوں کی بندگی سے نکال کر  
اللہ وحدہ لا شریک لہ کی بندگی میں داخل کریں مسلمانوں کے سفیر علی بن عامر نے یزدگرد شاہ ایران کے  
بھرے دربار میں اسی حقیقت کا اعلان کیا انھوں نے کہا "اللہ نے ہم کو اس لئے بھیجا ہے کہ لوگوں کو



بندوں کی بندگی سے نکال کر ایک لڑکی کی طرف دنیا کی تنگی سے رہائی دے کر اس کی وسعت کی طرف اور مذاہب کے ظلم و ستم سے نجات دے کر اسلام کے عدل و انصاف میں لائیں، پس دنیا کی تمام قومیں اور تمام انسان اُن کی نگاہ میں ایک حیثیت رکھتے تھے اگر فرق تھا تھا محض دین کا، رسول اللہ کے اس ارشاد پر اُن کا پورا عمل تھا:-

الناس کلهم من آدم و آدم من  
تواب لا فضل لعربی علی جمعی  
ولا لعجمی علی عربی الا بالتقویٰ  
انسانوں کی ابتدا آدم سے ہے اور آدم کی  
خلقت مٹی سے نہ کسی عرب کو کسی غیر عرب پر  
فضیلت ہے نہ کسی غیر عرب کو عرب پر  
سوائے تقویٰ کے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ  
وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ  
لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ  
أَتْقَاكُمْ  
اے آدمیو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک  
عورت سے بنایا اور تمہاری ذاتیں اور قبیلے  
رکھے تاکہ آپس کی پہچان ہو، اللہ کے یہاں  
اسی کی عزت زیادہ ہے جو خدا ترن اور  
تقویٰ میں بڑھا ہوا ہے۔ (الحجرات - ۱۳)

حاکم مصر حضرت عمرو بن العاص کے بیٹے نے ایک مصری کو ایک موقع پر کوڑا مارا اور اپنے  
باپ دادا پر فخر کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصری کو ان سے بدلے کے حکم دیا اور عمرو بن العاص  
سے کہا تم نے کبے کو گوشت کو غلام بنایا، حالانکہ وہ اپنی ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوئے ہیں!  
ان فاتحین اور حکمرانوں نے دین و علم و تہذیب کی بخشش میں کبھی بخل و تنگ دلی سے کام  
نہیں لیا اور حکومت و اعزاز کے بارہ میں کبھی وطنیت اور رنگ و نسب کا لحاظ نہیں کیا،

لہذا البرید النہایہ میں کثیر۔ ۱۷ خطبہ حجۃ الوداع۔ ۳۷ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ عمر بن الخطاب ابن جری ص ۱۷۰

وہ ایک ابرکرم تھے جو تمام عالم پر محیط تھا اور اس کا فیض سب کے لئے عام تھا جو سارے عالم کو سیراب کرتا گیا، اور زمین کے ہر حصہ نے اس کو دعائیں دیں اور مخلوقات نے اپنی اپنی استعداد اور قابلیت کے مطابق اس سے نفع اٹھایا۔

رہے اس سے محروم آبی نہ خدا کی  
ہری ہو گئی ساری کھیتی خدا کی

ان لوگوں کے زیر سایہ اور زیر حکومت دنیا کی تمام قوموں کو بلا اختلاف رنگ و وطن دینا علم تہذیب اور حکومت میں اپنا پورا پورا حصہ لینے اور عربوں کے ساتھ دنیا کی تعمیر نو میں شریک ہونے کا پورا موقع ملا، بلکہ ان کے بہت سے افراد بہت سی فضیلتوں میں عربوں سے سبقت لے گئے، اور ان میں ایسے ائمہ فقہاء اور محدثین پیدا ہوئے جو خود عربوں کے سرکاتاج اور سلمانوں کا سرایہ فخر ہیں ابن خلدون کے الفاظ ہیں یہ ایک عجیب تاریخی حقیقت ہے کہ ملت اسلامیہ کے حاملین علم میں باستاناء چند اکثر غیر عرب ہیں، کیا علوم شرعیہ میں اور کیا علوم عقلیہ میں اور اگر ان میں سے کوئی عربی النسب ہے تو وہ اپنی زبان و تربیت اور اساتذہ کے اعتبار سے بھی ہے، باوجود اس کے کہ

لے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ نے جس ہدایت و علم کے ساتھ مجھے بھیجا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی زمین پر ایک بڑی بارش ہوئی اس کا ایک کڑا نرم اور صاف تھا اس نے پانی کو قبول کر لیا اور بڑا سبزہ اور ہری گھاس پیدا ہوئی کچھ جتنے سنگلاخ اور بنجر تھے انھوں نے پانی کو روک لیا اور لوگوں کو اس سے نفع اٹھایا، پیرا اور پلایا، اور ایک کڑا ایسا تھا کہ بالکل چٹیل میدان نہ پانی کو روک سکتا ہے اور نہ اس میں سبزہ اگ سکتا ہے یہ مثال ان کی ہے جنھوں نے دین کی سمجھ حاصل کی اور اللہ نے جس چیز کے ساتھ مجھے بھیجا ہے اس سے اُن کو نفع پہونچا، انھوں نے سیکھا اور سکھایا اور آخری مثال اس کی ہے جس نے سر بھی اٹھا کر نہ دیکھا کہ میں کیا لایا اور اللہ کی اس ہدایت کو قبول نہیں کیا جو مجھے دے کر اس نے بھیجا۔ (صحیح بخاری کتاب العلم)

دین عربی ہے اور اس کی شریعت لے کر جو پیغمبر آئے وہ بھی عرب ہی سے تعلق رکھتے تھے، بعد کی صدیوں میں بھی ان غیر عرب مسلمانوں میں ایسے قائد حکمران و زراعت فضلا علماء اور شاخ پیدائے ہوئے جو زمین کی زینت اور انسانیت کا گل سرسب اور اپنی فضیلت شرافت نفس جو ہر قابلیت اور دینداری اور علم میں نوادہ و زکا نہ تھے اور ان کی اتنی بڑی تعداد ہے کہ خدا کے سوا ان کا کوئی صحیح شمار نہیں کر سکتا۔

۴۔ انسان مجموعہ ہے جسم و روح، قلب و عقل و جوارح کا، انسان حقیقی سعادت اور صلاح اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتا اور انسانیت کو متوازن ترقی نہیں ہو سکتی جب تک کہ انسان کی یہ تمام قوتیں متناسب طور پر اس کے مرتبہ کے شایان شان نشو و نما اور پرورش نہ پائیں، دنیا میں صالح تمدن کا اس وقت تک وجود نہیں ہو سکتا جب تک کہ ایک ایسا دینی، اخلاقی، عقلی، مادی ماحول نہ قائم ہو جیسے جس میں انسان کے لئے بسہولت تمام اپنے کمال انسانی کو پہنچنا ممکن ہو اور تجربہ نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ زندگی کی رہنمائی اور تمدن کی جہاز رانی ان لوگوں کے ہاتھ میں نہ ہو جو روحانیت و مادیت دونوں کے قائل دینی و اخلاقی زندگی کا نمونہ، کامل عقل سلیم اور علم صحیح سے متصف ہوں، اگر ان کے عقیدہ یا تربیت میں ذرا سا بھی رخنہ یا دھبہ ہوگا تو وہ ان کے قائم کردہ تمدن میں بہت پھیل جائے گا، اور مختلف مظاہر اور صورتوں میں ظاہر ہوگا اگر کوئی ایسی جماعت غالب آگئی جو صرف مادیت کی پرستار مادی لذتوں اور محسوس منفعتوں کی قائل اور معتقد ہے وہ اس زندگی کے علاوہ کسی اور زندگی پر اعتقاد نہیں رکھتی اور جو اس کے ماورائی اور حقیقت پر اس کا یقین نہیں تو اس کے مزاج اس کے اصول اور میلانات کا اثر تمدن کی شکل و ساخت پر پڑنا ناگزیر ہے، وہ تمدن اس کے مخصوص سانچے میں ڈھل کر رہے گا اور اس پر اس کی چھاپ ہمیشہ باقی رہے گی، اس کا نتیجہ ہوگا کہ انسانیت کے

بہت سے خلیے بھر جائیں گے اور بہت سے خلیے خالی رہ جائیں گے، اس تمدن کی نمود صرف اینٹ پتھروں کا غنہ کپڑے اور لوہے اور سیسے میں ہوگی، جنگ کے میدان عدالتیں، ہسپتال، مرکز اور عیش و عشرت کے حلقے اس کے مرکز ہوں گے اور وہاں وہ اپنی پوری بہار اور شباب پر ہوگا، باقی دل اور روح، لوگوں کے اخلاق، خانگی زندگی اور معاشرت، تعلقات باہمی اور معاملات اس کے حلقہ اثر سے خارج ہوں گے، اور وہاں انسان حیوانات سے متوازن ہوگا، تمدن کی کیفیت اس جسم کی سی ہوگی جس میں غیر طبعی فریبی طاری ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ ظاہری نگاہ میں بڑا شاندار اور پُر شکوہ معلوم ہوتا ہے لیکن اندرونی طور پر وہ بیسوں امراض اور تکالیف میں مبتلا ہوتا ہے اس کا قلب ضعیف اور ماؤت ہوتا ہے اور اس کی صحت نقطہ اعتدال سے ٹپ ہوئی ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف اگر اسی جماعت غالب جائے جو سرے سے مادیت کی انکریا اس کی طرف سے بے پرواہ اور صرف روحانیت اور مابعد الطبیعیات حقائق کی قائل ہو اور اس کا رویہ زندگی کے بارے میں مخالفانہ اور معاندانہ ہو تو تمدن کا شاداب پھول کھلا جائے گا، انسانی قوتیں اور فطری صلاحیتیں ٹھہر جائیں گی، اس قیادت کے اثر سے لوگ صحراؤں اور غاروں کی زندگی کو شہری زندگی اور تہذیب کو اندواجی زندگی پر ترجیح دینے لگتے ہیں خود آزادی اور جہانی تغذیہ مستحسن ہو جاتی ہے تاکہ جسم کا تسلط کمزور پڑ جائے اور روح پاک بے آمیز ہو جائے لوگ موت کو زندگی پر ترجیح دیتے ہیں تاکہ مادیت کے پُر شور اور پُر تلاطم اقلیم سے نکل کر روحانیت کی پرسکون اور پُر امن اقلیم میں پہنچ جائیں اور وہاں اپنی تکمیل کے عروج حاصل کریں اس لئے کہ ان کے عقیدہ میں اس عالم مادی میں انسان کی تکمیل ممکن نہیں اس کا طبعی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمدن پر عالم نزع طاری ہو جاتا ہے شہر ویرانے بننے لگتے ہیں اور زندگی کا شیرازہ بکھرنے لگتا ہے چونکہ یہ اصول و عقائد فطرتِ انسانی سے برسرِ جنگ ہیں اس لئے فطرت ان کے خلاف رہ رہ کر بغاوت کرتی ہے اور اس کا انتقام

ایسی حیوانی مادیت سے ملتی ہے جس میں روحانیت و اخلاق کے ساتھ کوئی رواداری نہیں  
 برتی جاتی اس انقلاب میں انسانیت کی جگہ ایک چوپایانہ زندگی یا مزدنگی یا مسخ شدہ انسانیت  
 برسرِ ظہور ہو جاتی ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس رعبانی جماعت پر کوئی طاقت و رادائی جماعت  
 حملہ آور ہوتی ہے اور پہلی جماعت اپنی فطری کمزوری کی وجہ سے اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز  
 ہو کر حملہ آور جماعت کے سامنے ہتھیار ڈال دیتی ہے یا رعبانی جماعت خود امور دنیاوی کے انہماک  
 میں مشکلات محسوس کر کے مادیت اور اہل مادیت کی طرف مدد کا ہاتھ بڑھاتی ہے اور تمام سیاسی  
 امور ان کو سپرد کر کے خود عبادات اور مذہبی رسوم پر قانع ہو جاتی ہے اور دین و سیاست کی تفریق  
 وجود میں آتی ہے روحانیت و اخلاق روز بروز بے اثر اور عملی زندگی سے بے دخل ہوتے چلے جاتے  
 ہیں یہاں تک کہ انسانی سوسائٹی ان کی گرفت سے بالکل آزاد ہو جاتی ہے زندگی خالص مادہ پرستانہ  
 بن کر رہ جاتی ہے اور دین و اخلاق صرف ایک سایہ ہی سایہ بن کر یا ایک علمی نظریہ کے طور پر باقی  
 رہ جاتے ہیں دنیا کی کثیر جماعتیں (جنہوں نے بنی نوع انسان کی قیادت و رہنمائی کی ہے)  
 اس عیسے خالی تھیں یا وہ مادہ پرست تھیں یا رعبانی اس لئے انسانی تمدن اپنے اکثر عہد میں  
 حیوانی مادیت اور رعبانی روحانیت کے درمیان جھولا جھوتا رہا اور انسانوں کی کشتی حیات  
 ڈھانسی ہوئی سروس کے درمیان ہچکولے کھاتی رہی کبھی مادیت کا غلبہ ہو گیا اور کبھی روحانیت کا  
 اعتدال و جامعیت بہت کم اس کو نصیب ہوئی۔

## صحابہ کرامؓ کا امتیاز

صحابہ کرامؓ کی خصوصیت تھی کہ وہ دین و اخلاق اور قوت و سیاست کے مکمل پیکر تھے  
 اور ان کی منتشر صفات ان میں بیکے وقت جمع تھیں ان میں انسانیت کی اپنے تمام گوشوں بشمول

اور محاسن کے ساتھ نمود تھی اس اخلاقی اور اعلیٰ روحانی تربیت اس عجیب غریب اعتدال (جو انسانوں میں کسرت دیکھنے میں آتا ہے) اس غیر معمولی جامعیت جس کی مثال تاریخ میں بہت کم ملتی ہے اور پھر مکمل مادی تیاری اور وسیع عقل کی بنا پر ان کے لئے ممکن تھا کہ وہ انسانی گروہوں کو ان کے اعلیٰ روحانی و اخلاقی و مادی مقصد و کمال تک پہنچا سکیں چنانچہ ہم کو تاریخ میں خلافت راشدہ کے دور سے زیادہ ان تمام حیثیتوں سے مکمل اور کامیاب دور کا علم نہیں اس دور میں روحانی و اخلاقی دینی و علمی و روحانی وسائل و سامان انسان کامل اور صالح تمدن کے وجود میں لانے میں ایک دوسرے کے مددگار تھے اس حکومت میں جس کا شمار دنیا کی عظیم ترین حکومتوں میں تھا اور ایسی سیاسی و مادی قوت کے ساتھ جو تمام معاصر قوتوں سے فائق و برتر تھی اعلیٰ اخلاقی نمونے معیار کا کام دیتے تھے اور اخلاقی تعلیمات زندگی اور نظام حکومت کے لئے میزان کا درجہ رکھتی تھیں تجارت و صنعت کے ساتھ اخلاق اور فضیلت بھی اپنے پورے عروج پر تھی فتوحات کی وسعت اور تمدن کی ترقی کے ساتھ اخلاق و روحانیت کی ترقی بھی جاری تھی چنانچہ اسلامی حکومت کی غیر معمولی وسعت آبادی کی انتہائی افزونی عیش و عشرت کے وسائل اسباب اور زرخیزیت کے باوجود جرائم و بد اخلاقیوں کے واقعات بہت کم پیش آتے تھے فرد کا دوسرے فرد کے ساتھ اور فرد و جماعت کا باہمی تعلق حیرت انگیز طریقہ پر بہتر تھا یہ ایک میاری دور تھا جس سے زیادہ ترقی یافتہ دور کا انسان خواب نہیں دیکھ سکا اور اس سے زیادہ مبارک و پرہیزگار زمانہ فرض نہیں کیا جاسکا۔ نتیجہ تھا محض ان لوگوں کی سیرت کا جو حکومت کا کاروبار چلا رہے تھے اور تمدن کے نگراں تھے اور ان کے عقیدہ، تربیت، طرز حکومت اور اصول سیاست کا اس لئے کہ وہ جہاں اور جس حال میں ہوتے دین اخلاق کا اعلیٰ نمونہ تھے وہ حکام کی حیثیت میں ہوتے یا معمولی کارکنوں کی پولیس کی حیثیت میں ہوتے یا فوج کی ہیبت سے محتاط و پاک اس دیانت دار امانت شہداء و خدائے اترس اور منکر مزاج پائے جاتے۔

ایک رومی سردار سلمان فوجوں کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے "رات کو تم ان کو عبادت گزار پاؤ گے اور دن کو روزہ دار، عہد وفا کرتے ہیں، بھلائی کا حکم دیتے ہیں، بُرائی سے روکتے ہیں اور آپس میں پورا انصاف اور سفاقت برتتے ہیں"۔

دوسرے کے الفاظ میں وہ دن کو شہسوار ہوتے ہیں اور رات کو عبادت گزار اپنے مفتوحہ علاقہ میں بھی وہ قیمت دے کر کھاتے ہیں، سلام کر کے داخل ہوتے ہیں اور ایسا حکم کر لیتے ہیں کہ دشمن کا خاتمہ ہی کر دیتے ہیں"۔

ایک تیسرے شخص نے ان الفاظ میں تعریف کی "رات کو دیکھو گے تو معلوم ہو گا کہ اُن کو دنیا سے کچھ تعلق نہیں اور عبادت کے سوا کوئی کام نہیں اور دن کو گھوڑے کی پیٹھ پر اس طرح نظر آئیں گے کہ گویا یہی کام ہے، بڑے تیز انداز اور بڑے بڑے باز خدا کی یاد میں اس طرح مشغول و زرباں کہ اُن کی مجلس میں کسی بات کا سنا مشغل ہوتا ہے"۔

اسی اخلاقی تربیت کا نتیجہ تھا کہ مدائن کی فتح میں کسریٰ کا مرتضیٰ تلج اور اس کا فرزند بابر جو لاکھوں شرفیوں کی مالیت کا تھا، فوج کے ہاتھ لگتا ہے لیکن کیا مجال کہ اس میں ذرا بھی تصرف کیا جاسکے وہ قائد کے حوالہ کر دیتے ہیں اور قائد حضرت عمرؓ کو بھیج دیتے ہیں وہ تعجب کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے اس کو حوالہ کر دیا اور حفاظت کے ساتھ پہنچایا ان کی امانت واقعی قابلِ تعریف ہے۔

## دنیا اور دنیا کی زندگی کے بارے میں سلامی نقطہ نظر و طرز عمل

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیروں کی پہلی جماعت ایسی ہی تھی کہ اس کے سایہٴ

لہ روایت احمد بن مردان مالکی کتاب المجالس۔ ۴۵۰ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) جلد ۷ ص ۵۵

۴۵۰ ایضاً ص ۱ سیرۃ عمر بن الخطاب ابن جوزی۔

اس کی حکومت میں نوع انسانی کو پوری کامیابی و سعادت حاصل ہوا اور اس کی قیادت میں اس کا جو قدم پڑے وہ صحیح پڑے اور صحیح منزل کی طرف اٹھے، دنیا کو ہر قسم کا اطمینان اور فائز البالی ہر طرح کی سرسبزی و شادابی اور خیر و برکت حاصل ہوا انسانوں کی مصلحتوں کا ان سے زیادہ جاننے والا اور ان سے زیادہ ان کا خیال رکھنے والا، دنیا کے لئے ان سے بہتر نگراں و محافظ اور انسانوں کا ان سے بڑھ کر خیر خواہ کوئی نہیں ہو سکتا تھا، وہ بعض اہل مذہب کی طرح دنیا کی زندگی کو لعنت کا طوق نہیں سمجھتے تھے اسی کے ساتھ وہ اس کو عیش و عشرت کی آخری فرصت و مہلت بھی نہیں سمجھتے تھے کہ اس کا ایک ایک منٹ قیمتی سمجھتے اور اس کے لذائذ ان کو کسی دوسرے دن کے لئے نہ اٹھا رکھتے، اسی طرح سے وہ اس زندگی کو کسی سابق قدیم گناہ کی سزا بھی نہیں سمجھتے تھے جو ان کے لئے مقدم ہو چکی ہے نیز مادہ پرست اقوام کی طرح وہ دنیا کو خواںِ یغما بھی نہیں سمجھتے تھے جس پر وہ بھوکوں کی طرح گریں اور زمین کی دولتوں اور خزانوں کی پڑا ہوا لاداولیٰ مالی نہیں سمجھتے تھے جس کے لوٹنے کے لئے وہ ٹوٹ پھریں، وہ مکر و قیوموں کو شکار نہیں سمجھتے تھے جس کے شکار کرنے کے لئے وہ ایک دوسرے سے مقابلہ کریں ان کا اعتقاد تھا کہ یہ زندگی اللہ کی ایک نعمت ہے جس میں اللہ سے قرب حاصل کرنے اور اپنے کمال انسانی تک پہنچنے کا ان کو موقع دیا گیا ہے اور عمل اور جدوجہد کی ایک مہلت ہے جس کے بعد اس کے لئے کوئی مہلت نہیں۔

الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ  
اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (الملك - ۲)

جس نے مرنا اور حیا بنایا تاکہ تم کو جانچے  
کہ کون تم میں عمل میں بہتر ہے۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِينَةً  
لِّهَا لِيَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا

ہم نے جو کچھ زمین پر ہے اس کو اس کی زینت  
بنایا ہے تاکہ لوگوں کو جانچیں کہ کون ان میں

(الکہف - ۷) زیادہ اچھا کام کرتا ہے۔



وہ اس عالم کو اللہ کی مملکت سمجھتے تھے جس میں اللہ نے ان کو اول بحیثیت انسان کے اور پھر بحیثیت مسلمان کے اپنا نائب اور اہل زمین کا نگراں بنایا۔

إِلَى جَاعِلٍ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً

میں زمین میں ایک نائب بنانے والا

(البقرہ - ۳۰) ہوں۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ

وہی ہے جس نے جو کچھ زمین میں ہے

جَمِيعًا

(البقرہ - ۲۹)

سب تمہارے واسطے پیدا کیا۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ

ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی اور خشکی

فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَدَقْنَاهُمْ مِّنَ

وتری دونوں ٹیٹاس کی سواری کا سامان کیا

الطَّبَائِثِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِّمَّنْ

اور اچھی چیزیں اس کی روزی کے لئے

خَلَقْنَا أَنْفُسِنَا

ہم نے اپنی نفسیں پیدا کیں

(بنی اسرائیل - ۷۰)

ان میں سے اکثر پر اُسے پوری پوری بڑی

لئے دی۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کرتے ہیں

الصَّالِحَاتِ لَنَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ

ان سے خدا کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کی خلافت

مَّا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ

مزدور عطا کرے گا جیسے ان لوگوں کو عنایت

وَمُبَلِّغِينَ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ

کی تھی جو ان سے پہلے تھے اور جس دین کو ان کے

لَهُمْ وَيَسْبِقُونَهُمْ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ

لئے پسند کیا ہے اس کو ان کے لئے جا کر رہے گا اور

أَمَّا يَبْعُدُ وَيُنَبِّئُ لَا يُشِيرُ كَوْنُ

خون جو ان کو لاحق ہے اس کے بدل میں اس

بِشَيْءٍ (النور - ۵۵)

دے گا میری بندگی کو جس کے میرا کسی کو شریک

نہ کرے گا۔

اُن کو اللہ نے زمین کی دولتوں سے بغیر اسرار و فضول خرچی کے فائدہ اٹھانے کا حق بخشا۔

وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ  
الْمُسْرِفِينَ ۝ (اعراف-۳۱)

کھاؤ پیو مگر حد سے نہ گزرجاؤ نہ انہیں پسند نہیں کرنا جو حد سے گزر جانے والے ہیں۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي

أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ

الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي

الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ

الْقِيَامَةِ ۔

(اعراف-۳۲) میں قیامت میں خالص ہو کر۔

ان کو دنیا کی قوموں اور انسانی گروہوں پر نگراں اور اتالیق مقرر کیا ہے اور وہ ان پر

امور میں کردہ اُن کی رفتار سیرت و اخلاق اور رجحانات کا جائزہ لیتے رہیں جو راہِ راست سے

مخرف ہو جائے اُس کو صراطِ مستقیم پر لائیں، جو اعتدال سے بڑھ جائے اس میں اعتدال پیدا کریں

کجی کو دور کرتے رہیں، رخنوں کو بھرتے رہیں، کمزور کو طاقتور سے اس کا حق دلائیں، مظلوم کا ظالم

سے انصاف کرائیں اور خدا کی زمین میں انصاف و امن قائم رکھیں۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ

تَامِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوُونَ

عَنِ الْمُنكَرِ أُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ بِالله

(آل عمران-۱۱۰) لائے ہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَقْوَامًا

لِأَيِّهَا وَالْإِنصافِ بِقَائِمًا رُحُو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا (النساء ۱۳۵) اللہ کی طرف سے گواہ بنو۔

ایک یورپین نو مسلم عالم نے مسلمانوں کے اس امتیاز کو اور دنیا کی زندگی کے بارے میں اس مختلف نقطہ نظر اور طرز عمل کو بڑی خوبی سے بیان کیا ہے اس کا اقتباس نامناسب نہ ہوگا:

”اسلام عیسائیت کی طرح دنیا کے متعلق بُری رائے نہیں رکھتا، اس کی تعلیم ہے کہ ہم دنیاوی زندگی کی قدر و قیمت میں موجود مغربی تہذیب کی طرح مبالغہ نہ کریں، عیسائیت دنیاوی زندگی کی ذمت کرتی ہے اور اس سے نفرت رکھتی ہے، موجودہ یورپ روح عیسویت کے خلاف زندگی پر ایسا گڑا ہے جیسے بواہوس کھلنے پر وہ اس کو ٹنگتا تو ہے لیکن اس کی عزت کرنا نہیں جانتا، اسلام ان دونوں کے برعکس زندگی کو سکون و احترام کی نگاہ سے دیکھتا ہے، وہ زندگی کی پریشانی نہیں کرتا بلکہ ایک بلند تر زندگی کے سفر کی ایک ضروری منزل سمجھتا ہے جس سے گزر جانا ہے اس بنا پر انسان کو اس کی تحقیر اور اپنی اس دنیاوی زندگی کی بے وقعتی نہیں کرنی چاہئے، زندگی کے سفر میں ہمارا اس دنیا سے گزرنا ضروری اور اللہ کے یہاں مقدر ہو چکا ہے، پس انسان کی زندگی اپنی پوری قیمت رکھتی ہے لیکن ہم کو یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ وہ محض ایک واسطہ اور آئینہ ہے اور اس کی قیمت اس سے زائد نہیں جو واسطوں اور آلات کی ہوتی ہے، اسلام اس مادہ پرستانہ نظریہ کا روادار نہیں جس کا قول ہے کہ میری سلطنت یہی دنیا ہے اور نہ وہ عیسائیت سے متفق ہے جو زندگی کی تحقیر کرتی ہے، اور کہتی ہے کہ یہ دنیا میری سلطنت نہیں، اسلام کی راہ ان دونوں کے درمیان ہے قرآن ہم کو اس جامع دعا کی تعلیم دیتا ہے: رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً (اے اللہ ہم کو دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی) اس دنیا اور اس کی چیزوں کی قدر شناسی ہماری روحانی جدوجہد کے راستے میں ننگ کرنا نہیں

آزی ترقی اور خوش حالی نہ مقصود بالذات ہے اور نہ ناپسندیدہ فشی، ہماری ساری  
 کوششوں اور جدوجہد کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ ایسے انفرادی و اجتماعی حالات  
 و اسباب پیدا ہو جائیں اور ایسا ماحول قائم ہو جائے اور اگر موجود ہے تو ہم اس کو  
 باقی رکھیں جو انسان کی اخلاقی طاقت کی ترقی میں مددگار ہو، اس اصول کے مطابق  
 اسلام مسلمان میں ہر چھوٹے بڑے کام کے موقع پر اخلاقی ذمہ داری کا احساس پیدا  
 کرنا چاہتا ہے، اسلام کا مذہبی نظام انجیل کی اس تقسیم کو ہرگز پسند نہیں کرتا کہ قیصر  
 کا حق قیصر کو دے دو اور اللہ کا حق اللہ کو دو، اس لئے کہ اسلام ہماری زندگی کی  
 ضرورتیں اور اخلاقی اور عملی قسموں میں تقسیم کرنے کا روادار نہیں، اس کے نزدیک انتخاب کا  
 ایک ہی حق ہے اور وہ یہ کہ انسان یا تو حق کو اختیار کرے یا باطل کو، اس کے نزدیک  
 کوئی درمیانی چیز نہیں، اس لئے وہ عمل پر زور دیتا ہے کہ وہ اخلاق کا ایک لازمی  
 جزو ہے، اسلامی تعلیمات کی دوسرے ہر فرد مسلم کو اپنے آپ کو ماحول اور اس کے گرد و پیش  
 کے واقعات کا شخصی طور پر جواب دہ سمجھنا چاہئے اور اپنے پیش دینی جدوجہد کے لئے  
 مامور اور ہر وقت اور ہر سمت میں حق کے قیام اور باطل کے زوال کا ذمہ دار تصور  
 کرنا چاہئے، قرآن کریم ارشاد ہے :-

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ  
 عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْتُونَ بِآيَاتِهِ

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا  
 کی گئی، نیکی کا حکم دیتے ہو اور بُرائی سے  
 روکتے ہو اور اللہ کے آیتیں پراکھناتے ہو۔

(آل عمران ۱۱۰) لاتے ہو۔

یہی بات اسلام کی جارحانہ کارروائی، ابتدائی اسلامی فتوحات اور اسلامی حکومت

اخلاق کی طور پر حق بجانب ثابت کرتی ہے، پس اسلام استعماری (IMPERIALIST) ہے اگر یہ فہم انھیں الفاظ سے ادا ہو سکتا ہے لیکن استعمار IMPERIALISM کی اس قسم کی محرک حکومت اور غلبہ کی محبت بالکل نہیں اور نہ اقتصادی اور خود غرضی کو اس میں کچھ دخل ہے، مجاہدین اولین کو جو چیز میدان جنگ میں بڑے ذوق و شوق کے ساتھ لے جاتی تھی وہ دوسروں کی دولت و محنت کے ذریعہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے کی لاپس نہ تھی، اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ایک یا دنیاوی ڈھانچہ بنا دیا جائے جس میں انسان کے لئے بہتر سے بہتر روحانی ترقی ممکن ہو، اسلامی تعلیمات کی رو سے اخلاق و فضیلت کا علم انسان سے اخلاقی ذمہ داری کا مطالبہ کرتا ہے، یہ بڑی بے غیرتی کی بات ہے کہ انسان نظری طور پر حق و باطل میں امتیاز کرے، پھر حق کی ترقی اور باطل کے زوال کے لئے جدوجہد نہ کرے اسلام کی رو سے اگر انسان حق اور نیکی کے غلبہ اور حکومت کے لئے سعی و جانفشانی کرتا ہے تو وہ زندہ رہتی ہے اور پھلتی پھوٹی ہے اور اگر اس کی مڑ اور تقویت میں دریغ کرتا ہے اور اس کی حمایت و نصرت سے دست کشی کرتا ہے تو اس کو زوال ہو جائے گا اور وہ بالکل مغلوب ہو جائے گی۔

## اسلامی اقتدار اور اسلامی تمدن کے اثرات و نتائج

پہلی صدی ہجری میں اسلامی تمدن کا اپنی پوری روح اور مظاہر کے ساتھ نمودار اور اسلامی حکومت کا اپنی صحیح شکل و نظام کے ساتھ قیام مذاہب اخلاق کی تاریخ میں ایک نئے باب کا آغاز اور سیاست و اجتماع کی دنیا میں ایک بالکل نیا واقعہ تھا، اس انقلاب سے تمدن کے دھائے کا رخ

اور دنیا کے سفر کی سمت بدل گئی، اسلام کی عظیم شان فتح جاہلیت کے لئے ایک ایسی آزمائش اور خطرہ تھا، جس سے اس کو اس سے پہلے بھی سابقہ نہیں پڑا تھا، ابھی تک اس کے حریف (اسلام) کی حیثیت ایک دینی اور روحانی دعوت سے زیادہ نہ تھی اب دفعۃً وہ سب کچھ ہو جاتا ہے، سادت و نجات کا پورا نظام، روحانیت و مادیت کا مکمل مجموعہ، زندگی اور موت کا پورا منظر، ایک مکمل تمدن اور اجتماع، ایک طاقتور حکومت، ایک کامل نظام سیاسی۔

اب ایک طرف ایک ایسا معقول سہل الفہم اور ممکن العمل دین تھا، جو سراسر حکمت و معقولیت تھا، دوسری طرف محض اوہام و خرافات اور قصہ کہانیاں ایک طرف الہی شریعت اور آسمانی وحی تھی اس کے مقابل میں محض قیاس اور انسانی تجربہ اور انسانوں کا بنایا ہوا قانون۔

ایک طرف ایسا بلند و بزر تمدن تھا، جس کی بنیاد غیر متزلزل اور جس کے اصول غیر متبدل خوف خدا احتیاط و امانت کی روح اس کے پورے نظام میں جاری و ساری تھی، اس کے حلقہ میں دولت و عزت کے مقابل میں خلاق و پارسائی اور کھوکھلے مظاہر کے مقابل میں روح اور اصلیت کی عزت و قیمت زیادہ تھی، لوگوں میں سادات تھی اور اگر کسی کو کسی پر ترجیح حاصل تھی تو محض تقویٰ کی بنا پر لوگوں کی بڑی توجہ اور اصل کو کشش آخرت کے لئے تھی، اس لئے طبیعتوں میں اطمینان اور دلوں میں قناعت تھی، زندگی کے سامان و اسباب میں کوئی حرص و مبالغت اور دنیا کی دولت پر پروا نہ دار و انگلی نہیں تھی، اس کے مقابل میں جاہلی تمدن تھا، پر شہوا و پر تلاطم، متزلزل اور مضطرب، بڑا چھوٹے پر ظلم کرتا تھا اور طاقتور کمزور کو کھائے ڈالتا تھا، اہو و لعب اور براخلاقی میں مبالغت اور جاہ و دولت اور سامان عیش و راحت کے حصول میں سخت مقابلہ تھا، یہاں تک کہ دنیا ایک میدان جنگ اور زندگی عذاب جان بن کر رہ گئی تھی۔

ایک طرف عادل اسلامی حکومت تھی جو اپنی رعیت کو ایک نظر سے دیکھتی تھی کمزور کو طاقتور

اُس کا حق دلاتی تھی، لوگوں کے گھروں اور جان و مال کی طرح ان کے اخلاق کی نگرانی و حفاظت بھی اپنا فرض سمجھتی تھی، ان میں سب سے بہتر ان کے حکام تھے، اور سب سے زاہدانہ زندگی ان لوگوں کی تھی جن کو سب سے زیادہ عیش و راحت کا سامان اور اس کے مواقع حاصل تھے، اس کے مقابلہ میں جاہلی حکومتیں جہاں ظلم و ستم رانی کا بازار گرم تھا، جس کے کارکنان حکومت نے خیانت و ظلم پر گویا کمر باندھ رکھی تھی، جس کے افراد لوگوں کا مال ناحق کھانے اور ان کی بے آبروئی و خوہنریزی میں ایک دوسرے سے بڑھ جانا چاہتے تھے، اور اپنے عمل کا نمونہ پیش کر کے لوگوں کے اخلاق خراب کرتے تھے، ان میں سب سے بڑا حکام اور بادشاہ تھے، ان کی حکومت میں انسان بھوکوں مرتے اور ان کے جانور اور کتے شکم سے مرنے، ان کے محل زرنگار پردوں میں بیوس مرنے اور لوگوں کو تن ڈھلکے کے لئے کپڑا نصیب نہ دینا۔ اب لوگوں کو اسلام میں کوئی رکاوٹ اور اس کے قبول کرنے میں کوئی دشواری محسوس نہیں ہوتی تھی، اور جاہلیت میں کوئی وجہ ترجیح نظر نہیں آتی تھی، آدمی کو اسلام قبول کرنے پر کچھ کھانا نہیں پڑتا تھا، اور سب کچھ حاصل ہو جاتا تھا، اس کو یقین کی ٹھنڈک، ایمان کی شیرینی، اسلام کی قوت ایک طاقتور حکومت کی سرپرستی اور ایسے دوستوں اور مددگاروں کی حمایت حاصل ہو جاتی تھی، جو اس پر اپنی جان و مال قربان کرنے کے لئے تیار رہتے تھے، اطمینانِ قلب اور موت کے بعد کی زندگی کے بارہ میں اعتماد و سکون حاصل ہوتا تھا، لوگ آسانی کے ساتھ جاہلیت کے محاذ سے اسلام کے محاذ کی طرف منتقل ہونے لگے، جاہلیت کے علاقہ میں اسلام پھیلنے لگا اور اسلام کو طاقت اور اقتدار حاصل ہوتا گیا، یہاں تک کہ کمزور طبیعتوں کے لئے بھی کفر و اسلام کے بارہ میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہی، اور خالص اللہ کی فرماں برداری آسان ہو گئی۔

اس انقلاب کا اثر بہت وسیع اور گہرا تھا، خدا پرستی کی راہ جاہلیت کی حکومت و اقتدار میں دشوار اور خطرات سے بھری ہوئی تھی، اب بہت سہل اور محفوظ ہو گئی، جاہلیت کے حلقہ اور

ماحول میں خدا کی اطاعت شکل تھی اب اسلامی ماحول میں خدا کی نافرمانی شکل ہو گئی، کل تک برسرِ بازار اور دکنے کی چوٹ پر فسق و فجور اور جہنم کی طرف دعوت دی جاتی تھی، اب ایسا کرنا بہت مشکل تھا، کل تک خدا کی ناراضگی اور اس کی نافرمانی کے اسباب مواتع بکثرت اور بلا اعلان تھے، اب ان پر بڑی پابندیاں اور ان کے لئے بڑی رکاوٹیں تھیں، کل تک الشہرہ کی زمین میں لٹری کی طرف دعوت دینا ایک جرم تھا، جس کے لئے بڑی احتیاط اور رازداری کی ضرورت تھی، اب وہ ایک ایسا کارِ خیر تھا جس کے لئے کسی رازداری اور پردہ کی ضرورت نہ تھی، نہ دعوت دینے والوں کو کوئی خطرہ تھا، اور نہ قبول کرنے والوں کو، قرآن مجید نے اس فرق کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے:-

وَإِذْ كُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثًا ۚ لَمَّا أَنْتُمْ فِي قُلُوبٍ مُّتَمِّصَةٍ  
فِي الْأَرْضِ وَنَحْوُكَ ۖ إِنَّكُمْ تَخْطَفُونَ  
النَّاسَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَضَرِّعُونَ  
وَوَدَّ قَوْمٌ مِّنَ الْيَاقُوتَةِ لَمَّا كَلَّمُوا  
تَسْلُوُونَ ۚ

اور وہ وقت یاد کرو جب تمہاری تعداد  
بہت تھوڑی تھی اور تم ملک میں کمزور سمجھے  
جاتے تھے تم اس وقت ڈرتے تھے کہ کہیں لوگ  
تم کو اچک نہ لے جائیں پھر اللہ نے تمہیں  
ٹھکانا دیا اپنی مددگاری سے قوت بخشی

(الانفال - ۲۶)

اور اچھی چیز میں دے کر رزق کا سامان مہیا  
کر دیا تاکہ تم شکر گزار ہو۔

اس اقتدار و طاقت کی وجہ سے مسلمان لفظی و لغوی معنی میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے لگے، اور حکم و ممانعت کی قوت ان کو حاصل ہو گئی۔

جس طرح موسمِ بہار میں نباتات اور انسانوں کے مزاج موسم سے متاثر ہوتے ہیں اسی طرح محسوس اور غیر محسوس طریقہ پر اسلامی اقتدار و تمدن کے زمانہ میں لوگوں کی طبیعتیں اور ذہنیتیں



اور اسلام سے متاثر ہونے لگیں، دلوں میں گداز و نرمی پیدا ہونے لگی، اسلام کے اصول و خالقِ دل و دماغ میں پیوست ہونے لگے، اشیاء کی قدر و قیمت کے بارے میں لوگوں کا نقطہ نظر بدلنے لگا، کل تک جن چیزوں اور جن صفات کی لوگوں کی نگاہ میں بڑی وقعت و اہمیت تھی اب وہ جاتی رہی اور جو چیزیں بے وقعت تھیں اب وہ وقیع بن گئیں، پرانے میاروں کی جگہ نئے معیاروں نے لی، جاہلیت، رجب و پندہ کی علامت بن گئی، اور اس کے متبعین میں احساسِ کتری پیدا ہو گیا، اسلام کی طرف انساب اس کے شمار اور خصوصیات کو اختیار کرنا ایک فخر اور تعریف کی چیز بن گئی، دنیا اسلام سے آہستہ آہستہ قریب ہو رہی تھی جس طرح اس کرۂ ارضی کے رہنے والوں کو آفتاب کے گرد گردن کا احساس نہیں ہوتا، اسی طرح ان قوموں کو اور ان کے افراد کو اپنے اسلامی رجحانات اور اسلام کے اندرونی اثرات کا احساس نہیں ہوتا تھا، ان اثرات سے علم و فلسفہ خالی تھا، مذہب تمدن، لوگوں کے ضمیر اور ان کے باطن ان اثرات کی شہادت دیتے تھے، اور ان کے اصلاحی میلانات اس کی غمازی کرتے تھے، مسلمانوں کے منزل کے بعد بھی جو اصلاحی تحریکات ان قوموں میں پیدا ہوئیں وہ اسلامی اثرات اور اسلامی خیالات کا نتیجہ ہیں۔

اسلام نے توحید کی دعوت پیش کی اور بت پرستی اور شرک کی ایسی مذمت اور بھوک کی کہ بت پرستی اور شرک ہمیشہ کے لئے بے وقعت اور ذلیل ہو گیا، لوگوں کو اس سے شرم آنے لگی، اور اس سے وہ اپنے کو برتری ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگے، یا تو وہ بڑی جرأت اور صفائی کے ساتھ اس کا اقرار کرتے تھے، اور تعجب سے کہتے تھے:-

أَجَلَّ الْأَلِیَّةَ إِلَہَا وَلِجِدَادَاتٍ      کیا سب معبودوں کو (بظرف کر کے) ایک ہی

هَذَا الشَّیْءُ عَجَابٌ      (ص-۵)      معبود قرار دیا یہ تو بڑے اچھے بھگنے کی بات

یا اب اپنے مذہب کے مشرکانہ اجزاء و اعمال کی تاویل و توجیہ اور اس کی تشریح کی ایسی کوشش کرنے لگے کہ

وہ توحید سے ملتی جلتی چیز نظر آئے، عیسائیوں میں ایسے گروہ پیدا ہوئے جو حضرت مسیحؑ کی الوہیت کا انکار اور عقیدہ تثلیث کی توحیدنا تشریح کرتے تھے، ان میں ایسے مصلح بھی پیدا ہوئے جو عیسائیوں کے مذہبی گروہ اور اہل کلیسا کے شر اور بندہ کے درمیان وساطت کے منکب تھے، ان پر سخت تنقیدیں کرتے تھے، اور ان کے مخصوص حقوق کو نہیں مانتے تھے، آٹھویں صدی عیسوی میں یورپ میں ایک ایسا گروہ ظاہر ہوا جو پادریوں کے سامنے اپنے گناہوں کے اقرار کرنے کی مخالفت کرتا تھا اور جس کی دعوت تھی کہ صرف اللہ کے سامنے دعا و استغفار اور اپنے سابقہ گناہوں کا اعتراف و اقرار کرنا چاہیے اور اس میں کسی انسانی وساطت کی ضرورت نہیں!

اسی طرح آٹھویں صدی عیسوی سے نویں صدی تک یورپ میں اس تحریک کا بڑا زور رہا ہے کہ تقاضا ویرا ورت ایک خلاف مذہب فعل ہے، اور ان میں کوئی تقدیس نہیں، اس تحریک نے اتنا زور پکڑا اور اتنا اثر و اقتدار حاصل کر لیا کہ یوسوم، قسطنطین پنجم اور سیوچہارم جیسے عظیم الشان شاہانِ روم نے اس کی حمایت اور پشت پناہی کی، اول الذکر نے ۷۲۶ء میں ایک فرمان صادر کیا جس میں ہر کاری طور پر تصویروں اور بتوں کی تقدیس کی ممانعت کی گئی تھی، ۷۳۰ء میں دوسرے فرمان میں اس کو اس نے بت پرستی قرار دیا تھا، مسیحی اور بت پرست یورپ اور رومی یونانی تمدن (جس کی تصویر نوازی اور بت تراشی شہرہ آفاق ہے) میں تصویروں اور بتوں کے خلاف یہ انکار و جہاد یقیناً اسلام کی بُرت شکنی اور اعلانِ توحید کی صدائے بازگشت تھی جو مغرب میں اسلامی اندلس اور اسلامی تبلیغ و اثرات کے ماتحت پہونچی، اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ کلودیوس (CLAUDIUS) جو تو رین کا لاٹ پائی اور اس تحریک دعوت کا بڑا پرچم و شعلہ علم بردار تھا، یہاں تک کہ وہ اپنے حلقہ اثر میں تصویروں اور صلیبوں کو جلا دیا کرتا تھا، اس کے متعلق تاریخی طور پر معلوم ہے کہ اس کی ولادت اور وفات اندلس میں

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو صحنی الاسلام بحوالہ صلاح الدین خدا بخش۔

ہوئی ہے اور یہ دوسری صدی ہجری کا زمانہ ہے جب ہاں مسلمانوں کی حکومت اور مسلمانوں کا تمدن اپنے عروج پر تھا۔

یورپ کی مذہبی تاریخ اور سچی کلیسا کی سرگزشت کا اگر گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو اسلام کے ذہنی اثرات کے اور بہت سے نمونے اور نظیریں ملیں گی، خود کو تھرکی شہور اصلاحی تحریک اپنے نقائص کے باوجود اسلام سے متاثر تھی اور مومنین کو اس کا اعتراف ہے کہ اس کے بانی پر اسلامی تعلیمات کے اثرات پڑے تھے اور صرف مذہب ہی نہیں بلکہ یورپ کی پوری زندگی اور اس کا تمدن اسلام سے متاثر ہوا ہے رابرٹ بریٹالٹ ROBERT BRITALLT اپنی کتاب - THE MAKING OF HUMANITY میں لکھتا ہے:-

”یورپ کی ترقی کا کوئی شبہ اور کوئی گشایا نہیں ہے جس میں اسلامی تمدن کا دخل نہ ہو اور اس کی ایسی نمایاں یادگاریں نہ ہوں جنہوں نے زندگی پر بڑا اثر ڈالا ہے۔“  
دوسرے جگہ لکھتا ہے:-

”صرف طبی علوم ہی (جن میں عربوں کا احسان مسلم ہے) یورپ میں زندگی پیدا کرنے کے ذمہ دار نہیں ہیں بلکہ اسلامی تمدن نے یورپ کی زندگی پر بہت عظیم اثرات ڈالے ہیں اور اس کی ابتدا اسی وقت سے ہو جاتی ہے جب اسلامی تہذیب و تمدن کی پہلی کرنیں یورپ پر پڑنی شروع ہوئی ہیں۔“

اسی طرح ہندوستان کی قوموں کے اخلاق و معاشرت اور قانون سازی میں اسلامی ذہنیت اور اسلامی شریعت کے اثرات نظر آئیں گے، عورت کا احترام اور اس کے حقوق کا اعتراف مختلف انسانی گروہوں کے درمیان مساوات کا اصول اسلامی فتوحات اور مسلمانوں کے اخلاق کے بعد

لے تفصیل کے لئے دیکھئے ضخی الاسلام ص ۱۶۳-۱۶۵ بحوالہ مصلح الدین خدا بخش، ص ۱۹۷ ایضاً ص ۲۰۲

روز بروز زیادہ تسلیم کیا جانے لگا، غرض متدین اور آباد دنیا کا کوئی مذہب اور کوئی تمدن نبشت نہ رہی اور ظہورِ اسلام کے بعد یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ اسلام اور مسلمانوں سے قطعاً اثر نہیں ہوا۔

اسلامی حکومت اور اسلامی تہذیب کے دورِ انحطاط میں بھی اسلام کی سابقہ دعوت اور قوت کے آثار اور یادگاریں باقی تھیں، انھیں میں سے ایک خدا تباری تھی جو پوری اسلامی دنیا میں عام تھی، خدا کا خیال مسلمان کے دل و دماغ کی گہرائیوں میں اس طرح اتار دیا گیا تھا کہ وہ ہتم کے انقلابات و تغیرات اور دینی تنزل میں بھی نہیں نکل سکا، مسلمان کے لئے فسق و فجور ممکن تھا (اور مسلمانوں کے دورِ تنزل میں اس کا اچھی طرح ظہور ہوا) مگر خدا کا خیال دل و دماغ سے دور نہیں ہو سکا، نفس تو اس کی ملامت، تنبیہ کی سرزنش، خدا کی موجودگی کا خیال اور آخرت کا کھٹکا بدستِ او خود فراموشی کے عالم میں بھی دل میں چٹکیاں لیتا تھا، اور کبھی کبھی اپنا کام کر جاتا تھا، اسی کا نتیجہ تھا کہ فسق و فجور بعض اوقات دفعۃً فسق و فجور سے توبہ کر کے صاحبینِ متقین کے گروہ میں شامل ہو جاتے، زندانِ خرابات ایک ٹھوکرے ہو شیار ہو کر کعبہ کی راہ لیتے، بڑے بڑے شاہزادے اور ناز پرورد امیرزادے ایک معمولی سی غلیبی تنبیہ سے (جس سے ہزار درجہ زیادہ تنبیہیں مادتیت و کفر کے دور میں بے اثر ثابت ہوتی ہیں) تحت و تاج چھوڑ کر فقر و درویشی اور صلاح و تقویٰ کی زندگی اختیار کر لیتے تھے، بعض مرتبہ قاری نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی :-

الْمَرِیَانَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَنْشَعَ  
قُلُوْبُهُمْ لِذِکْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنْ  
الْحَقِّ وَلَا یُکَذِّبُوْکَ الَّذِیْنَ اٰذَنُوْا  
اَلْکِیْبَ مِنْ قَبْلِ فُطَالٍ عَلَیْهِمُ اللّٰهُ  
فَمَنْتَ قُلُوْبُهُمْ وَلَیْسَ مِنْهُمْ

کیا ایمان والوں کے لئے اس تباہ وقت  
نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کی نصیحت کے  
اور جو دین حق نازل ہوا ہے اس کے سامنے  
جھک جائیں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں  
جس کو ان کے قبل کتاب ملی تھی پھر اس حالت میں

ان پر ایسا زمانہ دراز گزر گیا پھر ان کے دل

سخت ہو گئے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ

بہت آدمی ان میں سے کافر ہیں۔

بعض لوگ ایسا معلوم ہوا کہ سونے سے چونک گئے اور ان کی زندگی میں ہمیشہ کے لئے  
انقلاب ہو گیا، تاریخ ان مثالوں سے لبریز ہے۔

بعد ا کے انتہائی تعیش اور غفلت کے دور میں صاحبِ تاثیر و اعظول و حصاد  
ناموں کی مجلسِ شکل سے ایسے واقعات سے خالی ہوتی تھی۔

مشہور عرب سیاح ابن جبیر اندلسی (م ۶۱۴ھ) جس نے ۵۵۵ھ میں بغداد دیکھا  
ہے شیخ رضی الدین قزوینی کی مجلسِ وعظ کا حال بیان کرتا ہے کہ اثناء و اعظام لکھوں  
سے آنسوؤں کی جھڑیاں جاری تھیں لوگ پروانوں اور متوالوں کی طرح تو بکے لئے  
ان کے ہاتھ پر گر رہے تھے اور اپنے بال کاٹ رہے تھے۔

حافظ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۹۷ھ) کی مجلسِ وعظ میں تو یہ حال تھا کہ لوگ چیخ  
مار مار کر روتے تھے، لوگوں پر غشی طاری ہو جاتی تھی اور بیہوش ہو ہو کر گرتے تھے اور لوگ ہاتھوں  
میں اٹھا کر لے جاتے تھے اپنی پیشانی کے بال ان کے ہاتھ میں دیتے تھے اور وہ سر پر ہاتھ پھیرتے تھے۔  
حافظ ابن جوزی نے خود ایک موقع پر تخمینہ لکھا ہے کہ ایک لاکھ انسانوں نے ان کے ہاتھ  
پر توبہ کی ہے، پانچویں صدی کے ایک محدث شیخ اسمعیل لاہوری کے متعلق مورخ کے الفاظ  
ہیں ہزار ہا مردم در مجلسِ وعظ و فی مشرق باسلام شدند ابن بطوطہ نے متعدد ہندوستانی  
و انہیں کی تاثیر کے ایسے ہی واقعات لکھے ہیں۔

۱۔ علامہ ابن جبیر رحمۃ اللہ علیہ صید الخصال و لغتہ الکبیرہ سے تذکرہ علماء

کفر اور بے دینی کے تسلط اور غلبہ کے زمانہ میں اثر پذیر ی کی ایسی مثالیں غنقا ہوتی ہیں اس دور میں ٹوٹے ہوئے موثر دینی خطابت اور اخلاقی نصائح بے اثر ہوتے ہیں۔

خدا کا خیال اس وقت کی زندگی میں داخل تھا جس سے کسی قوم یا مذہب یا فرقہ و خیال کا آدمی خالی نہ تھا، زبان و ادب میں خدا شناس طرز ادا، مذہبی تعبیرات اور وحی و رسالت کی زبان کے الفاظ و اصطلاحات روح و خون کی طرح جاری و ساری تھے کہ اس زبان و ادب کو اس سے مترا نہیں کیا جاسکتا تھا، اسلامی تعبیرات، دینی آداب اور جملے غیر مسلموں کی زبان پر اس طرح جاری ہو گئے تھے اور وہ ان کے اس درجہ غور ہو گئے تھے کہ دوسرے ہم معنی جملوں سے ان کی تشفی نہیں ہوتی تھی، غیر مسلم ادیب اور فاضل قرآن مجید حفظ کرتے تھے، شہود غیر مسلم ادیب اور کاتب ابوالحسن صابانی کے متعلق منقول ہے کہ وہ رمضان مبارک کے روزے بھی رکھتا تھا۔ خدا طلبی کا ذوق ساری اسلامی دنیا میں عام تھا، ہزاروں لاکھوں اشخاص اسلامی ملکوں اور شہروں میں دین کی طلب اور مردان خدا کی تلاش میں صحراؤں، پہاڑوں اور وادیوں کو عبور کر کے دنیا کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ میں پہنچتے تھے، خدا کی طرف بلانے والوں کی ذات مرجع خلافت اور ان کے مقامات طالبین خدا کے ہجوم سے معمور رہتے تھے، اور ان کی آبادی اور رونق حکومت کے مرکزدوں اور اہل حکومت کے دفاتر سے کہیں بڑھ کر تھی، حضرت شیخ عبدالنقاد جبیلانیؒ کی مجلس خلفاء عجائبہ کے دربار سے زیادہ پرمہمیت اور بارونق تھی، امراء و اعیانہ بھی دین کے خیال اور خدا طلبی سے خالی نہ تھے، سوانح و تراجم کی کتابیں ایسی مثالوں سے پُر ہیں۔

# باب چہارم

## مسلمانوں کا تنزل

### مسلمانوں کے تنزل کا آغاز اور اس کے اسباب

ایک ادیب نے خوب کہا ہے کہ انسانی زندگی میں دو ایسے واقعات ہیں جن کا بالکل ٹھیک وقت ہم نہیں بتا سکتے، ان میں سے ایک جس کا تعلق فرد کی زندگی سے ہے نیند آنے کوئی شخص آج تک اس خاص لمحہ کا تعین نہیں کر سکا جب جاگنے والا سو جاتا ہے، دوسرا واقعہ جس کا تعلق قومی زندگی سے ہے تنزل یا زوال ہے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں قوم کا زوال کن تاریخ سے شروع ہوا، سب کو اس کی خبر اس وقت ہوتی ہے جب وہ زور پکڑ جاتا ہے۔

حقیقت اکثر قوموں کے بارہ میں منطبق ہے لیکن امت اسلامیہ کی زندگی میں زوال و تنزل کا آغاز دوسری قوموں کی زندگی کے مقابلہ میں زیادہ واضح اور روشن ہے، اگر ہم کمال و زوال کے درمیان کی حد کو متعین کرنا چاہیں تو ہم اپنی انگلی اس تاریخی خط پر رکھ دیں گے جو خلافت راشدہ اور ملوکیت عرب یا مسلمانوں کی بادشاہی کے درمیان جد فاصل ہے۔

بات یہ تھی کہ براہ راست اسلامی قیادت اور بالواسطہ دنیا کی رہنمائی کی زمام ان لوگوں کے ہاتھ میں تھی جن کا ہر فرد اپنے ایمان و عقیدہ، اعمال و اخلاق، تربیت و تہذیب نفس کی آراستگی، سیرت کی بلندی اور کمال و اعتدال میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک مستقل معجزہ تھا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام کے قارب میں ایسا ڈھال دیا تھا کہ ان میں جسم کے علاوہ کسی چیز میں بھی اپنے ماضی سے مماثلت باقی نہیں تھی نہ میلانات و رجحانات میں نہ ذہنیت و طرز فکر میں نہ خواہشات میں یہ حضرات جیسے اوپر بیان کیا گیا ہے دین و دنیا کی جامعیت کا نمونہ کامل تھے وہ بیک وقت نمازوں کے امام مسجدوں کے خطیب قاضی اور نصف بیت المال کے امین اور خازن اور شکرگوں کے سپہ سالار تھے اور ایک وقت میں امور جنگ کا انصرام ملکوں اور شہروں کا انتظام اور سلطنت کے مختلف صیغوں اور شعبوں کی نگرانی کرتے تھے ان میں سے ایک ایک شخص ایک ہی وقت میں ترقی و زراہد سیاسی اور مجاہد معاملہ فہم قاضی مجتہد فقیہ صاحب تدبیر حاکم اور پختہ کار سیاسی تھا اس لئے ایک ہی ذات میں (اور وہ خلیفہ و امیر المومنین کی ذات ہوتی تھی) دین و سیاست کا اجتماع تھا اس کے گرد ان لوگوں کی جماعت تھی جو اسی مدرسہ نبوی یا مسجد نبوی کے تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ تھے ایک ہی سانچے کے ڈھلے ہوئے ایک ہی روح کے حامل اور ایک ہی سیرت سے متصف تھے خلیفہ ان سے مشورہ لیتے اور کوئی اہم کام ان کے مشورہ اور مدد کے بغیر نہ کرتے پس ان کی روح تمدن کے پورے ڈھانچہ حکومت کے پورے نظام اور لوگوں کی پوری زندگی و معاشرت و اخلاق میں جاری و ساری ہو گئی ان کے میلانات اور خواہشات کا تمدن پر عکس اور ان کی خصوصیات کا پورا پورا ٹوٹا وہاں نہ روحانیت اور مادیت میں کوئی کش مکش تھی نہ دین و سیاست میں کوئی تضاد نہ دین و دنیا کی تفریق تھی نہ مصلحت و اصول میں کوئی رستہ کشی نہ اغراض و اخلاق کے درمیان کوئی مزاحمت تھی نہ طبقوں اور گروہوں کی باہمی جنگ اور خواہشات نفسانی میں باہمی مابقت و تقابل بغرض ان کا تمدن اور اسلامی سلطنت کی زندگی اس کے بانیوں کے اخلاق و خصوصیات اور اعتدال و مسجیت کی پوری آئینہ دار تھی۔



## جہاد اور اجتہاد کا فقدان

اصل یہ ہے کہ اسلام کی امامت بڑی نازک اور وسیع صفات کو چاہتی ہے جو فرد یا جماعت اس منصب پر فائز ہو اس کے لئے ذاتی صلاح و تقویٰ اور عدل کے علاوہ جہاد و اجتہاد کی قابلیت کی بھی ضرورت ہے یہ دو لفظ بہت سادہ اور ہلکے ہیں لیکن معانی و مطالب سے سب سے زیادہ جہاد سے مراد ہے عزیز ترین اور اہم ترین مطلوب کے حصول کے لئے اپنی انتہائی طاقت اور وسائل صرف کر دینا، مسلمان کا سب سے بڑا مقصود اللہ کی فرماں برداری اس کی خوشنودی کا حصول اور اس کی بادشاہی اور احکام کے سامنے پیردگی اور سرافگندگی ہے اس کے لئے ایک طویل جہاد کی ضرورت ہے ہر اس عقیدہ، تربیت، اخلاق، اغراض اور خواہشات کے خلاف جو اس میں مزاحم ہوں اور ان تمام نفسی و آفاقی (داخلی و خارجی) آکھروہ موجودانِ باطل کے خلاف جو اللہ کی فرماں برداری اور اخلاص میں حریف اور رقیب ہوں جب مقصد حاصل ہو جائے تو مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اللہ کی بادشاہی اور اس کے احکام کو اپنے گرد و پیش کی دنیا اور اپنے نبی و نفع پر پھیلانے کے لئے جدوجہد کرے یہ اس کا دینی فریضہ ہے اور خلق خدا پر شفقت اور مخلوق کے ساتھ خیر خواہی کا بھی عین مفصل ہے اور اس لئے بھی ضروری ہے کہ بعض اوقات انفرادی اعانت اور دین داری بھی ماحول کی سازگاری کے بغیر مشکل ہو جاتی ہے اسی کا نام قرآن مجید کی اصطلاح میں "فتنہ" ہے دنیا میں جتنے بھی جمادات نباتات و حیوانات اور انسان ہیں وہ اللہ کی تکوینی مشیت و احکام اور اس کے طبعی قوانین کے سامنے سرافگندہ ہیں۔

لہٰذا یہاں اس سے مراد وہ امامت (امارت) نہیں ہے جس کی تعریف و شرائط کتب فقہ و اصول میں ہیں بلکہ وہ قوت و قابلیت ہے جس سے کوئی مسلمان فرد یا جماعت دنیا کی رہنمائی و پیشوائی کر سکے۔

وَلَهُ اسْلَفَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ  
اور اسی کے حکم میں ہے جو کوئی آسمان اور زمین

مَذْعَرٌ عَادَ لِرِهَا وَرَآئِهِ يُجْعَلُونَ  
میں ہے خوشی سے یا لاچار ہی سے اور اس کی

(آل عمران ۸۳) طر سب پھر کر جائیں گے۔

الْمَرْتَرَانِ اللَّهُ يَجْعَلُ لَهُ مَنْ فِي  
کیا تم نہیں دیکھتے کہ جو کوئی بھی آسمانوں

السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالنَّفْسِ  
میں اور جو کوئی بھی زمین میں ہے نیز سورج،

وَالْقَمَرِ وَالنُّجُومِ وَالْجِبَالِ وَالشَّجَرِ  
چاند ستارے پہاڑ درخت چار پائے سب

وَالدَّوَابِّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ  
الشر کے آگے سر بسجود ہیں اور کتنے ہی انسان

وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ عَلَى الْعَذَابِ  
بھی اور آدمیوں میں بہت سے ایسے بھی جن پر

(الحج - ۱۸) عذاب لازم ہو گیا۔

اس میں انسان کی نہ کسی کوشش کو دخل ہے اور نہ اُس کے لئے کسی جہد و جہد کی ضرورت،

موجودات کے لئے موت و حیات، نشوونما کا جو قانون ہے اور ان کے جسم و فطرت کے لئے الشر نے

جو نظام مقرر کر دیا ہے اس پر وہ سب بے چوں و چرا چل رہے ہیں اور چلتے رہیں گے اور اس سے

سربراہان نہیں ہوگا جس مقصد کے لئے مسلمان کی جہد و جہد مطلوب ہے وہ خدا کے اس قانون کا نفاذ

ہے جو انبیاء کے آئے اور جس کے غلبہ اور قیام کے لئے ان کے پیروا مومنین جس کی مخالفت طاقتیں اور

دعوتیں دنیا میں ہمیشہ رہیں گی یہ جہاد قیامت تک جاری رہے گا اس کی بکثرت میں اور جو نہیں ہیں

جن میں سے ایک جنگ بھی ہے جو بعض اوقات اس کی سب سے افضل قسم ہو جاتی ہے اس کی غایت یہ ہے کہ

اسلام کے مقابلہ میں کوئی برابر کی حریف طاقت باقی نہ رہے جو خواہشات اور طبیعتوں کو مخالف سمت

کی طرف کھینچے اور بہت سے انسانوں کے لئے کفر و اسلام کے درمیان کش مکش پیش آئے۔

وَقَاتِلُوا حَتَّى لَا تَكُونُوا فِتْنَةً  
اور اہل کفر سے یہاں تک جنگ کرو کہ کفر کا

ذَبْحُوتِ الدِّبِّ بِذِهِ (البقرہ - ۱۹۳) زور بانی نہ ہے اور اطاعت الشریعہ کی ہو۔

اس جہاد کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ انسان اس اسلام سے بخوبی واقف ہو جس کی خاطر وہ جہاد کر رہا ہے اور کفر و جاہلیت کے بارے میں بھی جس کے خلاف وہ جہاد کر رہا ہے اس کو گہری واقفیت ہونا کہ جس لباس اور جس رنگ میں بھی ظاہر ہو اس کو پہچان لے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ”مجھے خطرہ ہے کہ وہ شخص اسلام کی کڑیاں بکھیر دے گا جس نے اسلام میں نشوونما پایا اور جاہلیت کو وہ نہیں پہچانتا“ یقیناً ہر مسلمان کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ کفر و جاہلیت سے گہری اور تفصیلی واقفیت رکھتا ہو اور اس کے مظاہرے اور صورتوں اور رنگوں کو پہچانتا ہو لیکن بلاشبہ اسلام کی زہنائی اور کفر و جاہلیت کے خلاف اسلامی لشکر کی قیادت کرنے والے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ عام اور متوسط مسلمانوں سے زیادہ کفر و جاہلیت کو پہچانتا ہو۔

اسی طرح سے یہ بھی ضروری ہے کہ جو لوگ اس منصب پر فائز ہوں ان کی تیاری پوری ہو ان کی قوت مکمل رہے ان کے پاس لوہے کو کاٹنے کے لئے لوہا بلکہ فولاد ہو، وہ کفر کا مقابلہ ان تمام وسائل اور سامان سے کریں جو ان کی دسترس میں ہو جس کا انسان انکشاف کر سکا ہو اور جہاں تک انسان کے علم کی رسائی ہو اس لئے کہ اللہ کا حکم ہے۔

۱ اَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ ۚ وَارْتَبِعُوا غُلَّتِ الْخَيْلُ تُزَجُّوْنَ بِهَا  
۲ عِدَّةَ امْرُوعَةٍ ۚ وَكُمُودَ الْوَرِیْنِ ۚ  
۳ ذُو نَبْهٍ ۚ لَا تَعْلَمُوْهُنَّ ۚ اِنَّ اللّٰهَ  
۴ یَعْلَمُ هُمُومَ ۙ وَمَا تُفْقِیْوْنَ سِرَّ  
۵ وَ سَبِيْلَ امْتِحَانٍ ۚ اِنَّکُمْ وَاَنْتُمْ

مسلمانو! جہاں تک تمہارے بس ہے قوت  
پیدا کر کے اور گھوڑے تیار رکھو دشمنوں کے  
تقابلہ کے لئے اپنا ساز و سامان بھیائے  
رہو کہ اس طرح مستور رہ کر تم اللہ کے اور اپنے  
دشمنوں پر اپنی دھماکے بٹھائے رکھو گے نیز  
ان لوگوں کے سوا اوروں پر بھیجی جن کی تمہیں

خبر نہیں اشر نہیں جانتا ہے اور اشر کی راہ

(الانفال۔ ۶۰) میں (یعنی جہاد کی تیاری میں) تم کو کچھ بھی

خرچہ کر دے گا وہ تمہیں پورا پورا مل جائے گا ایسا

نہ ہو گا کہ تمہاری حق تلفی ہو۔

اجتہاد سے ہماری مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کی سیادت و امامت جن لوگوں کے ہاتھ میں ہو وہ نئے پیش آنے والے مسائل زندگی میں انفرادی یا اجتماعی صحیح فیصلہ کرنے کی اہلیت اور استعداد رکھتے ہوں اور روح اسلام اور اسلامی قانون سازی کے اصول سے اتنی واقفیت اور مسائل کے استنباط کی قوت رکھتے ہوں جس سے وہ امت کی مشکلات کو حل کر سکیں اور اشتباہ اور تحیر کے موقع پر اس کی رہنمائی کر سکیں نیز وہ اتنی ذکاوت و استعداد اور علم رکھتے ہوں اور محنت کرنے کے لئے تیار ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات میں جو طبعی قوتیں پیدا کی ہیں اور زمین میں دولت و قوت کے جو چشمے اور دفینے رکھے ہیں ان سے کام لے سکیں اور ان کو اسلام کے مقاصد کے لئے مفید بنائیں بجائے اس کے کہ اہل باطل ان کو اپنی خواہشات کے حصول کے لئے استعمال کریں اور زمین میں سر بلندی اور فساد کے لئے ان سے بڑھیں اہل حق ان سے وہ کام لیں جن کے لئے اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے۔

## اموی و عباسی خلفاء

لیکن دنیا کی قسمتی تھی کہ خلفائے راشدین کے بعد دنیا کی رہنمائی کے منصب جلیل پر وہ لوگ حاوی ہو گئے جنہوں نے اس کے لئے کوئی حقیقی تیاری نہیں کی تھی خلفائے راشدین کی طرح اور خود اپنے زمانہ کے بہت سے مسلمانوں کی طرح انہوں نے اعلیٰ دینی اور اخلاقی تربیت

نہیں پائی تھی، ان کا دینی، روحانی اور اخلاقی معیار اتنا بلند تھا جو ملت اسلامیہ کے رہنماؤں کے شایانِ شان ہے، ان کے ذہن اور طبیعتیں عرب کی قدیم تربیت اور ماحول کے اثرات سے بالکل آزاد نہیں ہوئی تھیں، ان میں نہ روحِ جہاد تھی اور نہ قوتِ اجتہاد جو دنیا کی پیشوائی اور عالمگیر قیادت کے لئے ضروری ہے، خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز (م ۷۱ھ) کی ذات کو مستثنیٰ کر کے عام خلفائے بنی امیہ اور بنی عباس کا یہی حال تھا۔

## ملوکیت کے اثرات و نتائج

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کی دیوارِ آہنی میں کمی رخنے پیدا ہو گئے جن سے سلسلِ فتنے اور مصائب نفوذ کرتے رہے، ان کا اجمالی بیان یہ ہے :-

۱۔ دین و سیاست میں علی تفریق ہو گئی، اس لئے کہ خلفاء علم اور دین میں ایسا مرتبہ نہیں رکھتے تھے جس سے ان کو علماء اور اہل دین کی ضرورت نہ پڑے، انھوں نے حکومت و سیاست کو تنہا اپنے ہاتھ میں رکھا اور شیر یا مہر بنی صوصی کے طور پر جب چاہا یا جب ان کے مصالح کا تقاضا ہوا علماء اور اہل دین سے مدد لی اور جتنی بات انھوں نے چاہی قبول اور جب چاہا ان کے مشورہ پر عمل نہیں کیا، اس طرح سیاست دین کی نگرانی سے آزاد ہو گئی اور ایک پیل بے زنجیر بن گئی، اب اہل دین اور اہل علم کی صورت یہ تھی کہ یا تو وہ حکومت کے مخالف تھے، اور اس کے خلاف وقتاً فوقتاً خروج کرتے تھے، یا سیاسی زندگی سے کنارہ کش تھے، اور فردی انقلاب سے مایوس ہو کر افراد کی اصلاح و تربیت کے کام میں مشغول تھے، بعض اپنے ماحول کی خرابی کو دیکھ کر کڑھتے رہتے تھے، اور اس پر دینی و اخلاقی حیثیت سے سخت تنقید کرتے تھے، لیکن مجبور تھے، بعض کسی دینی مصلحت کی بنا پر حکومت کے ساتھ تعاون کر رہے تھے، اور اس کے نظام میں شریک ہو کر

جتنی اصلاح ان کے اسکان میں تھی کرنے کی کوشش کرتے تھے، اور کچھ افراد ایسے بھی تھے جو اپنی ذاتی مصلحت اور کامیابی کے لئے حکومت کے ساتھ اشتراک اور موالات کر رہے تھے، بہر حال یہ اقمہ ہے کہ نظری اور اعتقادی طور پر تو نہیں لیکن عملاً دین و سیاست میں علیحدگی ہو گئی اور اس بارہ میں خلافت راشدہ سے پہلے دنیا کے نظام سلطنت کا جو حال تھا، اس کا ایک نگہ پیدا ہو گیا تھا، دین روز بروز بے زور اور بے دست و پا ہونا جاتا تھا، اور سیاست کے ہاتھ کھل رہے تھے، اور اس کی بے قیدی اور خود اختیاری بڑھ رہی تھی، اسی وقت سے اہل علم و دین اور اہل دنیا کے دو علیحدہ علیحدہ گروہ بن گئے اور ان کے درمیان اختلاف کی خلیج روز بروز وسیع ہوتی گئی اور بعض اوقات بیگانگی سے بڑھ کر مخالفت کی نوبت آ گئی۔

۲۔ ارکان حکومت یہاں تک کہ بذات خود خلفاء دین و اخلاق کا کامل نمونہ نہیں تھے، بلکہ ان میں سے بعض اشخاص میں جاہلی جراثیم اور میلانات پائے جاتے تھے، قدرتی طور پر ان کی روح اور نفسیات کا اثر قومی زندگی پر پڑ رہا تھا، اور لوگ عموماً انھیں کے اخلاق و عادات و برجاتا کی تقلید کرتے تھے، دین کی نگرانی ختم ہو چکی تھی، احتساب اٹھ چکا تھا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا زور ختم ہو چکا تھا اس لئے کہ اس کی پشت پر کوئی طاقت اور حکومت کی حمایت نہیں تھی، وہ محض چند دین دار اشخاص کا رضا کارانہ عمل تھا، جن کے پاس کوئی قوت اور تعزیر نہیں تھی، اس کے برخلاف بے قید اور آزاد زندگی کی ترغیبات بہت تھیں اس لئے جاہلیت کو اسلامی ممالک کے اندر سانس لینے کا موقع ملا اور اس نے سر اٹھایا، عیش و عشرت، تفریح و تنم کی زندگی عام ہو گئی، تفریحات اور لہو و لعب کی گرم بازاری ہوئی، لذت اندوزی اور فحش پروری کا غلبہ ہوا اور دنیا کی زندگی اور اس کی لذتوں کی ہوس بڑھ گئی، اس خلاقی تنزل اور اس تفریحی انہماک کے ساتھ کسی قوم کے لئے اسلام کی دعوت و تبلیغ کا فرض انجام دینا، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی جانشینی کرنا،

اشتراک اور روزِ آخرت کو یاد دلاتے رہنا تقویٰ اور دین داری کی ترغیب دینا اور لوگوں کے لئے اعلیٰ اخلاقی نمونہ قائم کرنا بہت مشکل ہے بلکہ ان حالات کے ساتھ اپنے وجود و عزت اور آزادی کو برقرار رکھنا بھی دشوار ہے۔

سَنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَئِنْ تَوَلَّيْتُمْ لَسَنَّةُ اللَّهِ تَبْدِيلًا  
 اشر تعلق نے ان لوگوں میں بھی اپنا یہی دستور (جاری) رکھ لے جو ان سے پہلے ہو گئے ہیں اور آپ خدا کے دستور میں کسی کا طرف سے رد و بدل نہ پائیں گے۔

۳۔ یہ لوگ اپنے اخلاق و اعمال و معاملات میں اسلام کی شرعی سیاست اس کے جنگی قانون اس کے تمدنی نظام اور اس کی اخلاقی تعلیمات کی بہت کم نمائندگی کرتے تھے، اس طرح غیر مسلموں کے دلوں سے اسلام کے پیغام کا احترام اور اثر جاتا رہا، اور ان کا اعتماد ان لوگوں سے زائل ہو گیا، ایک یورپین مؤرخ کے الفاظ میں: اسلام کو اس لئے زوال شروع ہوا کہ انسانیت کو ان لوگوں کی صداقت میں شبہ ہونے لگا جو دین جدید کی نمائندگی کر رہے تھے۔

## فلسفیانہ موثر گافیاں

اس دورِ انحطاط میں سلمان علماء اور مفکرین نے جس قدر علومِ ابعاد الطبیعیات METAPHYSICS

اور یونانیوں کی الہیات کی طرف توجہ کی اس قدر علومِ طبیعیہ اور علمی اور تجربیہ فنون کی طرف

توجہ نہیں کی حالانکہ یہ یونانی فلسفہ اور الہیات محض یونانیوں کا علم الاصنام MYTHOLOGY

تھا جس کو انھوں نے اپنی چالاکی سے فلسفیانہ الفاظ و اصطلاحات میں ایک عقلی فن کے لباس

میں پیش کیا تھا، وہ محض چند خیالات و قیاسات کا مجموعہ اور الفاظ کا ایک ظلم تھا جس کے پیچھے

کوئی حقیقت و اصلیت نہ تھی، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مسلمانوں کو اس گنج کا وہی اور لا حاصل سے مستغنی کر دیا تھا، اور نبوت کے ذریعہ ان کو ذات و صفات الہی کا وہ یقینی اور محکم علم بخشا تھا جس کی موجودگی میں اس چھان بین اور الشکر کی ذات و صفات کے بارے میں اس کیماوی تحلیل و تجزیہ کی (جو فلسفۃ الہیات و کلام کا طرز ہے) قطعاً ضرورت نہ تھی، لیکن افسوس ہے کہ اہل فلسفہ و کلام نے اس نعمت عظیم کی قدر نہ کی اور ان مباحث میں جن کا دنیا و آخرت میں کوئی فائدہ نہ تھا، صدیوں تک در دسری و دیدہ ریزی کرتے رہے اور اپنی بہترین قابلیت و ذہانت اس لاجل شغل میں صرف کی، اس انہماک نے ان کو ان علوم اور تجربوں کی طرف توجہ کرنے کا موقع نہ دیا جو ان کے لئے کائنات کی طبعی قوتیں سحر کر دیتے اور پھر وہ ان کو اسلام کے مقاصد و مصالح کا تابع اور خادم بنا کر اسلام کے مادی و روحانی تسلط کو تمام عالم پر قائم کر دیتے، اسی طرح سے انھوں نے فلسفۃ انشراق کے مباحث اور وحدۃ الوجود کے مسائل میں اپنا ضرورت سے زیادہ وقت اور طاقت صرف کی۔

## شُرک و بدعات

اس دورِ انحطاط میں مسلمانوں میں شرک و جہالت قدیم جاہلی قوموں کے عقائد و خیالات اور دینی گمراہی نے بھی نفوذ کرنا شروع کر دیا اور مسلمانوں کی زندگی میں اور ان کے مزاج میں ایسی بدعات نے درخورد حاصل کر لیا، جنہوں نے مذہبی زندگی کی ایک بڑی جگہ کو گھیر لیا اور مسلمانوں کو صحیح دین اور کارآمد دنیا سے مشغول کر دیا، ظاہر ہے کہ دنیا کی دوسری قوموں کے درمیان مسلمانوں کو جو کچھ امتیاز و خصوصیت حاصل ہے وہ اس دین کی بدولت ہے، جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے پاس سے لے کر آئے اور اس دین کا امتیاز و اعجاز اس کی اصلیت



میں ہے وہ اسی بارہ میں متاثر ہے کہ وہ اللہ کی وحی و شریعت اس کی معجزانہ ساخت اور اس کی حکیمانہ صنعت ہے۔

صُنِعَ اللّٰهُ الَّذِیْ اَتَقَفْنَ کُلَّ شَیْءٍ  
اس اللہ کی کارگیری جس نے ہر چیز کو  
مضبوط بنایا۔ (النمل - ۸۸)

پس جب اس میں انسانوں کی عقلیں دخل دینے لگیں گی اس کے خود ساختہ اعمال و رسوم داخل ہو جائیں گے اور وہ خدا نخواستہ اپنی اصلیت کھو دے گا تو دنیا و آخرت کی سعاد کی ضمانت باقی نہیں رہے گی اور وہ اس کا متفق نہ ہو گا کہ انسانی عقلیں اس کے سامنے سرانگشتہ ہوں اور دلوں کو وہ تسخیر کرے۔

## دعوت و تجدید کا تسلسل

لیکن واضح رہے کہ جہاں تک اصل دین کا تعلق ہے وہ اس پوری مدت میں ہر قسم کی تحریف و تبدیل سے محفوظ رہا، مسلمانوں نے راہِ راست سے جہاں جہاں نحران کیا تھا، کتاب و سنت سے مقابلہ کر کے اس کا علم اور احساس ہو جاتا تھا، دین و شریعت نے مسلمانوں کی غلطی میں کبھی ساتھ نہیں دیا، بلکہ ان کے مطالعہ سے غیر اسلامی ماحولِ مشرکانہ اور بتدعائے اعمال و رسوم اور جاہلی اخلاق و عادات کے خلاف نیز طبقہٴ امراء اور گروہِ سلاطین کے تعیش اور استبداد کے خلاف ایک سخت احتجاج اور جذبہٴ جہاد پیدا ہوتا تھا، اسی کا نتیجہ تھا کہ اسلامی تاریخ کے ہر دور اور اسلامی دنیا کے ہر گوشہ میں ایسے عالی ہمت اور اولو العزم اشخاص پیدا ہوتے رہے جنہوں نے اس امت میں انبیاء کی جانشینی کا حق ادا کیا مسلمانوں کے تہِ مرہ میں روحِ جہاد بچھونکی اور برسوں کی ساکن سطح میں حرکت و متوج پیدا کیا، اور مسائل اور علوم میں

اپنی فکر تازہ اور متجددہ قابلیت سے کام لے کر مسلمانوں میں نئی علمی روح اور ذہنی بیداری پیدا کر دی۔ ایک بصری مروج کو جہاد اور تجدید کی تاریخ میں کوئی خلا اور وقفہ نظر نہیں آتا، اصلاح کی شعلیں اور چراغ مسلسل طریقہ پر ایک دوسرے سے روشن ہوتے رہے اور بڑی تیز رفتاری سے گزرتے ہوئے ہیں۔ ابھی عالم اسلامی میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک اندھیرا نہیں بھیلنے پایا۔ اسی کے ساتھ جب اسلام یا عالم اسلام کے لئے کوئی نیا خطرہ پیش آیا تو کوئی مرد مجاہد میدان میں آیا اور اس نے نہ صرف اس خطرہ کو دور کیا بلکہ عالم اسلام میں ایک نئی روح اور نئی زندگی پیدا کر دی۔ اس کی واضح مثال نور الدین اور صلاح الدین کی شخصیتیں ہیں۔

## صلیبی خطرہ اور زندگی خاندان

مسیحی یورپ صدیوں سے اسلام سے خاں کھائے بیٹھا تھا، مسلمان اس کی پوری مشرقی سلطنت پر قابض تھے اور اس کے تمام مقدس مقامات ان کے قبضہ اور ولایت میں تھے، لیکن طاقتور اسلامی سلطنتوں کی موجودگی اور ہمسایہ مسیحی سلطنت پران کی مسلسل پیش قدمیوں کی بنا پر اس کو حملہ کرنے کا حوصلہ نہیں ہوتا تھا، پانچویں صدی ہجری اور گیارہویں صدی عیسوی کے آخر میں ایسے حالات واساب پیش آئے کہ یورپ کے صلیبی مجاہدین نے شام و فلسطین کا رخ کیا اور ان کی فوجیں سیلاب اور طوفان کی طرح پھیل گئیں ۱۰۹۲ء میں صلیبیوں نے شہر بیت المقدس کو فتح کر لیا اور چند سال کے اندر اندر ملک فلسطین کا بڑا حصہ ان کے تصرف میں آگیا، مشہور انگریز مورخ ٹیننٹ لین پول (STANLEY LANE POEL) لکھتا ہے:-

”صلیبی سپاہی ملک میں اس طرح گھسے جیسے کوئی پرانی نکلہ میں پتھر ٹھونکنے کی ٹھوسری دھک

لے لہا، خطرہ مصیبت کی کتاب ”تاریخ دعوت و عمر بیت“ حصہ اول

یہی مسلم ہونے لگا درختِ اسلام کے تنے کو چیر کر اس کی پھپھیاں اڑا دیں گے<sup>۱</sup>۔  
صلیبیوں نے داخلہ بیت المقدس کے موقع پر فتح کے نشہ میں سرشار ہو کر مجبور مسلمانوں  
کے ساتھ جو سلوک کیا ان کا ذکر ایک ذمہ دار مسیحی مؤرخ ان الفاظ میں کرتا ہے :-

”بیت المقدس میں فاتحانہ داخلہ پر مسیحی مجاہدین نے ایسا قتل عام چاہا کہ بیان کیا جاتا  
ہے کہ ان صلیبیوں کے گھوڑے ہر مسجد و مزار ہو کر گئے گھٹنوں گھٹنوں خون کے چھپے میں  
ڈوبے ہوئے تھے، بچوں کی ٹانگیں بچہ بچہ کران کو دیوار سے دے مارا گیا، یا ان کو چکر دے کر  
فصیل سے پھینک دیا گیا“<sup>۲</sup>

بیت المقدس کی فتح اسلامی سلطنت کے ضعف اور زوال اور مسیحی دنیا کی بیداری  
اور اس کی نوخیز طاقت کی خبر دیتی تھی اور عالم اسلام میں خطرہ کی گھنٹی تھی، مسیحیوں کے حوصلے  
اتنے بلند ہو چکے تھے کہ رجبی نالہ والی کرک نے مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ پر بھی چڑھائی کا ارادہ کیا تھا،  
واقعہ ارتداد کے بعد اسلام کی تاریخ میں اس سے زیادہ نازک وقت اور خطرہ کی گھنٹی نہیں آئی تھی۔  
عین اس کش مکش اور بڑھتی ہوئی ایووسی کے عالم میں عالم اسلام کے اُفق پر ایک نیا ستارہ  
طلوع ہوا جس کو شر سے امید نہ تھی وہاں سے ایک نئی طاقت ابھری، یہ موصول کا رنگی خاندان تھا،  
جس کے ڈو افتاد احمد الدین زنگی (م ۵۸۱ھ) اور اس کے فرزند نور الدین زنگی (م ۵۶۹ھ) نے  
صلیبیوں کو پے در پے شکستیں دیں اور بیت المقدس کے علاوہ (جس کی فتح صلاح الدین کے لئے  
مقرر تھی) تقریباً فلسطین کے پورے علاقہ کو صلیبیوں سے صاف کر دیا نور الدین اپنی شرفِ نفس  
زہد و روحِ جنِ انتظام، عدل و انصاف، انکسار و تواضع، شوقِ جہاد اور ایمان و یقین کے لحاظ سے

لے سلطان صلاح الدین اراکین الدین پول ستر حرم مولوی محمد عنایت اللہ صاحب ص ۲۷

اسلامی تاریخ میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے مشہور مورخ ابن الاثیر خزرجی جو ان کے خورد و سال معاصر ہیں تاریخ اکمال میں لکھتے ہیں :-

”میں نے گذشتہ سلاطین کی زندگی اور حالات کا مطالعہ کیا ہے خلفائے راشدین اور عمر ابن عبدالعزیز کے بعد نور الدین سے بہتر سیرت اور ان سے زیادہ عادل و سلاطین میری نظر سے نہیں گزرا“

## صلاح الدین کی قیادت

نور الدین کے بعد ان کے تربیت یافتہ سلطان صلاح الدین نے صلیبی دنیا کے مقابلہ میں عالم اسلام کی قیادت سنبھالی بالآخر مختلف محروکوں کے بعد انھوں نے حطین (فلسطین) کے میدان میں ۴ اربیع الآخر ۵۸۳ھ (۴ جولائی ۱۱۸۷ء) کو صلیبیوں کو ایسی شکست دی جس سے ان کی کمر ٹوٹ گئی اور ان کی قسمت پتھر لگ گئی بین پول اس کا نقشہ اس طرح کھینچتا ہے :-

”ایک ایک مسلمان سپاہی تیس تیس عیسائیوں کو جھینس خود اس نے گرفتار کیا تھا خیمے کی رسی میں باندھے جاتا دیکھا گیا، ٹوٹی ہوئی صلیبوں اور کٹے ہوئے ہاتھ پاؤں میں مردوں کے دھیرا اس طرح لگے تھے جیسے پتھر پتھر پڑے ہوں اور کٹے ہوئے سر زمین پر اس طرح بکھرے پڑے تھے جیسے خربوندوں کے کھیت میں خربوندے پڑے نظر آتے ہیں تو ان تک جنگ کا میدان جس میں یہ خونی لڑائی ہوئی تھی اور جہاں بیان کیا جاتا تھا کہ تیس ہزار آدمی مارے گئے مشہور ہے“

حطین کی فتح کے بعد سلطان صلاح الدین نے ۲۷ رجب ۵۸۳ھ کو بیت المقدس کو

دوبارہ حاصل کیا اور اس آرزو کی تکمیل کی جو ۹ برس سے مسلمانوں کے دلوں کو بے چین کئے ہوئے تھی، سلطان کے رفیق و متحد قاضی ابن شداد لکھتے ہیں :-

”ہر طرف دعا و تہلیل و تکبیر کا شور بلند تھا، بیت المقدس میں (۹ برس کے بعد) جمعہ کی نماز ہوئی، قبۃ صخرہ پر جو صلیب نصب تھی وہ اتار دی گئی، ایک عجیب نظر تھا اور اسلام کی فتح مندی اور اللہ تعالیٰ کی مددگلی آنکھوں نظر آ رہی تھی“

سلطان صلاح الدین نے اس موقع پر جس عالی ظرفی، دریا دلی اور اسلامی اخلاق کا مظاہرہ کیا اس کا ذکر کرتے ہوئے لین پول لکھتا ہے :-

”اگر صلاح الدین کے کاموں میں صرف یہی کام دنیا کو معلوم ہوتا کہ اس نے کس طرح یہ قہم کو بازیاب کیا تو صرف یہی کا زما ساس بات کے ثابت کرنے کے لئے کافی تھا کہ وہ نہ صرف اپنے زمانہ کا بلکہ تمام زمانوں کا سب سے بڑا عالی حوصلہ انسان اور جلال و شہادت میں کیا اور بے مثل شخص تھا“

بیت المقدس کی فتح اور حطین کی ذلت آمیز شکست سے یورپ میں غیظ و غضب کی آگ پھجھک اٹھی اور سارا یورپ شام کے چھوٹے سے ملک پر ابل پڑا، ان سب کے مقابل میں تنہا سلطان صلاح الدین تھا اور اس کے اعزہ اور چند حلیف، جو پورے عالم اسلام کی طرف سے مدافعت کر رہے تھے، آخر پانچ برس کی مسلسل خونریز خون آشام جنگوں کے بعد ۱۱۹۳ء میں رملہ پر دونوں حریفوں میں جو تھک کر چور ہو گئے تھے، صلح ہوئی، بیت المقدس اور مسلمانوں کے مفتوحہ شہر اور قلعے بہت دوران کے قبضہ میں رہے، ساحل پرنگہ کی مختصر سی ریاست عیسائیوں کے قبضہ میں تھی اور سارا ملک سلطان صلاح الدین کے زیر نگین تھا، صلاح الدین نے جو خدمت اپنے ذمہ لی تھی اور صحیح تر الفاظ میں جو کام اللہ تعالیٰ

نے اس کے سپرد کیا تھا، اس کے ہاتھوں مکمل ہوا، لین پول لکھا ہے :-

• جنگ مقدس خاتمہ کو پہنچی پانچ برس کی مسلسل لڑائی ختم ہوئی جولائی ۱۱۸۷ء  
میں حطین پر مسلمانوں کی فتح سے پہلے دریائے اردن کے مغرب میں مسلمانوں کے پاس  
ایک پانچ زمین بھی نہ تھی، ستمبر ۱۱۹۲ء میں جب رکن دینار صلیح ہوئی ہے تو صور سے لے کر یافا  
تک ساحل پر بحر زمین کی ایک پتلی سی پٹی کے سارا ملک مسلمانوں کے قبضہ میں تھا،  
اس صلیح نامہ پر صلاح الدین کو شرمندہ ہونے کی مطلق ضرورت نہ تھی ۱۱۹۲ء

سلطان صلاح الدین اعلیٰ انتظامی قابلیت اور قائدانہ خصوصیات کا مالک تھا، وہ نہ صرف  
سب سالار اور فاتح تھا بلکہ محبوب قائد اور ہر دلعزیز سپاہی بھی تھا، اس نے صدیوں کے بعد منتشر  
و پراگندہ اسلامی ریاستوں اور طاقتوں اور مفرق اور باہم مخالف مسلمان قوموں اور قبائل کو  
جہاد کے جھنڈے کے نیچے جمع کر دیا، عرصہ دراز کے بعد اس کی قیادت میں عالم اسلام نے ایک منظم  
اور پُر خلوص جنگ کی جس کا مقصد اسلام کی حفاظت اور جہاد فی سبیل اللہ کے سوا کچھ نہ تھا،  
لین پول نے صحیح لکھا ہے کہ :-

• تیسری جنگ صلیب میں تمام مسیحی دنیا کی مجموعی طاقت مقابلہ کرنے آئی مگر صلاح الدین  
کی قوت کو ٹس سے مس نہ کر سکی صلاح الدین کی سپاہ ہمسوں کی سخت محنت و جانفشانی  
اور برسوں کی غدوش اور خطرناک خدمت کے بعد تھک کر چور چور ہو چکی تھی مگر کسی کی زبان  
پر حرف شکایت نہ تھا، کبھی طلبی پر حاضر ہونے اور ایک نیک کام میں اپنی جانیں قربان  
کرنے کسی نے انکار نہ کیا ۱۱۹۲ء

آگے چل کر لکھا ہے :-

مکر و تدبیر، عرب، مصری، مسلمان اور سلطان کے خادم تھے اور طبی پر خاندانوں ہی کی طرح سلطان کی خدمت میں حاضر ہوتے، باوجود اس کے کہ ان کی نسل وقوم جدا تھی اور باوجود قومی پیشگوئوں اور قبائلی غرور و تفاخر کے سلطان نے ان کو ایسا شیر و شکر کر رکھا کہ تمام لشکرتن و اسد نظر آتا تھا۔

## صلاح الدین کے بعد

۲۷ صفر ۵۹۹ھ کو اسلام کا یہ فادار فرزند دنیا سے رخصت ہوا، اصلاح الدین کی مجاہدانہ کوششوں اور اس کی بروقت قیادت عالم اسلام کو صلیبیوں کی غلامی کے خطرہ سے عرصہ تک کے لئے محفوظ کر دیا، عالم اسلام کا مطلع صاف ہو گیا، لیکن صلیبیوں نے ان جنگوں سے فائدہ اٹھایا، اپنی اوڈ عالم اسلام کی کمزوری کا مظاہرہ اور تجربہ کرنے کے بعد وہ نئے صلیبی حملہ کی (جس کی نوبت انیسویں صدی میں آئی) تیاری میں مصروف ہو گئے، لیکن عالم اسلام پر پھر غفلت طاری ہو گئی اور باہمی اختلافات اور خانہ جنگیوں نے پھر سراٹھایا، اصلاح الدین کے بعد عالم اسلام کو پھر ایسا مخلص قائد اور رہنما نصیب نہیں ہوا جو اسلام کی بے غرض خدمت کے لئے بیتاب ہو اور جس کا مقصد جہاد فی سبیل اللہ کے سوا کچھ نہ ہو اور جس پر عالم اسلام کو اس درجہ اعتماد اور اس کی ذات سے تعلق ہو جیسے صلاح الدین کے ساتھ تھا، عالم اسلام پھر ایک بار خود غرضیوں، فائدہ جنگوں اور سازش کا شکار ہو گیا، اور ایک سرے سے دوسرے سرے تک انحطاط اور نازل چھا گیا۔

## جاہلیت کے لئے رکاوٹ

لیکن مسلمان اپنی ساری خرابیوں اور کوتاہیوں کے باوجود اور اپنے انحراف کے

باوصف اپنی تمام معاصر جاہلی قوتوں کے مقابلہ میں نبی علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شاہ راہ سے قریب تر اور خدا کے زیادہ مطیع و فرمانبردار تھے، ان کا وجود اور ان کا رہا سہا اقتدار جاہلیت کے لئے پھیلنے اور ترقی کرنے میں بڑی زبردست رکاوٹ اور تیر سکندری کا کام لے رہا تھا، وہ اپنی ساری کمزوریوں کے باوجود دنیا کی ایک اہم طاقت تھے، جس سے حکومتیں خائف رہتی تھیں اور جس کی ان کی نگاہ میں بڑی اہمیت تھی، لیکن بغیر اس کے کہ باہر کے لوگوں کے محسوس ہوا نہ دینی طور پر یہ طاقت کمزور ہوتی رہی یہاں تک کہ ساتویں صدی ہجری کے وسط میں ان کا سیاسی انتشار، اضافی کمزوری اور ضعف پورے طور پر نمایاں ہو گیا اور اسلامی طاقت کا وہ ٹھیسب سایہ جو دور سے نظر آتا تھا، اوجھل ہو گیا اور اس کے بھٹتے ہی مسلمانوں پر وحشی قوموں اور جریلت طاقتوں کا نرغہ بھا اور اسلامی ممالک ایک لاوارثی مال کی طرح فاتحوں میں تقسیم ہونے لگے۔

## ہنگامہ تاتار

ان وحیانہ حلوں میں سب سے بڑا حملہ تاتاریوں کا حملہ تھا جو مورخ کی طرح مشرق سے بڑھے اور سارے عالم اسلام پر چھا گئے، تاتاری یورش عالم اسلام کے لئے ایک بلاء عظیم تھی جس سے دنیا بھر کے مسلمانوں کی چولیں ہل گئیں، مسلمان بہوت و ششدر تھے، ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک ہراس اور یاس کا عالم طاری تھا، ایک مرتبہ تقریباً سارا عالم اسلام (خصوصاً اس کا مشرقی حصہ) اس فتنہ جہاں سوز کی لپیٹ میں آ گیا مورخ ابن اثیر اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے اپنی قلبی کیفیت اور تاثر کو چھپا نہیں سکا وہ لکھتا ہے:-

”یہ حادثہ اتنا ہولناک اور ناگوار ہے کہ میں کہی بریں تک اس پس و پیش میں رہا کہ اس کا



ذکر کروں یا نہ کروں اب بھی بڑے تردد و تکلف کے ساتھ اس کا ذکر رہا ہوں اور واقعہ بھی یہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی خیر موت سنا اس کو آسان ہے اور کس کا جگر ہے کہ ان کی ذلت و رسوائی کی داستان سنائے؟ کاش میں نہ پیدا ہوتا، کاش میں اس واقعہ سے پہلے مر چکا ہوتا اور بھولا بسر ہو جاتا لیکن مجھے بعض دوستوں نے اس واقعہ کے لکھے پر آمادہ کیا پھر بھی مجھے تردد تھا، لیکن میں نے دیکھا کہ نہ لکھنے سے بھی کچھ فائدہ نہیں۔

یہ وہ حادثہ عظمیٰ اور مصیبت کبریٰ ہے کہ دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی، اس واقعہ کا تعلق تمام انسانوں سے ہے لیکن خاص طور پر مسلمانوں سے ہے اگر کوئی شخص دعویٰ کرے کہ از آدم تا میں دم ایسا واقعہ دنیا میں نہیں پیش آیا تو وہ کچھ غلط دعویٰ نہ ہوگا اس لئے کہ تاریخ میں اس واقعہ کے پانچ بھی کوئی واقعہ نہیں ملتا اور شاید دنیا قیامت تک (یا جو ج و ما جو ج کے سوا) کبھی ایسا واقعہ نہ دیکھے، ان وحشیوں کی پر رحم نہیں کھایا، انھوں نے عورتوں، مردوں اور بچوں کو قتل کیا، عورتوں کے پیٹ چاک کر دیئے اور پیٹ کے بچوں کو مار ڈالا "إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ" وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ" یہ حادثہ عالم گیر و عالم آشوب تھا، ایک طوفان کی طرح اٹھا اور دیکھتے دیکھتے سارے عالم پر پھیل گیا۔

۶۵۶ھ میں یہ تاتاری دارالخلافہ بغداد میں فاتحانہ داخل ہوئے اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، مؤرخ ابن کثیر بغداد کی تباہی اور تاتاریوں کی غارتگری و خون آشامی کا ذکر کرتے ہوئے اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:-

"بغداد میں چالیس دن تک قتل و غارت کا بازار گرم رہا چالیس دن کے بعد

یہ گزشتہ جو دنیا کا پر رونق ترین شہر تھا، ایسا ایران و تاج ہو گیا کہ تھوڑے سے آدمی دکھائی دیتے تھے بازاروں اور راستوں پر لاشوں کے ڈھیر اس طرح لگے تھے کہ ٹیٹا نظر آتے تھے ان لاشوں پر بارش ہوئی تو صورتیں بگڑ گئیں اور سارے شہر میں قہقہہ پھیل گیا جس سے شہر کی ہمارا ب ہوئی اور سخت وبا پھیلی جس کا اثر ملک شام تک پہنچا اس ہوا اور وبا بکثرت مخلوق تری گرائی، وبا اور فتنوں کا دور دورہ تھا۔

## مصری افواج کے مقابلے میں تاتاریوں کی شکست

عراق و شام کے قبضے کے بعد تاتاریوں کا رخ قدرتی طور پر مصر کی طرف تھا اور وہی تہہ اسلامی ملک تھا جو ان کی غارتگری سے بچا ہوا تھا، سلطان مصر الملک المظفر سیف الدین قطر کو معلوم تھا کہ اب مصر کی باری ہے اور تاتاریوں کی چڑھائی کے بعد ملک کی حفاظت مشکل ہے اس نے مناسب سمجھا کہ وہ مصر میں مدافعت کرنے کے بجائے آگے بڑھ کر شام میں تاتاریوں پر خود حملہ کرے، چنانچہ ۲۵ رمضان المبارک ۶۵۷ھ کو عین جاتوت کے مقام پر تاتاریوں اور مصر کی اسلامی افواج کا مقابلہ ہوا اور سابق تجربوں کے بالکل خلاف تاتاریوں کو شکست فاش ہوئی، وہ بڑی طرح سے بھگے اور مصریوں نے ان کا تعاقب کیا اور کثرت سے ان کو قتل کیا، اور بڑی تعداد میں گرفتار۔

سیف الدین قطر کے بعد الملک الظاہر بیبرس نے متعدد بار تاتاریوں کو شکست دی اور سارے ملک شام سے ان کو بے دخل اور خارج کر دیا، اور اس طرح وہ کہاوت غلط ثابت ہوئی کہ تاتاریوں کی شکست ممکن نہیں۔

## مسلمانوں کے فاتح اسلام کے مفتوح

بایں ہمت تاتاری عراق سے لے کر ایران و ترکستان تک قابض تھے اور خود را اسلام بندگان  
ان کے قبضہ میں تھا، ایک نیم جوشی بُت پرست قوم کا عالم اسلام کے علمی و تہذیبی مرکز پر قابض  
رہنا ایک نفوس ناک افتخار تھا جس کا پورے عالم اسلام اور پوری زندگی اور تمدن و اخلاق پر  
اثر پڑ رہا تھا، عالم اسلام میں کوئی طاقت ایسی نہ تھی جو ان کو عراق سے بے دخل کر سکے اس وقت  
اسلام کی روحانی طاقت اور قوتِ تسخیر کا ایک مجرّہ ظاہر ہوا اور چند گنا مخلص داعیوں اور  
امراءِ دربار کی توجہ اور کوشش سے تاتاری سلاطین و امرا میں اسلام کی اشاعت شروع ہو گئی،  
اور اس طرح اسلام نے اس ناقابلِ تسخیر قوم کو فتح کر لیا جس نے سارے عالم اسلام کو ایک بار فتح  
کر لیا تھا، ابن کثیرؒ ۶۹۴ھ کے واقعات میں لکھتے ہیں :-

۱۰ سال چچا، تان کا پڑ پوتا قازان تاتاریوں کا بادشاہ ہوا اور امیر تونون  
رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر علانیہ مشرف باسلام ہوا اور تاتاری کل یا بیشتر اسلام  
میں داخل ہو گئے جس روز بادشاہ نے اسلام قبول کیا اس روز سونا چاندی اور  
موتی لوگوں کے سرور پہنچا ور کئے گئے، اس نے اپنا نام محمود رکھا اور جمعہ اور  
خطبہ میں شرکت کی، بہت سے بُت خانے گرا دیئے اور ان پر چہرے بقر کیا بندگان  
اور دوسرے شہروں اور ملکوں کی غصب کی ہوئی چیزیں واپس کی گئیں اور انھیں  
کیا گیا اور لوگوں نے تاتاریوں کے ہاتھ میں مسیحی دیکھیں اور اللہ تعالیٰ کے  
فضل و احسان کا شکر ادا کیا؛

## تاتاری حملے کا عالم اسلام پر اثر

تاتاری حملے سے عالم اسلام کو ایسا دھچکا لگا تھا کہ اس کے سنبھلنے کے لئے مدت دو کار تھی، تاتاری حملے ہی سے مسلمانوں کے قوائے فکر یہیں ضحلال و افسردگی اور طبیعتوں میں یاس انگیزی اور جوہر پیدا ہو گیا، اس حملے سے علوم و فنون ادب و شاعری، تصنیف و تالیف اور اخلاق و معاشرت سب پر اثر پڑا تھا، علمی و ادبی سرمایہ میں اضافہ، قدرت و اصلاح اور تعمیر و ترقی کے بجائے اب اہل علم اور صالحین دین کو اس کی فکر تھی کہ وہ موجودہ سرمایہ کی حفاظت کا معقولہ انتظام کر سکیں، اُردو کی طرح اس فقہی، علمی اور ادبی ذخیرہ کو تباہی سے بچا سکیں جو اب ان کی تولیت اور امانت میں تھا، انسانیت و تہذیب کی یہ بڑی قیمتی تھی کہ دنیا کی زمانِ قیادت ان جاہلی اور وحشی قوموں کے ہاتھ میں نہ ہو نہ کوئی آسمانی دین رکھتے تھے اور نہ کسی علم و تہذیب و تمدن کے سرمایہ کے مالک تھے، ان کی قیادت میں کسی علمی و دینی ترقی کی امید نہیں کی جاسکتی تھی، ان کے اسلام قبول کر لینے کے بعد اگرچہ مسلمان ان کی غارتگری اور خونِ شامی سے محفوظ رہ گئے تھے اور ان کو دینی آزادی حاصل ہو گئی تھی اور اسلام حکمران طبقہ کا مذہب بن گیا تھا، مگر ان جدید اسلام تاتاریوں میں بہر حال دینی و علمی قیادت اور اسلامی امامت کی صلاحیت نہ تھی اور اس صلاحیت کے پیدا ہونے کے لئے ایک طویل مدت درکار تھی اس وقت ایک ایسی تازہ دم عالی حوصلہ مجاہد سیرت قوم کی ضرورت تھی جو کرتے ہوئے عالم اسلامی کو سنبھال سکے، اس میں نہایت بڑی اور نئی روح پیدا کر دے اور عالم اسلامی کی قیادت کا فرض انجام دینے کی کوشش کرے۔

میلن قیادت میں عثمانی ترکوں کی آمد اور عالم اسلامی کا ایک سنبھالا

کچھ ہی عرصہ کے بعد آٹھویں صدی میں عثمانی ترک تاریخ کے منظر عام پر آئے، انھوں نے

دنیا کو عام طور پر اور مسلمانوں کی نگاہوں کو خصوصیت کے ساتھ اپنی طرف اس وقت متوجہ کیا جب سلطان محمد فاتح نے ۱۴۵۳ء مطابق ۱۴۵۳ء میں اپنی چوبیس برس کی عمر میں بازنطینی کے ناقابلِ تسخیر دار السلطنت قسطنطنیہ کو فتح کر لیا، اس واقعہ سے مسلمانوں میں ایک نئی آہنگ اور نیا جوش پیدا ہو گیا ترک (جن کی قیادت آل عثمان کر رہے تھے) اس کے اہل تھے کہ ان پر اسلامی اقوام کی قیادت کے بارہ میں مسلمانوں کی طاقت کو از سر نو واپس لانے میں اور دنیا میں ان کے کھوئے ہوئے مرتبہ اور مقام کو بحال کرنے میں اعتماد کیا جائے ان کا قسطنطنیہ کو فتح کر لینا جس کے مسلمان آٹھ سو برس تک بار بار کی کوششوں کے باوجود فتح نہیں کر سکے تھے ان کی قابلیت و قوت اور فنونِ جنگ میں مرتبہ اجتہاد کو پہنچ جانے کی دلیل تھی، اور یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ جنگی طاقت اور سامانِ جنگ میں اپنی تمام معاصر قوموں سے فائق ہیں اور ان میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ اپنے مقصد کے لئے علم و عمل کی طاقت اور اجتہاد سے کام لے سکیں اور قائمِ قوم کے لئے یہ تمام صفات بمنزلہ شرفِ اعلیٰ کے ہیں۔

اپنی کتاب "مفکرین اسلام" کے پہلے حصہ میں BARON CARRA DE VAUX

محمد فاتح کے تذکرہ میں لکھتا ہے:-

یہ فتح محمد فاتح کو محض بخت و اتفاق سے حاصل نہیں ہوئی تھی اور نہ اس کا سبب محض بازنطینی سلطنت کی کمزوری تھی اصل وجہ یہ تھی کہ سلطان بہت پہلے سے اس کے لئے ضروری انتظامات کر رہا تھا اور اس کے زمانہ میں علم کی جتنی طاقت تھی اس سے کام لے رہا تھا تو اس وقت نئی نئی ایجاد ہوئی تھیں اس نے کوشش کی کہ جتنی زبردست اور بڑی توپ اس زمانہ میں بن سکتی ہے بنائی جائے اس نے اس کے لئے ہنگامی کے ایک انجینیر کی خدمات حاصل کیں جس نے اس کے لئے

ایک ایسی توپ بنائی جو تین سو کیلو کے وزن کا گوڑہ پھینکتی تھی اور اس کی مار ایک میل سے زیادہ کی تھی کہتے ہیں کہ اس توپ کو کھینچنے کے لئے سات سو آدمیوں کی ضرورت ہوتی تھی اور اس کے بھرنے کے لئے دو گھنٹے چاہئے تھے جب محمد فاتح قسطنطنیہ فتح کرنے چلا تو اس کی قیادت میں تین لاکھ سپاہی تھے اور زبردست توپخانہ، اس کا بحری بیڑہ جو قسطنطنیہ کا سمندر کی جانب سے محاصرہ کئے ہوئے تھا ایک سو بیس جنگی کشتیوں پر مشتمل تھا، اس نے اپنی عقل و اجتہاد سے یہ تجویز کیا کہ جنگی بیڑہ کا ایک حصہ خشکی سے خلیج تک پہنچایا جائے اس نے لکڑیوں پر چربی مل کر شہر جہاز قاسم پاشا کی سمت سے سمندر میں اتار دیئے۔

محمد فاتح سے یورپ اس قدر مرعوب اور خوف زدہ تھا کہ اس کے انتقال پر اپنے اعظم نے جشن مسرت منانے کا حکم دیا اور فرمان صادر کیا کہ تین روز تک مسلسل شکرانہ کی نمازیں پڑھی جائیں۔

## ترکوں کی خصوصیات

مسلمان ترک قوم میں دو حقیقت کچھ ایسی خصوصیات ہیں جن سے وہ مسلمانوں کی قیادت کی مستحق تھی۔

۱۔ وہ ایک بلند و صلہ پر جوش اور زندہ قوم تھی جس میں جہاد کی روح تھی اور جو بد و سیرت کی زندگی اور سادگی سے قریب العہد ہونے کی وجہ سے ان اخلاقی اور اجتماعی امراض سے محفوظ تھی جن میں اسلامی قومیں شرق میں مبتلا ہو کر مڑ چکی تھیں۔

۲۔ اس کے پاس ایسی جنگی طاقت تھی جس سے وہ اسلام کے مادی اور روحانی تسلط کو بھانپ سکتا

اور بیت قوموں کی دست درازیوں کو روک سکے اور دنیا کی قیادت کے منصب پر فائز ہو سکے، ایک وقت میں عثمانی سلاطین بین بر اعظم یورپ، ایشیا اور افریقہ میں حکومت کرتے تھے، اسلامی مشرق ایران سے مرکش تک ان کے زیر فرمان تھا، ایشیائے کوچک کو وہ زیرِ کچکے تھے، اور یورپ میں آگے بڑھتے ہوئے وہ ویتاناکا دیواروں تک پہنچ گئے تھے، بحرِ متوسط کے وہ تنہا مالک تھے جس پر کسی دوسری قوم یا سلطنت کا کوئی اثر نہ تھا، پطرس اعظم (PETER THE GREAT) کے معتمد نے ایک مرتبہ قسطنطنیہ سے قیصر کو لکھا تھا کہ سلطان بحرِ اسود کو اپنا گھر سمجھتے ہیں جس میں کسی غیر کو داخل ہونے کی اجازت نہیں، ترکوں کے بحری بیڑہ کا مقابلہ سارا یورپ ملکر بھی نہیں کر سکتا تھا، ۱۷۲۵ء میں پاپائے اعظم، ونیس اسپین، پرتگال اور مالٹا کی متحدہ بحری طاقت نے اس بیڑہ کو شکست دینی چاہی لیکن شکست کھائی، سلیمان اعظم کے زمانہ میں ترکوں کو بحری و بری، اور سیاسی اور روحانی اقتدار حاصل تھا، اس کے زمانہ میں عثمانی حکومت کے حدود شمال میں دریائے صاودہ (۱۸۱۸ء) جنوب میں نیل کے دہانہ اور بحرِ ہند تک، مشرق میں قفقاز کے سلسلہ کوہ اور مغرب میں کوہِ اطلس تک پہنچ گئے تھے، اور چار لاکھ مربع میل کا رقبہ اس کے زیرِ حکومت تھا، سلطنت عثمانیہ کا بحری بیڑہ تین ہزار فوجی جہازوں پر مشتمل تھا، روم کے علاوہ قدیم دنیا کا ہر مشہور شہر حکومت عثمانیہ کے زیرِ فرمان تھا۔

یورپ سارا ان سے ہیبت زدہ تھا، اس کے بڑے بڑے بادشاہ عثمانی سلاطین کی حفاظت اور پناہ میں داخل ہوتے تھے، ان کے احترام میں کلیساؤں کے گھنٹے بند ہو جاتے تھے۔ ۳۔ بین الاقوامی قیادت کے لئے ان کو بہترین جغرافیائی مرکز حاصل تھا، وہ جزیرہ نما بلقان سے یک وقت ایشیا اور یورپ کی نگرانی کر سکتے تھے، ان کا دارالسلطنت بحرِ اسود اور بحرِ ابض کے

دریان واقع اور ایشیا اور یورپ کی خشکیوں کا نقطہ اتصال تھا، اس لئے ایک ایسی حکومت کا جس کو تینوں براعظم (یورپ، ایشیا اور افریقہ) کی بیک وقت نگرانی کرنی تھی وہ بہترین پائیدار تھا، نبولین نے ایک موقع پر کہا تھا کہ اگر کبھی ساری دنیا کی ایک متحدہ حکومت قائم ہوئی تو قسطنطنیہ ہی میں یہ صلاحیت ہے کہ اس کا دارالسلطنت بنے۔

وہ یورپ میں تھے اور یورپ کو مستقبل قریب میں بڑی اہمیت اور حیثیت حاصل ہونے والی تھی، زندگی کی طاقتیں اور ترقی کے محرکات و عناصر اس کے سینہ میں اُبل رہے تھے، اگر اسٹر تو قیق دیتا تو ترکوں کے لئے یہ ممکن تھا کہ علم عقل کے میدان میں پیش قدمی کریں، اور یورپ کی عیسائی قوموں سے بازی لے جائیں اور دنیا کے مثنویان کر اس سے پہلے کہ یورپ دنیا کی عنان قیادت ہاتھ میں لے کر اس کو ہلاکت و تباہی کی طرف لے جائے، وہ اس کو حق و ہدایت کی منزل کی طرف جس کا نشان اُن کو اسلام کے طفیل میں مل چکا تھا لے چلیں۔

## ترکوں کا تنزل

لیکن ترکوں کی بدقسمتی سے زیادہ مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ عین ترقی و عروج کے زمانہ میں ترکوں میں تنزل و انحطاط شروع ہو گیا اور قوموں کے پرانے امراض ان میں پیدا ہو گئے، آپس میں حسد و بغض کا نشو و نما ہوا، بادشاہ مستبد اور جابر ہونے لگے، حکمرانوں کی تربیت کا نظام بگڑ گیا، اخلاق میں انحطاط شروع ہو گیا، احکام اور سپہ سالار قوم و سلطنت سے خیانت اور غداری کرنے لگے، قوم میں راحت طلبی اور عافیت کو نشی پیدا ہو گئی، غرض زوال پذیر قوموں کی وہ تمام صفات پیدا ہو گئیں جن کی تفصیل ترکوں کی تاریخ کی کتابوں میں ہے اور یہ اس کا موقع نہیں ہے۔



## ترکوں کا جمود اور پسماندگی

سب سے بڑا مرض جو ترکوں میں پیدا ہوا تھا وہ جمود تھا اور جو کچھ دونوں طرح کا عالم و حکم میں بھی جو  
اور فنون جنگ و سرکشی تنظیم و ترقی میں بھی، قرآن مجید کی یہ آیت انھوں نے بالکل فراموش کر دی۔

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ ۖ

مِلُوا جِهَانَ تَكْتُمُهَا ۚ بَرِّئُوا مِنْ قُوَّةٍ ۚ

مِلُوا جِهَانَ تَكْتُمُهَا ۚ بَرِّئُوا مِنْ قُوَّةٍ ۚ

مِلُوا جِهَانَ تَكْتُمُهَا ۚ بَرِّئُوا مِنْ قُوَّةٍ ۚ

مِلُوا جِهَانَ تَكْتُمُهَا ۚ بَرِّئُوا مِنْ قُوَّةٍ ۚ

مِلُوا جِهَانَ تَكْتُمُهَا ۚ بَرِّئُوا مِنْ قُوَّةٍ ۚ

مِلُوا جِهَانَ تَكْتُمُهَا ۚ بَرِّئُوا مِنْ قُوَّةٍ ۚ

مِلُوا جِهَانَ تَكْتُمُهَا ۚ بَرِّئُوا مِنْ قُوَّةٍ ۚ

مِلُوا جِهَانَ تَكْتُمُهَا ۚ بَرِّئُوا مِنْ قُوَّةٍ ۚ

مِلُوا جِهَانَ تَكْتُمُهَا ۚ بَرِّئُوا مِنْ قُوَّةٍ ۚ

مِلُوا جِهَانَ تَكْتُمُهَا ۚ بَرِّئُوا مِنْ قُوَّةٍ ۚ

مِلُوا جِهَانَ تَكْتُمُهَا ۚ بَرِّئُوا مِنْ قُوَّةٍ ۚ

مِلُوا جِهَانَ تَكْتُمُهَا ۚ بَرِّئُوا مِنْ قُوَّةٍ ۚ

مِلُوا جِهَانَ تَكْتُمُهَا ۚ بَرِّئُوا مِنْ قُوَّةٍ ۚ

مِلُوا جِهَانَ تَكْتُمُهَا ۚ بَرِّئُوا مِنْ قُوَّةٍ ۚ

مِلُوا جِهَانَ تَكْتُمُهَا ۚ بَرِّئُوا مِنْ قُوَّةٍ ۚ

مِلُوا جِهَانَ تَكْتُمُهَا ۚ بَرِّئُوا مِنْ قُوَّةٍ ۚ

مِلُوا جِهَانَ تَكْتُمُهَا ۚ بَرِّئُوا مِنْ قُوَّةٍ ۚ

مِلُوا جِهَانَ تَكْتُمُهَا ۚ بَرِّئُوا مِنْ قُوَّةٍ ۚ

لیکن افسوس ہے کہ ترک مصلحتیں چھوڑ بیٹھ گئے وہ اپنی جگہ پر ہے اور یورپین قومیں کہیں کہیں پہنچ گئیں۔ مشہور ترکی فاضلہ خالدہ ادیب خانم نے ترکوں کے اس علمی اور تعلیمی جمود کا بڑی وضاحت کے ساتھ ذکر کیا ہے، وہ کہتی ہیں:-

”جب تک دنیا پر شکلیں کے فلسفہ کی حکومت رہی ترکی کے علماء اپنا کام نہایت غولی سے کرتے رہے، مدرسہ سلیمانیرہ اور مدرسہ فاتح اس زمانہ میں تمام مروجہ علوم و فنون کے مرکز بن گئے، مگر جب مغرب نے کلام کی زنجیروں کو توڑ کر نئے علم و حکمت کی بنیاد ڈالی جس نے دنیا کی زندگی میں ایک انقلاب پیدا کر دیا تو علماء کی جماعت میلے کے فرائض انجام دینے کے قابل نہیں رہی، یہ حضرات سمجھتے تھے کہ علم جس مقام پر پہنچا ہوا ہے اس میں تھوڑا سا تبدیلی سے اب تک آگے نہیں بڑھا، یہ طرز خیال انیسویں صدی کے وسط تک ان کے نظام تعلیم پر حاوی رہا، ترکی اور دوسرے اسلامی ممالک کے علماء کا یہ طرز خیال جدید اسلامی سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا تھا، فلسفہ کلام یا علم کلام خواہ وہ عیسائیوں کا ہو یا مسلمانوں کا یونانیوں کے فلسفہ پر مبنی ہے، اس پر کم و بیش ارسطو کے خیالات کا رنگ غالب ہے جو ایک ذہنی فلسفی تھا، یہاں اس کی ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ ہم مختصر الفاظ میں عیسائی علماء اور مسلمان علماء کے طرز خیال کا مقابلہ کریں۔“

قرآن کریم میں عالم طبیعی کی تخلیق کے مسئلہ کا کہیں تفصیل سے ذکر نہیں ہے، اس کی تعلیم میں زیادہ اہمیت اخلاقی و معاشرتی زندگی کو دی گئی ہے اس کا خاص مقصد حسن و قبح، خیر و شر میں امتیاز کرنا ہے وہ دنیا کے لئے ایک قانون عمل لے کر آیا ہے، مابعد الطبیعی مسائل و روحانی معارف بھی جہاں کہیں بیان کئے گئے ہیں ان میں کوئی پیچیدگی یا اشکال نہیں اس کی بنیادی تعلیم توحید ہے، اسی وجہ سے اسلام ایک نہایت سہل و سادہ

مذہب اور اس میں اور مذاہب کے کہیں زیادہ اس کی گنجائش ہے کہ عالم طبعی کے نئے نظریات کو قبول کر سکے۔ مگر یہ سادگی اور وسعت نظر جو نئی علمی تحقیقات کے لئے اس قدر سازگار تھی کہ مسلمانوں میں زیادہ دن نہیں رہنے پائی نویں صدی میں علماء اور حکماء نے نہ صرف نقد بلکہ انہیات کو بھی اصول و مضامین کی زنجیروں میں جکڑ دیا یعنی تحقیق و اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا، اسی زمانہ میں اسلامی فلسفہ میں ارسطو کے خیالات دخل ہو گئے۔

بجلاف اس کے دین عیسوی میں جسے مسیح کے مذہب کی جگہ سینٹ پال کا مذہب کہنا زیادہ موزوں ہے کتاب پیدائش کے اندر عالم طبعی کی مفصل تفسیر موجود ہے، عیسائی اسے خدا کا کلام تسلیم کر چکے تھے اس لئے ان پر یہ فرض عائد ہوتا تھا کہ اس تفسیر عالم کی حقانیت کو ثابت کریں اس تاویل میں شاہدہ ان کا ساتھ نہیں دیتا تھا اس لئے استدلال سے مدد لینا پڑی ارسطو کا دامن انھوں نے اس لئے پکڑا کہ اس کی منطق سحر کی سی خاصیت رکھتی تھی۔

جب مغرب نے فطرت کا مطالعہ مشاہدہ اور تجربہ تحلیل اور تجزیہ کے ذریعہ سے کرنا شروع کیا تو ارباب کلیسا کے ہوش اُڑ گئے، ادھر نئے علمی طریقوں کی مدد سے بڑے بڑے امکانات ہونے لگے اور ادھر عیسائی علماء کو یہ خوف پیدا ہوا کہ اب کلیسا کی حکومت کا خاتمہ ہے چنانچہ مغرب میں اس دور کا آغاز ہوا جس میں بڑے بڑے سائنس دان جو عالم طبعی کے دائرہ کے اندر تحقیق میں مصروف تھے قتل کر دیئے جاتے تھے۔ سائنس اور مذہب کے خوریز سرکوں کے بعد آخر عیسوی کلیسا کو مصلحت شامی سے کام لینا پڑا اس نے اپنے مدرسوں اور مکتبوں کے نصاب میں سائنس کو داخل کر دیا اس کی یونیورسٹیاں جو پہلے بالکل اسلامی مدارس کی طرح تھیں سائنس اور علوم جدیدہ کا مرکز

بن گئیں، مگر اسی کے ساتھ اس نے ابد الطبیعی فلسفہ کو بھی نہیں چھوڑا اس کا نتیجہ  
یہ ہوا کہ کلیسا کا اثر تعلیم یافتہ طبقہ کے کم سے کم ایک حصہ پر بدستور باقی رہا، اکیٹھواک اور  
پروٹسٹنٹ پادری نئے علوم پر عبور رکھتے تھے، اور نئے زمانہ کے نوجوانوں سے ہر موضوع  
پر بحث کر سکتے تھے۔

عثمانیوں کے یہاں علماء کی حالت اس کے بالکل برعکس تھی انھوں نے علوم جدیدہ  
کی تحصیل کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، بلکہ نئے خیالات کو اپنی قلمرو میں داخل ہی نہیں  
ہونے دیا، جب تک ملت اسلامی کی تعلیم کی باگ ان کے ہاتھ میں تھی کیا مجال کہ کوئی نئی چیز  
قریب آنے پائے یہ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے علم پر عبور داری ہو کر رہ گیا، اور دور انحطاط  
میں ان کی سیاسی مصروفیتیں اس قدر بڑھ گئی تھیں کہ شاہدہ اور تجربہ کے جھیلے میں  
پڑنے کی انھیں فرصت نہ تھی، سہل نسخہ بھی تھا کہ ارسطو کے فلسفہ پر قدم جمائے رہیں  
اور علم کی بنیاد استدلال پر رہنے دیں چنانچہ اسلامی مدارس کا انیسویں صدی میں بھی  
وہی رنگ رہا جو تیرھویں صدی میں تھا۔

## عالم اسلام کا عام ذہنی و علمی انحطاط

علمی عبور اور ذہنی اضمحلال اس وقت صرف ترکی اور اس کے علمی اور دینی حلقوں کی خصوصیت  
نہیں تھی، واقعہ یہ ہے کہ پورا عالم اسلامی مشرق سے مغرب تک ایک علمی انحطاط کا شکار تھا، دماغ تھکا  
ٹھنکے سے اور طبیعتیں کھجی کھجی سی نظر آتی تھیں اور ایک عالمگیر عبور اور افسردگی چھائی ہوئی تھی، اگر ہم  
احتیاطاً آٹھویں صدی سے اس ذہنی اضمحلال کی ابتداء نہ کریں تو اس میں شبہ نہیں کہ نویں صدی ہجری  
لے ترکی میں مشرق و مغرب کی کشمکش، ازخالدہ ادیب خانم۔

وہ آخری صدی تھی جب جدت فکر، قوت اجتہاد اور ادب و شاعری، حکمت و فن میں ندرت اور تخلیق کے آثار نظر آتے ہیں یہی وہ صدی ہے جس میں مقدمہ ابن خلدون جیسا مفکرانہ تصنیف عالم اسلام کو حاصل ہوئی، دسویں صدی سے بہت واضح طور پر افسردگی، شدت تقلید اور نقالی کے آثار نظر آنے لگتے ہیں یہ افسردگی اور انحلال کسی خاص شعبہ اور کسی خاص فن کے ساتھ مخصوص نہیں تھا، دینی علوم، شعر و ادب، انشا و تاریخ، تعلیمی نصاب، نظام سب کے سب کم و بیش اس سے متاثر نظر آتے ہیں پچھلی صدیوں کے علماء کے تذکرے اور کتب سوانح پڑھئے سیکڑوں ناموں میں ایک ایسے شخص کا نام شکل ہوگا جس پر بقری (GENIUS) کے لقب کا اطلاق درست ہوا جس نے کسی موضوع پر کوئی نئی چیز پیش کی ہو یا کسی خاص علم میں اس نے کوئی گرانقدر اضافہ کیا ہو پچھلی صدیوں میں ہم صرف چند افراد کا استثناء کر سکتے ہیں جو اپنے زمانہ کی عام علمی و ذہنی سطح سے بہت بلند تھے اور جنہوں نے دینی یا علمی، باہرہ میں کوئی بڑا انقلابی کارنامہ یا علمی شاہکار پیش کیا ہے، خوش قسمتی سے ان تمام استثنیٰ افراد کا تعلق ہندوستان کی سرزمین سے ہے ان میں سے ایک حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی (م ۱۰۳۴ھ) ہیں جن کے مکتوبات اسلام کے علمی و دینی سرمایہ میں ایک بیش بہا اضافہ ہے اور جنہوں نے پورے عالم اسلام پر گہرا اثر ڈالا ہے، دوسرے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) ہیں جن کی کتاب حجتہ اللہ البالغہ "ازالۃ الخفا" "الفوز الکبیر" اور رسالۃ الانصاف اپنے اپنے موضوع پر بالکل منفرد تصنیفات ہیں تیسرے ان کے صاحبزادے شاہ رفیع الدین دہلوی (م ۱۲۳۳ھ) جنہوں نے اپنی تصنیفات تکمیل الاذہان اور رسالہ اسرار المحبت میں بعض نئے خیالات کا اظہار کیا جو تھے شاہ اسماعیل شہید دہلوی (ش ۱۲۴۶ھ) جن کی کتاب منصب امامت اور عجقات اجتہادی شان رکھتی ہے اور اپنے اپنے موضوع پر بے نظیر ہے، اسی طرح فرنگی محل کا خاندان اور یورپ کے بعض تعلیمی سلسلے اپنی دکاوت اور طباطبی

میں بہت متاثر نظر آتے ہیں اور انھوں نے اپنے وقت کے تعلیمی حلقوں پر بڑا گہرا اثر ڈالا ہے۔ مگر ان کی ذہانت اور علمی کمالات درسیات کے دائرہ سے بہت کم تجاوز کرتے ہیں۔

صرف علم دین پر منحصر نہیں، ادب و شاعری بھی اپنی زندگی اور تازگی کھوپکی تھی اور ان بھی تقلید و تہج کا غلبہ تھا، شرواں شاہ پر دازی کو تکلف و تصنع قافیہ پسائی، لفظی صنّاعی اور عبارت آرائی نے بے رونق اور بے روح بنا رکھا تھا، دوستانوں کے خطوط، تاریخ کی کتابیں اور دفتری تحریریں اور فرامین بھی اس عیب سے پاک نہیں تھے، کہیں کہیں ادب و انشاء کا کوئی ایسا نمونہ مل جاتا ہے جو اس زمانہ کے مذاق عام سے الگ اور سہل سطح سے بلند نظر آتا ہے۔

تعلیمی حلقے اور مدارس سخت جمود و تقلید کا شکار اور ایک علمی و فکری انحطاط میں گرفتار نظر آتے ہیں، متقدمین کی علم آموز اور ذوق آفرین کتابیں نصاب تعلیم سے رفتہ رفتہ خارج کر دی گئیں، ان کی جگہ پرانے متاخرین کی کتابیں آگئیں جو اپنے فن میں درجہ اجتہاد نہیں رکھتے تھے، اور متقدمین کے صرف مقلد یا شارح تھے، متون کی جگہ شروح و حواشی نے لے لی جن کی تالیف میں ان کے مصنفین نے کاغذ کے بارے میں سخت کفایت شعاری سے کام لیا تھا، اور عام فہم اور واضح زبان کے بجائے اشارات و رموز میں لکھا تھا، اس سب سے اس ذہنی و علمی انحطاط اور پستی کا اندازہ ہو گا جو پورے عالم اسلام پر طاری تھی، اور جس سے اس کا کوئی گوشہ اور زندگی کا کوئی شعبہ بچا ہوا نہیں تھا۔

## ترکوں کے معاشرتی معاصر

دولتِ عثمانیہ کی ہمسرد و طاقتور مشرقی حکومتیں تھیں، ہندوستان میں نیل سلطنت جس کی بنیاد ۹۳۳ھ میں بابر کے مضبوط ہاتھوں سے پڑی تھی جو سلطان سلیم اول کا مسافر تھا،

اور جس کے تخت پر یکے بعد دیگرے طاقتور بادشاہ آئے، ترکی کے بعد شرق کی سب سے بڑی  
اعظمت اور پڑشکوہ سلطنت تھی، اسی خاندان کا آخری طاقتور بادشاہ سلطان اورنگ زیب عالمگیر  
تھا جو سلطنت کی وسعت، فتوحات کی کثرت، شہرِ علم اور دینداری اور دینی علم اور اہلِ سنت میں ہندوستان  
کی پوری اسلامی تاریخ میں حاصل امتیاز رکھتا ہے اورنگ زیب نے ۹۰ سال سے زائد عمر پائی اور اس  
پچاس برس حکومت کی اس کی وفات ۱۱۱۸ھ یعنی اٹھارویں صدی عیسوی کے اوائل میں ہوئی،  
یہ زمانہ یورپ کی بیداری اور تعمیر و ترقی کا خاص دور ہے لیکن قبرستی سے اورنگ زیب کے سب نشین  
نااہل، پست بہت اور عیش پسند مکمل، وہ یورپ کے خطرات کا مقابلہ اور امت اسلامیہ کی حفاظت  
کرنے کے اہل تو کیا ثابت ہوتے، اپنے ملک سلطنت کی حفاظت بھی نہ کر سکے اور بالآخر اپنی نااہلی  
مکروری اور نا اتفاقی سے انگریزی حکومت کے قیام و استحکام انگلستان کی ترقی و تنول اور  
صنعتی انقلاب کا باعث ہوئے اور بالواسطہ اکثر اسلامی ممالک کی غلامی کا سبب بنے۔

۱۔ برک ایڈمز اپنی کتاب "انڈیا" میں لکھتا ہے: "۲۶۳-۲۶۴ء پر لکھتا ہے: جنگ پلاسی کے بعد بنگال کا  
مال غنیمت لندن میں آنا شروع ہوا اور اس کا نتیجہ بھی بہت جلد رونما ہوا، اتنا بڑا صنعتی انقلاب جس کے اثرات  
آج دنیا کے گوشہ گوشہ میں نمایاں ہیں شاید وجود ہی میں نہ آتا اگر پلاسی کی لڑائی نہ ہوئی ہوئی، کیونکہ ہندوستان ہی کا  
خزانہ اس کا محرک و مددگار ہوا، (۲) جب ہندوستان کا خزانہ انگلستان پر آڈنا شروع ہوا اور برائیں سنا  
ہوا تو ایجاد کی تحریک بہت جلد ایک روح پیدا ہو گئی (۳) جس سے دنیا وجود میں آئی ہے شاید بھی روپے سے اتنا  
منافع حاصل نہیں ہوا جتنا ہندوستان کے مال غنیمت ہو، کیونکہ پچاس برس تک انگلستان کا کوئی مد مقابل نہ تھا،  
سروہم ڈگلی لکھتا ہے: "پلاسی کی لڑائی سے پہلے جب تک ہندوستان کے خزانے دھل دھل کر  
انگلستان نہیں آئے تھے، ہمارے ملک کا ستارہ عروج پر نہیں تھا (حقیقت ہے) کہ انگلستان کی صنعتی  
ترقی بنگال کی بے شمار دولت اور کرناٹک کے خزانوں کی بدولت ہوئی" (عمود جنگلوری)

دوسری بڑی مشرقی حکومت ایران کی صفوی سلطنت ہے جو ایک بڑی تمدن اور ترقی یافتہ سلطنت تھی لیکن شیعیت کے غلو و تعصب و ترک حکومت نے اس کو کسی اور کام کی فرصت نہ دی اور وہ بہترین زمانہ (جو یورپ کی تعمیر و تنظیم کا تھا) بھی ترکی حکومت کے حدود پر چل کر گزرا اور کبھی اپنی حفاظت و مدافعت میں گزر گیا۔

یہ دونوں سلطنتیں اپنے مسائل و معاملات میں ایسی الجھی ہوئی تھیں اور بیڑنی دنیا سے اتنی بے تعلق و بے خبر تھیں کہ ان کو یورپ و روس و راز کے ممالک الگ الگ ہے شرق اوسط اور اسلامی ممالک کے حالات و واقعات کی خبر نہ تھی رہا اسلامی سلطنتوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات اور معاہدے اور پورے اسلامی ممالک کا اتحاد قائم کرنے کا مسئلہ تو شاید ان حکومتوں کے ذمہ داروں کے کبھی خیال میں بھی یہ بات نہیں آتی تھی نہ مشرق کی شخصی حکومتوں سے امید ہو سکتی تھی اور نہ کسی تعلیمی اور جنگی حالات کا مطالعہ اور بیڑنی ممالک سے علمی و صنعتی استفادہ تو بہت دور کی بات تھی جس کی طرف کسی کا خیال جانا بھی مشکل تھا۔

## اولوالعزم افراد

اس دور خزاں میں بھی اسلام کا درخت برگ بار لاتا رہا اور خزاں میں اس نے بعض ایسے پھول اور پھل پیدا کئے جن کی مثال موسم بہار میں بھی بکثرت نہیں ملتی اور جن کی نظیر سے دوسری قوموں کی تاریخ خالی ہے یہ دور قومی انحطاط و اضمحلال لیکن انفرادی عزیمت اور شخصی جدوجہد کا دور نظر آتا ہے متعدد ممالک میں ایسے صاحب عزم بلند جوصلہ اور پیداواری قائد اور مجاہد پیدا ہوئے جنہوں نے ان آئندہ زوال اور برسر انحطاط قوموں اور ملکوں میں کچھ عرصے کے لئے نئی زندگی پیدا کر دی ہندوستان میں سلطان پو جیسا عالی ہمت، بلند نظر اور شیر قندار پیدا ہوا جو قریب تھا کہ ہندوستان کو غیر ملکی خطرے سے پاک کر دے دوسری طرف حضرت سید احمد شہید جیسا صاحب عزیمت اور صفاً تاثیر دہا



اور مجاہد پیدا ہوا جو خلافتِ راشدہ کے اصول و منہاج پر ایسی اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتا تھا جس کا حلقہ ہندوستان سے بخارا تک وسیع ہو اس کی دعوت و تربیت نے ہزاروں کی تعداد میں ایسے بلند سیرت مجاہدوں کو صلا ایشا پریشہ داعی اور سپاہی پیدا کر دیئے جنہوں نے اپنے ایمان و یقین، بیت و خلوص اور دینی جوش و حمیت سے "قرونِ اولیٰ" کی یاد تازہ کر دی ایسے قومی انحطاط اجتماعی پر گندگی اور بے نظمی اور سیاسی بے شعوری اس درجہ کو پہنچ چکی تھی کہ ایسی عظیم اور طاقتور شخصیتیں بھی مسلمانوں کے حالات اور ان کے تنزل و انحطاط کی رفتار میں کوئی بڑی تبدیلی نہ پیدا کر سکیں اور اُمت بحیثیت مجموعی ان مجاہدانہ اور تجدیدی کوششوں سے فائدہ نہ اٹھا سکی۔

## یورپ کی صنعتی و طبیعیاتی ترقیاں

سولہویں اور سترھویں صدی عیسوی ہی سے ترک تنزل و انحطاطِ علمی پس ماندگی اور جوہد کا شکار ہو چکے تھے، تاریخِ انسانی کا یہ وہ اہم ترین عہد ہے جس کا اثر بعد کی صدیوں پر نقش ہے یورپ اس میں اپنی لمبی غیند سے بیدار ہوا تھا اور ایک جوش و جنوں کی حالت میں اٹھ کر غفلت اور جہالت کے اس طویل زمانہ کی تلاشی کرنا چاہتا تھا، وہ ہر شعبہ حیات میں گریز پاتر تھی کر رہا تھا، طبعی قوتوں کو استخراجِ کائنات کے اثرات کو منکشف اور نامعلوم سمندروں اور اقلیموں کو دریافت کر رہا تھا، ہر علم و فن میں اس کی فتوحات اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس کے اکتشافات جاری تھے اس مختصر سی مدت میں اس کے یہاں ہر علم میں بڑے بڑے محقق، موجد اور مجتہدین پیدا ہوئے گوپرنیکس

COPERNICUS، برونو BRUNO، گلیلیو (GALILIO)، کیپلر (KEPLER)، نیوٹن NEWTON اور

وہ عالم اور محقق تھے جنہوں نے نہایت و طبیعات کا ایک جدید نظام پیدا کر دیا، ساحل اور جہاز رانوں

میکل لیس COLUMBUS واسکو ڈی گاما (VASCO DA GAMA) اور مگین (MAGLIN)

جیسے عالی ہمت اولوالعزم پیدا ہوئے جنہوں نے نئی دنیا اور نامعلوم ممالک دریافت کئے۔  
 قوموں کی تاریخ اس دور میں نئے سرے سے ڈھل رہی تھی اس زمانہ کا ایک ایک لمحہ  
 کئی کئی دن اور ایک ایک کنکری برس کے برابر تھا جس نے فرصت و تیاری کا ایک لمحہ کھو دیا اس نے  
 ایک طویل زمانہ ضائع کر دیا افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اس وقت لحاظ ضائع نہیں کئے بلکہ  
 صدیاں ضائع کیں اور یورپین قوموں نے ایک ایک منٹ اور ایک ایک سکند کی قدر کی اور اس سے  
 فائدہ اٹھایا اور صدیوں کی مسافت برسوں میں طے کی۔

علم و صنعت کے میدان میں ترکوں کی پسماندگی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سولہویں  
 صدی مسیحی سے پہلے ترکی میں جہاز سازی کی صنعت شروع نہیں ہوئی تھی اٹھارویں صدی عیسوی  
 میں ترکی پریں و سطلح حفظان صحت کے مراکز اور فوجی تعلیم کے لئے طرز کے مدارس سے دانشاں ہوا  
 اٹھارویں صدی کے آخر تک ترکی نئی ایجادات اور ترقیوں سے اس قدر بیگانہ تھا کہ جب غلطیہ کے  
 باشندوں نے دارالسلطنت پر ایک بخارہ (BALLOON) کو پرواز کرتے ہوئے دیکھا تو اس کو سحر یا کیمیا کی  
 کرشمہ سازی سمجھے نہ صرف یورپ کی چھوٹی چھوٹی سلطنتیں ترکی سے اس میدان میں بازی لے جا چکی  
 تھیں بلکہ مصر بھی بعض مفید نئی چیزوں سے فائدہ اٹھانے میں پیش قدمی کر چکا تھا ترکی سے چار سال  
 پہلے مصر میں ریلوے کا نظام قائم ہو چکا تھا، ڈاک کے ٹکٹ بھی ترکی سے چند مہینے پہلے مصر میں رائج ہو چکے تھے۔  
 جب ترکی کا یہ حال تھا جو عالم اسلام کا قائم تھا تو دوسرے عرب و اسلامی ممالک کا تو ترکی  
 کے زیر اثر یا دست نگر تھے جو کچھ حال ہو گا اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، چھوٹی چھوٹی نئی صنعتیں بھی  
 ابھی ان ملکوں میں رواج پذیر نہیں ہوئی تھیں ایک فرانسیسی ریلح موسیو والنی (VOLNEY) نے  
 لے نئی ایجادات کی تاریخ مطبوعہ دارالہلال مصر۔

(جس نے اٹھارویں صدی میں مصر کی سیر کی ہے اور شام میں چار سال تک مقیم رہا ہے) اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ یہ ملک صنعت میں اس قدر پیچھے ہیں کہ اگر تمہاری گھڑی خراب ہو جائے تو غیر ملکی کے علاوہ کوئی درست کرنے والا نہیں ملے گا!

پھر مسلمانوں کا تنزل صرف حکمت و علوم نظر سے اور صنعت و حرفت ہی میں نہ تھا بلکہ یہ ایک ہمہ گیر اور عمومی انحطاط تھا جو مسلمانوں پر پورے طور پر محیط تھا، حتیٰ کہ وہ اپنے فنون جنگی میں بھی یورپ سے پیچھے رہ گئے جن میں ترکوں کو درجہ امامت و اجتہاد حاصل تھا اور ان میں ان کی فوقیت کا دنیا کو اعتراف تھا، لیکن یورپ اپنی ایجاد و اجتہاد اور تنظیم کی بدولت فنون حربیہ میں بھی ترکوں سے بہت بڑھ گیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی فوجوں نے ۱۷۷۴ء میں عثمانی افواج کو شرمناک شکست دی اور دنیا پر ظاہر ہو گیا کہ ترک جنگی طاقت میں یورپ کی عیسائی قوتوں سے پیچھے رہ گئے ہیں، اس واقعہ سے حکومت عثمانی کی کچھ آنکھیں کھلیں، اور اس نے چند یورپین ماہرین فن کی خدمات حاصل کر کے فوج کی از سر نو تنظیم و تربیت کا کام شروع کیا، لیکن اصلاح و ترقی کا اصل قدم سلطان سلیم ثالث نے (جس کی قصر شاہی باہر تعلیم و تربیت ہوئی تھی) انیسویں صدی کے آغاز میں اٹھایا، نئے طرز کے مدارس قائم کئے جن میں سے انجینئرنگ کالج میں وہ نو تعلیم دیتا تھا، نظام جدید کے نام سے ایک نئی فوج کی بنیاد بھی ڈالی اور سیاسی نظام میں بھی کچھ تبدیلیاں کیں، لیکن قوم اور سلطنت کے جو کما یہ حال تھا کہ پرانی فوج نے بلوہ کر کے سلطان کو قتل کر ڈالا، اس اصلاحی مہم میں محمود ثانی جرنیل ۱۸۰۷ء سے ۱۸۳۹ء تک حکومت کی) اور اس کے بعد عبدالحمید اول (۱۸۳۹ء تا ۱۸۸۱ء) نے جانشینی کی اور ترکی نے ترقی کے کچھ قدم بڑھائے۔

ترقی کے میدان میں مسلمان ترکی نے جو فاصلہ طے کیا ذرا اس کا مقابلہ اس فاصلہ سے کیجئے جو یورپ کے اٹھارھویں اور انیسویں صدی میں طے کیا، ترقی کے میدان میں ان دونوں کی دوڑ میں کچھوے اور خرگوش کا مقابلہ تھا، فرق اتنا ہے کہ خرگوش برابر بیدار اور مشغول تھا اور کچھوہ اپنی سست رفتاری کے باوجود کبھی کبھی سو بھی جاتا تھا۔

اٹھارھویں اور انیسویں صدی میں مراکش، الجزائر، مصر، ہندوستان اور ترکی میں مشرق کی مسلمان اقوام اور مغربی قوموں اور طاقتوں کے درمیان جو معرکے پیش آئے ان کا فیصلہ دراصل سولہویں اور سترھویں صدی میں ہو گیا تھا، اور اسی وقت ان کے نتیجہ کی پیشین گوئی کی جاسکتی تھی۔



## باب پنجم

### بین الاقوامی سیادتِ قیادت کا مغربی عہد اور اس کے اثرات

نڑکوں کے تنزل و انحطاط سے عالمگیر طاقت و اقتدار اور ذہنی اور تہذیبی قیادت یورپ کی غیر مسلم قوموں کی طرف منتقل ہو گئی، جنہوں نے عرصہ دراز سے اس کی تیاری کی تھی اور تب کی کوئی حریف مساوی درجہ کی طاقت میدان میں نہ تھی، مغرب سے مشرق تک کوئی ملک ان کے اثر اور نفوذ سے خارج نہ رہا، قومیں یا تو اذی اور یا سی حیثیت سے ان کی غلام اور زیر فرمان تھیں، یا ذہنی علمی اور تہذیبی حیثیت سے زیر اثر اور زیر اقتدار تھیں۔

اس سے پہلے کہ ہم ان اثرات کا جائزہ لیں جو قیادت کے اس انتقال اور تبدیلی نے دنیا کی ذہنیت، قوموں کے اخلاق، تمدن و اجتماع، اور انسانی میلانات و رجحانات میں پیدا کیا اور اس کا فیصلہ کریں کہ انسانیت کو اس انقلاب سے نائدہ پہنچا یا نقصان پہنچا ہے کہ ہم مغربی تمدن کی فطرت، ساخت اور روح کو اور ان مؤثر قوموں کے فلسفہ زندگی کو سمجھنے کی کوشش کریں اور یہ دیکھیں کہ وہ کیسے پیدا ہوا اور اُس نے کس طرح نشوونما حاصل کی۔

## مغربی تہذیب کا شجرہ نسب

میسویں صدی کی مغربی تہذیب (جیسا کہ بعض سطحی النظر سمجھتے ہیں) کوئی ایسی نوعمر تہذیب نہیں ہے جس کی پیدائش پچھلی صدیوں میں ہوئی ہے، دراصل اس کی تاریخ ہزاروں سال کی پرانی ہے اس کا نسب تعلق یونانی اور رومی تہذیب سے ہے ان دونوں تہذیبوں نے اپنے ترکیز میں جو سیاسی نظام، اجتماعی فلسفہ، اور عقلی و علمی سرمایہ چھوڑا تھا، اس کے حصہ میں آیا اس کے سارے رجحانات اور خصوصیات اس کو نسلاً بعد نسل منتقل ہوئے۔

یونانی تہذیب مغربی ذہنیت کا سب سے پہلا واضح مظہر اور نمونہ تھی یہ پہلا تمدن تھا جو خالص مغربی فلسفہ کی بنیاد پر قائم ہوا اور اس میں مغربی نفسیات کا پورے طور پر ظہور ہوا، یونانی تہذیب کے کھنڈر پر رومی تہذیب کی عمارت قائم ہوئی جس میں ایک ہی مغربی روح کام کر رہی تھی، مغربی قومیں صدیوں تک ان دونوں تہذیبوں کی خصوصیات اور مزاج، ان کے فلسفہ، علوم و ادب، افکار کو سینہ سے لگائے رہیں انیسویں صدی میں انھیں خصوصیت کے ساتھ انھوں نے ایک نئے لباس میں ظہور کیا، اس لباس کی چمک دمک سے دھوکہ ہوتا ہے کہ وہ نیلے لیکن دراصل اس کا نامانا یونانیوں اور رومیوں کے ہاتھ کا کاٹا ہوا ہے۔

اس بنا پر ضروری ہے کہ ہم پہلے یونانی اور رومی تہذیب کے واقفیت پیدا کریں اور ان کے مزاج اور روح کو پہچان لیں تاکہ ہم بصیرت کے ساتھ میسویں صدی کی مغربی تہذیب کی تنقید کر سکیں۔

### یونانی تہذیب

یونانی تہذیب کی تحلیل و تنقید کرنے سے ان اجزاء کو نظر انداز کر دینے کے بعد جو ان میں

بلکہ فروعات اور مظاہر ہیں اور جو عام انسانی تہذیبوں کے درمیان مشترک ہیں اس کا ایک مخصوص مزاج معلوم ہوتا ہے، اس کی خصوصیات حسب ذیل ہیں:-

- ۱۔ غیر محسوسات کی بے وقتی اور ان میں اشتباہ۔
- ۲۔ خشوع و خضوع اور روحانیت کی کمی۔
- ۳۔ دنیاوی زندگی کی پریشانی اور دنیاوی فوائد و لذائذ کا اہتمام شدید۔
- ۴۔ حب وطن میں افراط و غلو۔

ہم ان متعدد اجزاء اور پہلوؤں کو اگر ایک مفرد لفظ میں ادا کرنا چاہیں تو اس کے لئے تنہا مادیت کا لفظ کافی ہے، پس یونانی تہذیب کا ماہر الماتیاز مادیت ہے، یونانیوں کا علم فلسفہ، شاعری حتیٰ کہ دین، سب ان کی مادی روح کی غمازی کرتے ہیں، وہ اشر تہلے کی صفات اور اس کی قدرت کا تصور مختلف دیوتاؤں کی شکل کے بغیر نہ کر سکے، انھوں نے ان صفات کے بت تراشے اور ان کے لئے معبود تعمیر کئے تاکہ محسوس طریقہ پر ان سے تعلق رکھیں ان کے ہاں ایک روزی کا دیوتا تھا، ایک رحمت کا اور ایک قہر و عذاب کا، پھر ان کی طرف انھوں نے مادی جسم کے تمام خصوصیات اور تعلقات منسوب کئے اور ان کے گرد قصے کہانیوں کا ایک جال پھیلا دیا، انھوں نے معانی مجرّدہ کو بھی اجسام و اشکال کی شکل میں پیش کیا چنانچہ ان کے نزدیک محبت کا ایک دیوتا تھا، اور ایک حسن کا، ارسطو کے فلسفہ میں عقول عشرہ اور افلاک تسعہ کا جو شجرہ ملتا ہے وہ بھی اسی مادی عقلیت کا کرشمہ ہے جس کے اثر سے یونانی فطرت کبھی آزاد نہیں ہونے پائی۔

مغربی علماء نے بھی یونانی تہذیب میں مادیت کے غلبہ کو تسلیم کیا ہے اور اپنی تصنیف اور علمی مباحث میں اس کی طرف توجہ کیا ہے، چند سال پہلے ڈاکٹر آس نے جینوآ میں یورپی تمدن کیلئے ہر کے عنوان سے تین لکچر دیئے تھے، ان کا ایک اقتباس خالدہ ادیب خانم کے توسط سے پیش کیا جاتا ہے:-

”موجودہ مغربی تمدن کا مرکز قدیم یونانی تمدن تھا، اس کا اصل اصول انسان کی تمام قوتوں کا ہم آہنگ نشوونما اور سب کے بڑا میاں خوبصورت اور سدول جسم سمجھا جاتا تھا، ظاہر ہے کہ اس میں زیادہ زور محسوسا پر ہے جہاں تربیت، ورزش کی کھیلوں اور رقص وغیرہ کو خاص اہمیت حاصل تھی، ذہنی تعلیم جو شاعری، موسیقی، ڈراما، فلسفہ، سائنس وغیرہ پر مشتمل تھی، ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھنے پائی تھی تاکہ ذہن کی ترقی سے جسم کو نقصان نہ پہنچنے پائے، یونان کے مذہب میں نہ روحانیت کا عنصر ہے نہ باطنیت کا، نہ علم دین ہے نہ پیشوایان دین کا طبقہ“

مقتدر مغربی علماء نے یونانیوں کی دینی کمزوری اور اس کی بے اثری خشیت و خوف اور مذہبی اعمال و رسوم میں سنجیدگی کی کمی اور کھیلوں اور تفریحات کی کثرت کا ذکر کیا ہے، تاریخ اخلاق یورپ کا مصنف لیک ”لکھتا ہے کہ یونانی تحریک تمام تر عقلی اور دماغی تھی، بخلات اس کے مصری تحریک کی سرروحانی و باطنی تھی وہ رومی مصنف آپولیس کا یہ قول نقل کرتا ہے کہ ”مصری دیوتاؤں کی عزت آہ و زاری سے تھی اور یونانی دیوتاؤں کی قص و سرود سے“ پھر خود کہتا ہے کہ اس میں شبہ نہیں کہ اس مقولہ کے آخری جزء کی تصدیق تاریخ یونان میں قدم قدم پر ہوتی ہے درحقیقت کسی مذہب کے مراسم میں جشن کھیل اور تماشوں کی اتنی آمیزش نہیں پائی جاتی جتنی اس میں اور نہ کسی مذہب میں خوف و ہمیشہ کا عنصر اس قدر قلیل پایا جاتا ہے، جتنا اس میں، اس مذہب میں خدا کا تقدس اہل اسی درجہ کا تھا جتنا کسی بزرگ شخص کا ہوتا ہے اور اسے چند معمولی مراسم کے ساتھ یاد کرنا اس کی عظمت و تجید کے لئے بالکل کافی تھا۔

لیکن حقیقت قطعاً قابل استعجاب نہیں، مغرب کی مادہ پرست اور غرور محسوسات



فطرت و مزاج کے علاوہ یونانیوں کا فلسفہ الہیات اور اس کے عقائد کی ساخت کچھ ایسی تھی واقع ہوئی تھی کہ خشوع و خضوع انابت اور رجوع الی اللہ کی کیفیت اُن میں پیدا ہی نہیں ہو سکتی تھی ذات باری کے تمام صفات ہر قسم کے اختیار و فعل و تصرف اور خلق و امر کی نفی کرنے اور اس کو بالکل بے صفت اور مطلق قرار دینے اور اس کا ثنات کی پیدائش و انتظام کو اپنے خود تراشیدہ اور مفروضہ عقل متعال کی طرف منسوب اور اس سے وابستہ کرنے کا جسو اور منطوق نتیجہ یہی ہو سکتا ہے کہ زندگی میں خدا کی کوئی ضرورت اور اس سے کوئی تعلق اور کچھ باقی نہ رہ جائے نہ اس سے کوئی امید ہو اور نہ اس کا کوئی خوف نہ دل میں اس کی ہیبت ہو اور نہ محبت اور نہ ضرورت و مصیبت کے وقت اس سے دعا و التجا ہو اس لئے کہ وہ اس فلسفہ کے مطابق ایک بالکل معزول و مطلق ہستی ہے جس کو عالم میں تصرف کرنے کا نہ کوئی اختیار ہے نہ طاقت و عقل اول پیدا کر کے عالم سے بالکل بے تعلق و کنارہ کش ہو گیا، اس لئے اس عقیدہ کے ماننے والوں کی زندگی عملاً ایسی گزرتی ہے اور گزرنی چاہئے کہ گویا خدا نہیں ہے اور منکرین خدا کی زندگی سے سوائے اس تاریخی بیان کے کہ خدا نے عقل اول کو پیدا کیا ہے اور کئی حیثیت سے ممتاز نہیں ہے، جب ہم یہ سنتے ہیں کہ یونانیوں میں خشوع اور خضوع کی کمی تھی اور ان کی عبادات اور مذہبی اعمال ایک قالب بے روح سے زیادہ نہ تھے اور وہ یہ کہ خدا کی بزرگوں سے زیادہ تعظیم نہیں کرتے تھے تو ہم کو ذرا بھی تعجب نہیں ہونا چاہئے اس لئے کہ تاریخ میں آدمی سیکڑوں صناعتوں اور موجدوں کا تذکرہ پڑھتا ہے لیکن کبھی ان کی طرف سے اس کے دل میں خشوع اور خضوع اور ان سے بندگی کا ربط نہیں پیدا ہوتا، بندگی کا تعلق تو اس وقت پیدا ہوتا جب خدا کو اس کا ثنات میں متصرف اور کارفرما اور اپنے کو اس کا محتاج سمجھتے۔

دنوی زندگی کے انتہائی شوق و محبت اس کی قدر و قیمت میں افراط و غلو بہتوں اور

تصاویر کے شغف، سرور و موسیقی کے انہماک، فنون لطیفہ کی قدر دانی، اور غیر محدودی آزادی پر بالغا آمیز زور دینے سے یونانی اخلاق و معاشرت پر پُر لاثر پڑا، اخلاقی ابتتری اور ہر نظام کے خلاف بغاوت و احتجاج روزمرہ کا فیشن بن گیا، خواہشات نفس کی پیروی زندگی سے زیادہ سے زیادہ متمتع اور لطف اندوزی اور بوالہوسی، روشن خیالی اور آزادی کا نشان سمجھا جانے لگا، سقراط ایک جمہوری نوجوان کی سیرت اور طرز زندگی کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ بیسویں صدی کے روشن خیال اور زندہ دل نوجوان کا سراپا اس سے ذرا مختلف نہیں معلوم ہوتا۔

”اگر اس سے کہا جاتا ہے کہ انسان کے سارے شوق اور خواہشات یکساں قابل

احترام اور تعمیل کے لائق نہیں بعض خواہشات پسندیدہ اور لائق احترام ہیں اور ان کی

تکمیل تعمیل میں کوئی مضائقہ نہیں اور دوار و ناپسندیدہ ان سے اجتناب ہی بہتر ہے

اور ان پر پابندی اور بندش عائد کرنا ضروری ہے“ وہ شخص اس صحیح قانون کو قبول

نہیں کرتا اور اس کے سننے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتا جب اُس کے سامنے یہ مقول باتیں

پیش کی جاتی ہیں تو وہ سخر کے ساتھ اپنا سر ملاتا ہے اور بڑے زور کے ساتھ یہ تفریر کرتا

ہے کہ انسان کی تمام خواہشات اور اس کے سارے شوق یکساں قابل احترام ہیں،

اسی کے مطابق وہ اپنی زندگی بھی گزارتا ہے اور اپنے تمام خواہشات نفس کی تسکین اور

اپنے ہر شوق کی تکمیل کرتا رہتا ہے اور جس وقت اس کا جس بات کا جی چاہتا ہے گزرتا

ہے کبھی وہ مدہوش و بدست فخر و سرور میں مشغول ملے گا، اور کبھی اس کو خیال آجائے گا

تو بہت رکھ کر صرف پانی پینے پر اکتفا کرے گا کبھی فوجی تربیت اور قواعد کی کتابوں پر نظر

آئے گا کبھی بالکل بیکار و دست دھائی دے گا اور ہر چیز کو بالائے طاق رکھ دے گا

کبھی فلسفیانہ زندگی بسر کرنے لگے گا، دوسرے وقت میں سیاسی زندگی میں شریک ہو جائے گا

اور وقت کے تقاضا کے مطابق تقریر کرتا ہوا سنا جائے گا کبھی فوجی لوگوں کی تعریف کرنے لگے گا اور ان کی طرف اُس کا میلان پیدا ہو جائے گا کبھی کامیاب تاجر پر تنقید کر کے تجارت شروع کرنے کا غرض اس کی زندگی کا کوئی نظام اور ضابطہ نہیں ملے گا یہ ہے کہ وہ اس زندگی کو بہت پر لطف اور خوشگوار اور آزاد سمجھتا ہے اور آخر تک اسی طرز پر زندگی گزارتا ہے۔

مغربی فطرت اور مزاج کا ایک خاصہ وطن پرستی ہے ایشیائے مغربیہ میں وطنیت کا جذبہ یورپ میں زیادہ قوی اور عام ہے اس میں کچھ جغرافیائی حیثیت کا بھی دخل ہے ایشیائی طبعی علاقے زیادہ وسیع مختلف قسم کی آب و ہوا، پہاڑ اور انسانوں کی مختلف قسموں پر مشتمل ہیں وہ زیادہ زرخیز ہیں اور زندگی کے وسائل کی ان میں فراوانی ہے اس بنا پر عظیم ایشیائی مملکت کا میلان فطری طور پر وسعت اور عمومیت کی طرف ہے اور اس کی سر زمین میں دنیا کی وسیع ترین سلطنتیں قائم ہوئیں اس کے برخلاف یورپ میں زندگی کی کش مکش تنازع البقا شدید اور مسلسل طریقہ پر پائی جاتی ہے اس کی آبادی گنجان علاقے تنگ اور وسائل محبت محدود ہیں پہاڑوں اور دریاؤں کی طبعی سرحدوں نے مغربی اقوام کو مستقل تنگ فطری دائروں میں محصور کر دیا ہے خصوصاً یورپ کا وسطی مغربی اور جنوبی حصہ وسیع ریاستوں کے نشوونما کے لئے موزوں نہیں اس لئے قدیم یورپ میں بھی سیاسی تصور شہری ریاستوں سے آگے نہیں بڑھ سکا جن کا رقبہ چند میل سے زیادہ وسیع نہیں ہوتا تھا لیکن وہ بالکل خود مختار ہوتی تھیں اس کا سب سے بڑا نمونہ یونان میں ملتا ہے جہاں قدیم ترین عہد سے میوں چھوٹے چھوٹے خود مختار شہروں کا تذکرہ ملتا ہے۔

اس بنا پر یہ بات قابل استغناء نہیں کہ یونانی، وطنیت پر حکم ایمان رکھتے تھے، لیکن

تسلیم کرتا ہے کہ یونان میں وطنیت ہی کا غلبہ تھا، اور جہانیت یا آفاقیت جس کے تعلق کبھی سقراط اور انکساغورس نے اظہار خیال کیا ہے کوئی مقبول خیال اور مذہب نہیں تھا اور اس کے حامی یونان میں نہیں تھے، ارسطو کا سارا نظام اخلاق یونانی اور غیر یونانی کی تفریق پر مبنی ہے، اجماع حکماء سے فضائل اخلاق کی جو فہرست تیار کی گئی تھی، اس کا عنوان اولین جنرل طئی تھا، ارسطو اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ یونانیوں کے لئے غیر ملکوں کے ساتھ وہی برتاؤ واجب ہے جو وہ حیوانات کے ساتھ کرتے ہیں، اس طرز خیال کا یونانی حلقوں میں اتنا اثر اور غلبہ ہو گیا تھا کہ جب ایک فلاسفر نے یہ کہا کہ میری ہمدردیوں کا حلقہ صرف میرے ذاتی وطن تک محدود نہیں بلکہ سارے یونان پر محیط ہے تو لوگ حیرت و استعجاب کے ساتھ اس کی طرف دیکھنے لگے۔

## رومی تہذیب

یونانیوں کے جانشین رومی ہوئے اور قوت، مملکت کی تنظیم، سلطنت کی وسعت اور عسکری صفائیں ان سے فوقیت لے گئے، لیکن علم و فلسفہ، ادب، شاعری، تہذیب، شائستگی اور تمدن میں وہ یونانیوں کے درجہ کو نہیں پہنچ سکے، ان چیزوں میں یونانیوں کا سکہ تمام دنیا پر اور خود فاتح رومیوں کے دلوں پر بیٹھا ہوا تھا، رومی ابھی اپنے عسکری دور میں تھے اس لئے انھوں نے طبعی طور پر ذہنی کمالات اور لطافت و نفاست کی باتوں میں یونانیوں ہی کو اپنا اہم تسلیم کیا اور انھیں کے علوم فلسفہ اور خیالات کی خوشہ چینی کی ہلکی لکھتا ہے کہ "یونانی اپنا گرانقدر علم و ادب صد سال سے رکھتے آئے تھے، دریاں حالیکہ رومادور عسکریت میں تھا جو ادب کا شائبہ تک نہیں رکھتا تھا، بلکہ جس کی زبان تک ادائے مطلب و خیالات عالیہ کی ترجمانی میں قاصر تھی،

روما کی اس علمی ہستی کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ یونانی تمدن سے مغلوب ہو جائے اور ہر شعبہ علم میں اسے مرعوب رہے چنانچہ ہمیں معلوم ہے کہ قدیم ترین رومی مورخین یونانی ہی زبان میں تصنیف کرتے تھے اور یہ دستور عرصہ دراز تک قائم رہا اور کیسی تصانیف اور تالیفات پر کیا موقوف ہے اطوار و خصال، طرز معاشرت، جذبات و احساسات، غرض ہر شعبہ جہاں یونانی تمدن رومی تمدن پر غالب آگیا رومی بلا تکلف یونانیوں کی تقلید کرتے تھے اور اس تقلید پر فخر کرتے تھے اس طرح علم و ادب اور عادات و اخلاق کے ذریعہ یونانی قوم کا فلسفہ اور کلچر ملکہ یونانی نفسیات رومیوں میں منتقل ہو گئی اور ان کے رگ و پے میں پیوست ہو گئی یوں بھی رومی اپنی مغربی فطرت و مزاج کی وجہ سے فکری خصوصیات میں کچھ زیادہ مختلف نہ تھے زندگی کے بہت سے پہلوؤں میں دونوں کے درمیان بڑی حد تک شاہدیت تھی محوشا پر رومی بھی یقین کرنے کے عادی تھے زندگی کی قدر و قیمت میں یہاں بھی اتنا ہی غلو اور افراط تھا، دینی عقائد و حقائق کے بارہ میں یہی بہت ضعیف الایمان اور آزاد خیال تھے مذہبی نظام اور مذہبی اعمال و رسوم کا کوئی خاص احترام اور وقار نہ تھا، قومیت اور وطنیت میں یہاں بھی فتنہ اور مبالغہ پایا جاتا تھا مزید یہ کہ طاقت کا احترام عبادت اور تقدیس کے درجہ کو پہونچا ہوا تھا۔

رومی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ رومی اپنے مذہب و عقائد میں راسخ الایمان نہ تھے اور درحقیقت وہ اس بارہ میں محذو رکھی ہیں اس لئے کہ جو مشرکانہ اور وہم پرستانہ مذہب روم میں رائج تھا اس کا مقتضایہ تھا کہ رومی علم میں جس قدر ترقی کرتے جائیں اور ان کے دماغ روشن ہو جائیں اتنی ہی اس مذہب کی بے توقیری اور اس کی عظمت میں کمی واقع ہو جائے اور یہ تو گویا انھوں نے پہلے ہی دن سے طے کر لیا تھا کہ دیوتاؤں کو یا ست امور دنیا سے کوئی تعلق

نہیں، سسرو (CICERO) بیان کرتا ہے کہ تھیسٹس میں جب اس مضمون کے اشعار پڑھے جاتے تھے کہ دیوتاؤں کو دینی معاملات سے کوئی سروکار نہیں تو لوگ انھیں نہایت ذوق و شوق سے سنتے۔ سینٹ آگسٹائن (S. AUGUSTINI) وغیرہ حیرت کے ساتھ کہتے ہیں کہ یہ رومن بُت پرست مندروں میں تو دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے اور تھیسٹس میں ان کے ساتھ تسخر کرتے تھے۔ رومی مذہب کی گرفت اپنے پیرؤں پر اتنی ڈھیلی ہو گئی تھی اور جذبہ مذہبی اتنا سرد چمکا تھا کہ لوگ بعض اوقات دیوتاؤں کے ساتھ بے ادبی اور اشتعال میں اگر گستاخی کرنے سے بھی نہیں چوکتے تھے، لیکن لکھتا ہے کہ مذہب کا اخلاقی اثر تقریباً بالکل فنا ہو گیا۔ جذبہ تقدس تقریباً مٹ گیا اور اس کے مظاہر شخص کو نظر آنے لگے چنانچہ جب غطس AUGUSTUS کا بیڑہ غرق ہو گیا تو اس نے غصہ میں کہہ کرچوں (NEPTUNE) (سمندر کے دیوتا) کے بُت کو مسمار کر دیا جب جرمینکس (GERMANICUS) کا انتقال ہوا تو لوگوں نے دیوتاؤں کے قربان گاہوں پر خوب پتھر اڑا دیا۔

رومی قوم کے اخلاق، سیاست اور معاشرت میں مذہب کا کوئی اثر اور ان کے اسرار اور سیلانات پر اس کا کوئی اقتدار و نگرانی باقی نہیں رہی تھی مذہب میں کوئی گہرائی اور قوت باقی نہیں رہی تھی کہ وہ دل کی گہرائی سے ابھرتا اور روح پر حکومت کرتا، وہ محض ایک دم درویش بن کر رہ گیا تھا، سیاست و ملت کا تقاضا تھا کہ خواہ وہ برائے نام ہی ہے لیکن کسی کی شکل میں باقی ہے، لیکن لکھتا ہے کہ رومی مذہب کی اصل بنا خود غرضی تھی اس کا طمع نظر اس سے زیادہ کچھ نہ تھا کہ افراد مذہبی حال رہیں اور سوتا اور صائے محفوظ رہیں چنانچہ اسی کا اثر تھا کہ روم میں گو صد ہا میر و جانا باز پیدا ہوئے لیکن نفس کش زاد ایک بھی نہ اٹھا، یہاں ایشاک کی جو بہتر سے بہتر مثالیں ملتی ہیں وہ بھی مذہب کے اثر سے

آزاد اور وطن پرستی پر مبنی تھیں۔

رومیوں کا ایک بڑا امتیاز و خصوصیت ان کی شائستہ سمیت پسندی اور استقامت، روح اور زندگی کا خالص مادہ پرستانہ نقطہ نگاہ ہے، یہی وہ ترک ہے جو موجودہ یورپ کو اپنے روی و موثر سے ملے، جو مین تو مسلم عالم محمد اس وقت نے اپنی کتاب (ISLAM AT THE CROSS ROADS) میں اس کا بڑی خوبی سے تذکرہ کیا ہے، وہ کہتے ہیں:-

”رومی شہنشاہ ہی پر جو خاص خیال حاوی تھا وہ محض ملکہ گیری کا خیال اور مادر وطن کے لئے دوسری قوموں سے پورا پورا فائدہ اٹھانا اور لوٹ کھسوٹ کرنا تھا، رومی رؤساء و امراء اور اونچے طبقہ کے لوگ اپنے لئے فارس، البانی اور امارت کی زندگی کا سامان حاصل کرنے کے لئے کسی ظلم و بے دردی کو عیب نہیں سمجھتے تھے، باقی وہ رومی انصافت جس کا بڑا اثر ہے، وہ محض رومیوں کے لئے تھا، مخصوص سیرت اور کیرکیر زندگی اور تمدن کے محض مادی تقویٰ ہی پر قائم ہو سکتا تھا، اگر چہ ان کی مادیت میں کچھ آراستگی اور لطافتِ ذوق پیدا ہو گئی تھی، لیکن تمام روحانی قدس سے وہ بالکل بیگانہ تھے، رومیوں نے کبھی بھی نجدگی اور واقعیت کے ساتھ دینداری ایسا نہیں کی تھی، ان کے تقلیدی دیوتا محض یونانی حکایات و خرافات کی پھیکٹی نقل تھے، انھوں نے محض اپنی اجتماعی شیرازہ بندی اور قومی وحدت کے خیال سے ان ارواح کو تسلیم کر لیا تھا، وہ ان دیوتاؤں کو اپنی علی زندگی میں دھن دینے کی اجازت نہیں دیتے تھے، ان کا کام صرف اتنا تھا کہ جب ان سے فرمائش کی جائے تو اپنے مجاوروں کی زبانی پیشین گوئیاں کر دیں، لیکن ان کو انھوں نے یہ حق کبھی نہیں دیا تھا کہ وہ لوگوں پر اخلاقی قوانین نافذ کریں۔“

جمہوری دور کے آخر میں روم میں اخلاقی انحطاط اور حیوانی ہوس رانی اور عیش کا ایسا سیلاب آیا کہ رومی اس میں بالکل ڈوب گئے اور وہ اخلاقی نظام و ضوابط جو رومی قوم کی ابتدائی خصوصیت تھی خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے، اجتماع اور معاشرت کی حمارت میں ایسا زلزل آیا کہ قریب تھا کہ وہ زمین پر آئے، ڈاکٹر ڈریپر نے اپنی مشہور کتاب ”معرکہ مذہب سائنس“ میں اس کی قلمی تصویر کھینچی ہے، وہ لکھتا ہے:-

”جب جنگی قوت اور سیاسی اثر کے لحاظ سے سلطنتِ روم انتہائی ترقی پر فائز ہو گئی تو مذہبی اور عمرانی پہلو سے اس کی اخلاقی حالت فساد کے درجہ آخر کو پہنچ چکی تھی اہل روم کی عیش پرستی و عشرت پسندی کی کوئی انتہاء نہ رہی تھی، ان کا اصول یہ تھا کہ انسان کو چاہئے کہ زندگی کو ایک سلسلہ العیش بنائے، پاک بازی، حظ نفس کے خوانِ نعمت پر بنزلہ نکلان ہے، اور اعتدال سلسلہ حظ نفس کی درازی کا محض ایک ذریعہ ہے، ان کے دسترخوان سونے چاندی کے باسنوں سے جن پر جواہرات کی پچ کاری ہوئی تھی جھلکتے ہوئے نظر آتے تھے، ان کے ملازم زرق برق پوشائیں پہنے ان کی خدمت کے لئے کمر بستہ کھڑے رہتے تھے، اہر و بیانِ روم جو عام طور پر عصمت کی طلائی زنجیر کی قید سے آزاد تھیں، ان کی مستی انگیز مصیبتوں کا نطفہ دو بار کرنے کے لئے بخوانا رہتی تھیں، عالی شان حماموں، دل کش تماشہ گاہوں اور جوش آفریں دنگلوں سے جن میں پہلوان کبھی ایک دوسرے سے اکڑ بھی جیتی دزنڈوں سے اس وقت تک شرف زور آزمائی رہتے تھے، جب تک کہ حریفوں میں سے ایک ہمیشہ کے لئے خاکِ خون میں نہ جائے، اہل روم کے سامانِ تعیش پر مزید اضافہ ہوتا تھا، دنیا کے ان فاتحوں کو تجربہ کے بعد یہ بات معلوم ہوئی کہ عبادت اور پرستش کے لائق



اگر کوئی شے ہے تو وہ قوت ہے اس لئے کہ اس قوت کی بدولت تمام اس سرمایہ کا حاصل کرنا ممکن ہے جو محنت اور تجارت کی سلسل جانکا ہیوں اور عرق ریز لوگوں کے پیدا ہوا ہے مال اور املاک کی ضبطی، صوبہ جات کے محاصل کی تشخیص، زور بازو کی بدولت جنگ میں کامیاب ہونے کا نتیجہ ہے اور فرمانروائے دولت روم اس زور و قوت کا نشان یا علامت ہے، غرض روم کے نظام تمدن میں جاہ و جلال کی ایک جھلک تو نظر آتی تھی لیکن یہ جھلک اس نمائشی طبع کی چمک کے مشابہ تھی جو یونان عہد قدیم کی تہذیب پر چڑھ گیا تھا۔

## عیسائیوں کی آمد اور رومیوں کا قبول مسیحیت

ایک بڑا انقلاب انگیز واقعہ جس کی اہمیت کو کوئی ٹورخ نظر انداز نہیں کر سکتا مسیحیت کا بت پرست روم کے تخت سلطنت پر فائز ہو جانا ہے یہ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ قسطنطین جس نے مسیحیت قبول کر لی تھی شہنشاہان روم کے تخت پر بیٹھا اور اس طرح سے مسیحیت نے قدیم بت پرستی پر فتح پائی اور دفعۃً اس کو ایسی وسیع سلطنت اور غیر محدود اختیار حاصل ہو گیا جس کا وہ خواب نہیں دیکھ سکتی تھی، چونکہ قسطنطین کو عیسائیوں کی فریفتگی، فداکاری اور زبردست قربانیوں سے تخت سلطنت ہاتھ آیا تھا، اس لئے اس نے عیسائیوں کو اس کا پورا صلہ دیا اور سلطنت میں پورے طور پر شریک کیا۔

## مسیحیت میں بت پرستی کی آمیزش

لیکن حقیقت مذہب عیسوی کے لئے یہ ایک بڑا نامبارک واقعہ تھا اس نے عظیم نشان

۱۔ مکرر مذہب و سائنس مترجمہ مولوی ظفر علی خاں ۱۹۶۹ء

سلطنت تو حاصل کر لی لیکن بڑی قیمتی مذہبی متاع کھودی، عیسائی میدان جنگ میں تو فتحیاب ہوئے لیکن مذاہبِ ادیان کے مرکزہ میں انھوں نے شکست کھائی رومی بُت پرستوں اور خود عیسائیوں نے حضرت مسیحؑ کے دین کو مسخ کر کے رکھ دیا، اس میں سب سے بڑا تھ خود مسیحیت کے محافظاناموس اور علم بردار اعظم قسطنطین کا ہے، ڈریپر لکھتا ہے:-

”فاتح اور کامیاب جماعت کے ساتھ جو کوئی شریک ہوا اسے بڑے بڑے عہدے اور مرتبے ملنے لگے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا دار لوگ جنھیں مذہب کی خس برابر بھی پروانہ تھی مسیحیت کے سب سے زیادہ جوشیے حامی ہو گئے چونکہ وہ بظاہر عیسائی لیکن باطن مشرک بُت پرست تھے لہذا ان کے اثر کی وجہ سے عیسائیت میں بُت پرستی و شرک کے عناصر کی آمیزش شروع ہو گئی، قسطنطین نے کہ وہ بھی انھیں کاہن مشرب تھا کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جس سے ان کے اس منافقانہ طرز عمل کا سد باب ہو، قسطنطین کی ساری عمر سیاہ کاریوں میں گزری اور کہیں آخری وقت (۳۳۷ء) میں جا کر اس نے ان مذہبی مراسم کی پابندی کی جن پُر عمل کرنے کی کلیسا ہدایت کرتا ہے۔

اگرچہ عیسائی جماعت اس قدر قوی ہو چکی تھی کہ جس شخص کو اس نے اپنے گون کا سمجھا اسے تخت پر بٹھا دیا لیکن یہ قدرت اُسے کچھ بھی حاصل ہوئی تھی کہ اپنے حریف یعنی بُت پرستی کا استیصال نہ کر سکے، دونوں کی باہمی کش مکش کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں کے اُصول شیر و فکر ہو گئے اور ایک نیا مذہب پیدا ہو گیا جس میں بُت پرستی و عیسائیت دونوں کی شاخیں پہلو پہلو جملوہ گریں، عیسائیت اور اسلام میں اس بارہ میں یہ بڑا فرق ہے کہ اسلام نے اپنے مت مقابل کو مطلقاً نیست و نابود کر دیا اور اپنے عقائد کو

بلکسی آمیزش کے شائع کیا۔

اس شہنشاہ کو جو محض دنیا کا بندہ تھا، اور جس کے مذہبی اعتقادات جس سے بچی کم وقت رکھتے تھے، اپنا ذاتی فائدہ سلطنت کی یہودی اور دونوں مخالفت جماعتوں یعنی عیسائیوں اور بُت پرستوں کی بھلائی اس میں نظر آئی کہ جہاں تک ہو سکے ان میں یکانیت و ارتباط پیدا کیا جا اور تو اور اسخ الاعتقاد عیسائیوں تک کو اس حکمت عملی سے چندان اختلاف نہ تھا اس لئے کہ شاید یہ سمجھتے تھے کہ نئی تعلیم کی شاخ میں اگر پرانے عقائد کا پیوند لگا دیا گیا تو مذہب جدید کو بہت جلد ترقی ہو جائے گی اور آخر کار نیا سنوں کی آمیزش سے پاک ہو کر سچا مذہب باقی رہ جائے گا۔

بُت پرستی اور مسیحیت کا یہ جو مرکب جس سے سچی مذہب کی روح اور اس کا حسن مکمل چکا تھا، اس لائق نہ تھا کہ رومیوں کی برسرِ انحطاط سیرت و اخلاق کو سنبھال سکے اور ان میں پاک صاف مذہبی زندگی کی روح بچونک سکے اور رومیوں کی تاریخ میں اور باواسطہ دنیا کی تاریخ میں ایک نئے تابناک عہد کا آغاز کر سکے اس کے برخلاف اس نے رہبانیت کی بدعت نکالی جو شاید انسانیت و تمدن کے حق میں بُت پرست روم کی حیوانیت سے زیادہ وبال جان تھی یورپ کی مادہ پرستی اور لادینیت میں اس مردم آزار اور آدم بیزار دشمن فطرت رہبانیت کو بہت کچھ دخل ہے اس لئے کچھ تفصیل کے ساتھ اس کے تذکرہ کی ضرورت ہے۔

## جنون رہبانیت

رہبانیت میں اتنا غلو اور افراط پیدا ہو گیا تھا کہ اس زمانہ میں اس کا قیاس کرنا بھی

لے مرکز مذہب و مائیس ص ۶۱

مشکل ہے تاہم اخلاق یورپ سے اس کے چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔

راہبوں اور زاہدوں کی مجموعی تعداد مٹھ میں کے اختلافِ بیان کی وجہ سے قطعی طور پر نہیں بتائی جاسکتی تاہم ان کی کثرت اور تحریک رہبانیت کی اشاعت و مقبولیت کا اندازہ اعدادِ ذیل سے ہو سکتا ہے سینٹ جروم کے زمانہ میں ایسٹری تقریباً پانچ ہزار راہب تھے، سینٹ سیرامین کی اتھنی میں دس ہزار راہب تھے اور چوتھی صدی کے خاتمہ پر تو یہ حالت ہو گئی تھی کہ اتھنی خود مصر کے شہریوں کی آبادی تھی تقریباً اسی قدر ان زاہدوں اور راہبوں کی تھی، دو چار سال انہیں کوئی پورے دو سو سال تک جسم کشی منہا مئے اخلاق بھی جاتی رہی، مغرب نے اس کا بڑی رازہ خیر مثالیں پیش کی ہیں سینٹ میکریس اسکندریہ کی بابت شہور ہے کہ وہ چھ ماہ تک برابر ایک دلدل میں سویا کئے تاکہ ان کے برہنہ جسم کو زہریلی مکھیاں ڈسیں نیز یہ کہ یہ ہمیشہ ایک من لوہے کا وزن اپنے اوپر لادے رہتے تھے، ان کے مربی سینٹ یوئیس تقریباً دو من لوہے کا وزن لادے رہتے تھے اور تین سال تک ایک خشک کنویں کے اندر مقیم رہے، ایک شہور راہب یوحنا کے متعلق منقول ہے کہ وہ متصل تین سال تک کھڑے ہوئے عبادت کرتے رہے ایک مدت میں ایک لمحہ کے لئے بھی نہ بیٹھے نہ لیٹے، جب بہت تھک جاتے تو چٹان پر اپنے جسم کو سہارا دے لیتے بعض زاہد باس کی قسم کا نہیں استعمال کرتے تھے، ستر پوشی کا کام اپنے جسم کے بڑے بالوں سے لیتے تھے اور چوپایوں کی طرح ہاتھ پیر کے بل چلتے تھے، راہبوں کے مکں علی العموم اس وقت مکانات نہیں ہوتے تھے، بلکہ وحشی و زندوں کے غار خشک کنویں یا قبرستان ہوتے تھے، اہل زہد کا ایک طائفہ صرف گھاس کھاتا تھا، جسم کی طہارت روح کی پاکیزگی کے منافی سمجھی جاتی تھی اور جو زاہد مرتبہ زہد میں مبتنی زیادہ تر قی کرتے جاتے تھے اسی قدر

وہ مجسمہ عفو و غلاظت ہوتے، سینٹ انجینس نہایت فخر سے بیان کرتا ہے کہ سینٹ انجینس  
 باس کرسٹی بھی مدت العمر اپنے پردھونے کے عصیاں کا ترک نہیں ہوا، سینٹ ابراہام نے  
 پنجاہ سالہ سی زندگی میں اپنے چہرہ یا پیر پر پانی کی چھینٹ نہ پڑنے دی، راہب گلز نڈر  
 بڑے تأست اور تحیر سے فرماتے ہیں کہ ایک وہ زمانہ تھا جب ہمارے اسلاف منہ دھونا حرام  
 جانتے تھے، اور ایک ہم لوگ ہیں کہ حمام جایا کرتے ہیں راہب معلموں کا بھیس بدلے ہوئے پھرتے  
 تھے، اور بچوں کو پھسلا کر اپنے حلق میں شامل کرتے تھے، والدین کا اپنی اولاد پر کوئی اختیار  
 نہیں رہ گیا تھا، جو اولاد انھیں چھوڑ کر تارک الدنیا ہو جاتی تھی اس کے نام پر ملک میں  
 ہر طرف واہ واہ ہوتی تھی، پہلے جو اتروا خندار بزرگ خاندان یا والد کو حاصل ہوتا تھا،  
 وہ اب پادریوں اور راہبوں کی طرف منتقل ہو گیا، پادری رہبانیت کے لئے لوگوں کا  
 اغوا کرتے تھے، سینٹ ایلمبروز میں اس قسم کے اغوا کی قوت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ اُسے  
 دیکھ کر مائیں اپنے بچوں کو گھر کے اندر بند کر دیتی تھیں، تحریک رہبانیت کا اخلاقی  
 نتیجہ یہ ہوا کہ جتنے کمالات مردانگی و جوانمردی سے متعلق ہیں وہ سب کیسر معیوب قرار پائے  
 مثلاً زندہ دلی، خوش طبعی، صاف گوئی، فیاضی، شجاعت، جرأت کہ عابدانِ نراض بھی  
 ان کے قریب بھی ہو کر نہیں گزرے تھے، دوسرا اہم نتیجہ رہبانی طرز معاشرت کا یہ کہ  
 خانگی زندگی کی بنیادیں متزلزل ہو گئیں اور دلوں سے اعزاز کا احترام و ادب کا فور  
 ہو گیا، اس زمانہ میں ماں باپ کے ساتھ احسان فراموشی اور ان کے ساتھ قساوت قلبی  
 کی جس کثرت سے نظیر ملتی ہیں اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے یہ زاهدانِ صحرا اور عابدانِ مراعات  
 اپنی ماؤں کی دل شکنی کرتے تھے، بیویوں کے حقوق کی پامالی کرتے تھے اور اپنی اولاد کو یہ غایت  
 تھے کہ انھیں بے ولی و وارث محض دوسروں کے ٹکڑوں کے رحم پر چھوڑ دیتے تھے ان کا قصہ تو یہ

تمام تر یہ ہوتا تھا کہ خود انھیں نجات اخروی حاصل ہو، انھیں اس سے کوئی غرض نہ تھی کہ ان کے متعلقین و متوسلین جئیں یا مریں، لیکن نے اس سلسلہ میں جو واقعات لکھے ہیں ان کو پڑھ کر آج بھی آنسو نکل آتے ہیں عورتوں کے سایہ سے وہ بھل گئے تھے، ان کا مایہ پڑ جانے سے اور راستہ گلی میں اتفاقاً سامنا ہو جانے سے وہ سمجھتے تھے کہ ساری عمر کی زہد و ریاضت کی کمالی خاک میں مل جاتی ہے اپنی ماؤں، بیویوں اور حقیقی بہنوں سے بات کرنا بھی وہ معصیتِ کبیرہ سمجھتے تھے، لیکن نے اس سلسلہ کے جو واقعات لکھے ہیں ان کو پڑھ کر کبھی ہنسی آتی ہے کبھی رونا۔

## فطرت دشمنی کا اثر اخلاق و تمدن پر

یہ خیال کرنا صحیح نہیں ہوگا کہ اس انتہا پسند رہبانیت نے رومیوں کی مادیت کے غلو اور شدت میں اور ان کی بہیمانہ خواہشات پرستی میں کچھ اعتدال و تخفیف پیدا کر دی ہوگی! ایسا عموماً نہیں ہوتا، یہ بات فطرتِ انسانی کے خلاف ہے، اور مذہبِ اخلاق کا تجربہ بھی اس کے برخلاف ہے، دراصل جو چیز سرکشِ مادیت میں اعتدال پیدا کر کے اس کو ایک معتدل زندگی میں تبدیل کر سکتی ہے، وہ صرف ایسا روحانی دینی و اخلاقی حکیمانہ نظام ہے جو انسان کی فطرتِ سلیم کے عین مطابق ہو اور اس بات کے درپے نہ ہو کہ وہ فطرت کو بالکل تبدیل کر دے! اس کا مقصد اس کا ازالہ (مشادینا) نہ ہو بلکہ امارہ (پھیر دینا) ہو، وہ اس کا شیخ شریعہ کی طرف تبدیل کر دے اسلام کا طرز عمل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ مبارک یہی ہے عرب بہادر و جنگجو تھے، آپ نے ان کی شجاعت کو سرد نہیں کیا بلکہ صرف قبائلی خانہ جنگی اور جاہلی جذبہ انتقام سے اس کو موڑ کر جہاد فی سبیل اللہ اور اعلاء کلمۃ اللہ کی طرف پھیر دیا، عرب فیاض اور عالی حوصلہ تھے لیکن ان کی فیاضی اور عالی حوصلگی فخر و ناموری میں صرف ہوتی تھی،

آپ نے اس کو راہِ خدا میں خرچ کرنے پر لگا دیا، غرض یہ کہ آپ نے ان کے جاہلی خصائص و اخلاق کو اسلامی سانچہ میں ڈھال دیا اور ان کو مفید اور کارآمد بنادیا آپ نے جاہلیت کے بجائے اسلام، اپور انظام اور ہر چیز کا بدل (اور نعم البدل) عطا فرمایا، طبائع اور نفوس کو تازگی اور تفریح کے مواقع بھی عطا فرمائے، اس لئے کہ بقول ایک جلیل القدر عالم (شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ) کے انسانی طبیعتیں ہمیشہ کسی چیز سے اسی وقت دست بردار ہوتی ہیں، جب ان کو اس کا بدل ملتا ہو، انسان فطرتاً کچھ کرنے کے لئے پیدا ہوا ہے اور اس کی فطرت کا تقاضا صل اور خشوعیت ہے، کثرتِ بیکار اور معطل ہو جانا اس کی فطرت کے خلاف ہے، انبیاء کرام تبدیلِ فطرت کے لئے نہیں بلکہ تکمیلِ فطرت کے لئے مبعوث ہوئے ہیں، حدیث و سیرت میں اس کی متعدد نظریں ملیں گی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت اہل مدینہ کے دو ہتھوڑے جن میں وہ تفریح کرتے تھے آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیسے دو دن میں لوگوں کا کہا کہ ہم ایامِ جاہلیت میں ان میں تفریح کرتے تھے، فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم کو اس سے بہتر دو دن عطا فرمائے ہیں عید الاضحیٰ و عید الفطر، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ عید کے دن ایک مرتبہ میرے پاس انصار کی دوڑ لڑکیاں وہ گیتیں گا رہی تھیں جو بعات کی جنگ میں کہی گئی تھیں اور وہ کچھ کانے دلی تھیں، اتنے میں حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے، فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں شیطان کی گیتیں بول رہی ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکرؓ ہر قوم کی ایک عید ہے، اور یہ ہماری عید ہے، ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ جانے دو یہ عید کے دن ہیں۔

اس کے برخلاف رومی عیسائیت نے بیکار فطرت کو تبدیل اور فساد کرنے کا بیڑہ اٹھایا اور

لے کتاب اقتضاء الصراط المستقیم ص ۱۴۲ لے کتاب النبوات از امام ابن تیمیہ۔ لے ابو داؤد احمد و ناسی

لے بخاری و سلم۔

ایسا نظام پیش کیا جس کی فطرت تحمل نہیں ہو سکی، اس نے انسان کی طاقت سے زیادہ انسان پر بوجھ ڈالا، روم کی سابقہ انتہائی مادیت کے خلاف ایک ردِ عمل کے طور پر لوگوں نے طوعاً و کرہاً اس کو برداشت کیا، لیکن جلد ہی اس سے چھٹکارا حاصل کر لیا اور دبی ہوئی مظلوم فطرت نے سخت انتقام لیا، اپنی اس غالی رہبانیت، فطرت کے حقائق سے چشم پوشی اور ناعاقبت اندیشی سے مسیحیت لوگوں کے اخلاق و عادات اور ہلاکت کے غاریں گرتے ہوئے تمدن کا ہاتھ نہ پکڑ سکی، حالت یہ تھی کہ عیسائی ممالک میں بیک وقت محصیت و آزادی اور زہد و رہبانیت کی دو متقابل تحریکیں دوش بدوش چل رہی تھیں بلکہ شاید زیادہ صحیح یہ ہو گا کہ رہبانیت تو صحراؤں میں گوشہ نشین تھی اور شہری زندگی پر اس کا کوئی اقتدار نہ تھا، اور اس کے برخلاف فسق و فجور کی تحریک شہروں کے اندر اپنے پورے جوش و تلاطم پر تھی، لیکن "مسیحی دنیا کے اخلاقی انحطاط کی تصویر ان الفاظ میں کھینچتا ہے:-

۱۰ اخلاق میں رکاکت و پستی حد درجہ سراپت گر گئی تھی، دربار کی عیش پرستیاں ارکان دربار کی غلام طینتی اور لمبوسات و زیورات کی ترنمین و آرائش اپنے شباب پر تھی، دنیا اس وقت انتہائی رہبانیت اور انتہائی بدکاری کے تھخیر طوں کے درمیان جھونکے کھا رہی تھی، بلکہ بعض شہر جن میں سب سے زیادہ کثیر التعداد و زہاد و راہبین پیدا ہوئے تھے وہ وہی تھے، جن میں عیش پرستی اور بدچلنی کی سب سے زیادہ گرم بازاری تھی، غرض بدکاری اور توہم پرستی کا ایسا اجتماع ہو گیا تھا جو انسان کی شرافت و عظمت کا قطعی دشمن ہے، رائے جہور اس قدر ضعیف ہو گئی تھی کہ لوگوں کو بدنامی و ملامت کا مطلق خوف نہیں باقی رہا تھا، البتہ عنیمیر کو مذہب کا دھڑکا ہو سکتا تھا، لیکن اسے بھی اس اعتقاد نے مٹا دیا تھا کہ دعاؤں وغیرہ کے ذریعہ سے سارے گناہ مٹ



ہو سکتے ہیں، نگاری، دغا بازی، دروغ گوئی کی وہ گرم بازاری تھی جو قیصرہ کے زمانہ میں بھی نہ تھی، البتہ ظلم و تشدد، شقاوت و بے حیائی اتنی نہ تھی لیکن اس کے ساتھ حریتِ فکر، آزاد خیالی و جوش قومیت میں بھی کمی تھی۔

## اربابِ کلیسا کی عیش پرستی اور دنیا داری

رہبانیت اور مذہب کا یہ سلبی نظام خلافِ فطرت ضرور تھا، لیکن نئے مذہب کے اثرات اور اس کے روحانی اقتدار نے فطرت کو دبا رکھا تھا، لیکن تھوڑے دنوں کے بعد خود مذہبی مرکزوں اور حلقوں میں وہ تمام عیوب اور عیش پرستی شروع ہو گئی جس کے خلاف رہبانیت کی تحریک شروع کی گئی تھی، یہاں تک کہ وہ اخلاقی انحطاط و پستی اور اپنے متمتع عیش پرستی میں خالص دنیا دار حلقوں سے بھی کہیں آگے بڑھ گئے، حکومت کو مجبوراً ان مذہبی دعوؤں کا سلسلہ بند کرنا پڑا، جن کا مقصد بچیوں میں اخوت و محبت پیدا کرنا تھا، اسی طرح سے شہداء و ادویاء کے عرس اور ان کی بریاں ممنوع قرار دی گئیں، کیونکہ یہ خالص مذہبی تقریبات فسق و بے حیائی کا اڈا بن گئی تھیں، بڑے بڑے پادریوں پر بڑے بڑے اخلاقی جرائم کا الزام تھا، سینٹ جروم کا مقولہ ہے کہ اہل کلیسا کے تعین کے سامنے امراء اور دوئمندوں کی عیش و عشرت بھی شرماتی ہے، خود پوپِ اخلاقی انحطاط میں مبتلا تھے، اور دولت کی ہوس اور مال کا عشق تو ان پر اتنا غالب تھا کہ منصب اور عہدے معمولی سامانِ تجارت کی طرح کہتے تھے، اور کبھی کبھی ان کا بیلام ہوتا تھا، جنت کے پالے جائیداد کی معمولی دستاویزوں کی طرح، مغفرت کے پروانے، نقصِ قانون کے اجازت نامے اور نجات کے سرٹیفکیٹ بنے، کلفت کہتے تھے، مذہبی عہدہ دار سخت راشی و سود خوار تھے،

فضول خرچی اور اسراف کا حال یہ تھا کہ پاپائے انوسینٹ، ششم نے پاپائی کا تاج دھن رکھا اور پاپائے یسودہم کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے تین پاپاؤں کی آمدنی اڑلوالی یعنی سابق پوپ نے جو دولت چھوڑی تھی پہلے وہ خرچ کی اس کے بعد اپنی دولت جب یہ بھی کافی نہ ہوئی تو اپنے جانشین کی آمدنی کو پہلے سے وصول کر کے صرف کر ڈالا بیان کیا جاتا ہے کہ مملکت فرانس کی پوری آمدنی بھی ان پاپاؤں کے اخراجات کے لئے کافی نہ ہوتی تھی بلکہ غرض یہ کہ کلیسا کی تاریخ اور ارباب کلیسا کی سیرت قرآن کی اس آیت کی پوری پوری تفسیر تھی۔

|   |  |
|---|--|
| یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُنُوا مِثْلَ<br>الَّذِينَ كَفَرُوا سَاءَ مَا كَانُوا<br>عَمَلًا | مسلمانو! یہودیوں اور عیسائیوں کے<br>علماء اور مشائخ میں ایک بڑی تعداد<br>ایسے لوگوں کی ہے جو لوگوں کا مال ناحق<br>وٹا رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ سے انھیں<br>روکتے ہیں۔ (التوبہ - ۳۴) |
|---|--|

## حکومت و کلیسا کی کشمکش

گیارھویں صدی عیسوی میں حکومت و کلیسا کی کشمکش شروع ہوئی اور اس بڑی شدت اختیار کر لی، ابتدا میں پوپ کو اس جنگ میں فتح ہوئی اور پوپ کا اقتدار و اعزاز اتنا بڑھ گیا کہ شہنشاہ ہنری پہلے اس میں اس بات پر مجبور ہوا کہ کانوسا کے قلعہ میں پوپ کے حضور میں حاضر ہوا، چنانچہ وہ نہایت ذلت کے ساتھ حاضر ہوا، پوپ نے بڑی مشکل سے لوگوں کی مدد سے مذہب سائنس۔

سفارش پر اپنے سامنے کھڑے ہونے کی اجازت دی اور شہنشاہ ننگے پاؤں اُون پہنے ہوئے آیا، پوپ کے ہاتھ پر توبہ کی اور پوپ نے اس کی غلطی معاف کی اس کے بعد حکومت کلیسا کی اور شہر میں کبھی پوپ کو فتح اور کبھی شکست ہوئی یہاں تک کہ انجام کار حکومت کے مقابل میں کلیسا کو دبنا پڑا، اس پوری مدت کشمکش میں لوگ مذہب ریاست اور کلیسا و ریاست کی دھڑی غلامی میں گرفتار تھے۔

## اقتدار کا غلط استعمال اور یورپ کے تمدن پر بُرا اثر

پوپ قرون وسطیٰ میں بڑے وسیع اقتدار اور ایسی عظیم الشان طاقت کے مالک تھے جو شانِ روما کو بھی حاصل نہ تھی ان کے لئے یہ بہت آسانی سے ممکن تھا کہ وہ دین کے زیر سایہ یورپ کو علم اور تمدن میں ترقی دیتے، ڈیرہ پکھٹا ہے کہ اگر پایا بیانِ روما اپنی ہوس رانیوں اور دنیا پرستیوں میں مبتلا نہ ہوتے تو وہ اس بات پر قادر نہ تھے کہ ان کے ایک اشارہ پر تمام عظیم بالاتفاق ایسی ترقی کرتا کہ دنیا دنگ رہ جاتی ان کے نائب بے روک ٹوک ہر ملک میں جاسکتے تھے اور آئرلینڈ سے لے کر یوہیما او اٹلی سے چل کر اسکاٹ لینڈ تک بلا تکلف آپس میں بات چیت کر سکتے تھے ایک زبان ہونے کی وجہ سے وہ بین الاقوامی امور کے نظم و نسق میں خیل ہو گئے اور ہر ملک میں انھیں ایسے ہوشیار اور معاملہ فہم حلیف ہاتھ آ گئے تھے جو ایک ہی زبان بولتے تھے اور عام امور میں ان کا ہاتھ بٹلنے کے لئے تیار تھے۔ لیکن مسیحیت اور سچی اقوام کی بدقسمتی تھی کہ ارباب کلیسا نے اس زبردست طاقت کا ناجائز استعمال کیا انھوں نے اس سے اپنے شخصی اثر و اقتدار کے لئے فائدہ اٹھایا اور یورپ بدستور پستی، جہالت و خرافات کی تاریکیوں میں پڑا رہا، اور تمدن اور شہریت کو ترقی ہونے کے بجائے سخت تزلزل ہوا، بڑا عظیم یورپ کی آبادی ہزار سال میں بھی اور ملک انگلستان کی آبادی پانچ سو سال میں بھی دو چندان ہوئی اس میں کوئی شک نہیں کہ اس میں بڑا دخل اس بات کو ہے کہ پادری اور راہب تہذیب کی زندگی کی بڑی

تیلج کرتے تھے اس کے ساتھ کلیسا نے بہت سے اس کا اہتمام کیا کہ جہاں تک ممکن ہو لوگوں کو طبیب یا اس کے پیشے سے مانوس نہ ہونے دیا جائے اس لئے کہ اس کا خائفانہوں کی آمدنی پر جو عداوت برکتا کے ذریعہ ہوتی تھی اثر پڑتا تھا اور طبیب اس نفع میں کلیسا کے رقیب بن سکتے تھے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک زبردست دباؤ اور امراض پھیلے اور موت کی گرم بازاری ہوئی، انیس سو اسیس نے ۱۷۳۳ء میں جزائر برطانیہ کی جویتا کی ہے اور اپنے سفر کے حالات لکھے ہیں اس سے اس ملک کا تمدنی انحطاط افلاس اور فاقہ زدگی کا اندازہ ہوتا ہے۔

## کتب مقدسہ میں الحاق و تحریف اور اس کے نتائج

لیکن اہل دین کی سب سے خطرناک غلطی جس سے انھوں نے اس مذہب کو جس کے وہ نمائندے تھے اور خود اپنے کو سخت ترین نقصان پہنچایا یہ تھی کہ انھوں نے اپنی مقدس دینی کتابوں میں ان تاریخی، جغرافیائی اور طبی نظریات اور شہوات کو داخل کر دیا جو اس زمانہ کی تحقیقات اور کتابت تھے اور انسانی علم ان کے زمانہ تک اسی حد تک پہنچا تھا لیکن وہ انسانی علم کی حد نہ تھی اور اگر اس زمانہ میں وہ حد سمجھ لی گئی تھی تو وہ دراصل آخری حد نہ تھی اس لئے کہ انسان کا علم تدریجی ترقی پذیر اور مسافر ہے جس کا قیام عارضی ہے اس پر کوئی پائدار عمارت نہیں قائم کی جاسکتی وہ بعض اوقات ریت کی طرح کھسک جاتا ہے اور عمارت منہدم ہو جاتی ہے ارباب کلیسا نے غالباً خوش فہمی سے ایسا کیا تھا ان کا مقصد شاید یہ تھا کہ اس سے ان آسمانی کتابوں کی عظمت و شان اور مقبولیت میں اضافہ ہوگا لیکن آگے چل کر یہی چیز ان کے لئے وبال جان اور مذہب و عقلیت کے اس نابارک معرکہ کا سبب ہوئی جس میں مذہب (وہ مذہب جس میں انسانی علم کی آمیزش تھی) نے شکست کھائی اور یورپ میں اہل مذہب کو ایسا زوال ہوا جس کے بعد پھر عروج نہ ہو سکا

اس سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہوئی کہ یورپ لادینی ہو گیا۔

اہل مذہب نے صرف اسی الحاق اور تخلیق پر کتنا انہیں کی بلکہ ان تمام جغرافیائی تاریخی اور طبی معلومات کو جو لوگوں میں زبان زد اور شہور تھے یا کتب مقدسہ کے بعض شارحین و مفسرین نے ان کا تذکرہ کیا تھا، دینی تقدس کا جامہ پہنا دیا اور ان کو مذہبی رنگ دے کر ان سچی تعلیمات و اصول میں شامل کر دیا جن پر اعتقاد رکھنا ایک سچی کے لئے ضروری ہے اس موضوع پر انھوں نے کتب میں تصنیف کیں اور اس جغرافیہ کو جس کی کوئی آسمانی سند تھی جغرافیہ مسیحی TOPOGRAPHY CHRISTIAN کا نام دیا اور اس کے تسلیم کرنے پر اس قدر اصرار کیا کہ جن لوگوں نے اس کو تسلیم نہیں کیا ان کی تکفیر کی۔

## مذہب و عقلیت کی کشمکش اور ارباب کلیسا کے مظالم

اتفاق سے یہ وہ زمانہ تھا کہ یورپ میں عقلیت کا کوہِ آتش فشاں پھٹ چکا تھا، علماء طبیعیات اور محققین تقلید کی زنجیریں توڑ چکے تھے انھوں نے ان بے اصل نظریات کی تردید کی جو جغرافیہ اور تاریخ اور طبیعیات سے متعلق ان مذہبی کتابوں میں پائے جاتے تھے اور بڑی جستار اور آزادی کے ساتھ ان کی علمی تنقید کی اور بے سمجھے ان پر ایمان لانے سے صفا انکار کر دیا اس کے ساتھ انھوں نے اپنے علمی اکتشافات اور تجربوں کا بھی اعلان کر دیا اب کیا تھا مذہبی حلقوں میں مینا پر پا ہو گئی ارباب کلیسا نے (جو اقتدار اور طاقت کے مالک تھے) ان کی تکفیر کی اور دین سچی کے لئے ان کے خون بہانے اور ان کے مال و مناع ضبط کر لینے کی اجازت دی احتساب کی عدالتیں قائم ہوئیں جو بقبول پوپ کے ”ان ملاحدہ اور مرتدین کو سزا دیں جو شہروں گھروں خانوں جنگلوں غاروں اور کھیتوں میں پھیلے ہوئے ہیں ان عدالتوں نے اپنا فرض پوری سرگرمی اور مستعدی سے

انجام دیا، اس کے جاسوس براعظم کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے تھے اور اس بارہ میں محکمہ احتساب نے تفتیش اور سس میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا، ایک عیسائی عالم کہتا ہے کہ "ناممکن ہے کہ کوئی شخص عیسائی بھی ہو اور وہ بستر پر جان دے" اندازہ کیا جاتا ہے کہ اس محکمہ نے جن لوگوں کی سزا دی ان کی تعداد تین لاکھ سے کم نہیں، جن میں تیس ہزار کو زندہ جلایا گیا، انھیں ... رہ جلائے جانے والوں میں ہیئت و طبیعیات کا مشہور عالم برو نو BRUNO بھی تھے جس کا سب سے بڑا جرم کلیسا کے نزدیک یہ تھا کہ وہ اس کرۂ ارض کے علاوہ دوسری دنیاؤں اور آبادیوں کا بھی قائل تھا، محکمہ احتساب کے حکام نے اسے اس سفارش کے ساتھ دیوی حکام کے سپرد کیا کہ اسے نہایت نرمی سے سزا دی جائے اور یہ خیال رکھا جائے کہ اس کے خون کا ایک قطرہ بھی نہ گرنے پائے اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کو آگ میں زندہ جلادیا جائے اسی طرح مشہور طبیعی عالم گلیلیو GALILEO کو اس بنا پر موت کی سزا دی گئی کہ وہ آفتاب کے گرد زمین کے گھومنے کا قائل تھا۔

## اہل تہجد کی مذہب کے خلاف بغاوت اور بیزاری

آخر کار روشن خیالوں اور ترقی پسندوں کا پیغام صبر لبریز ہو گیا اور انھوں نے مذہب و تدا کے نمائندوں کے خلاف علم جنگ بلند کر دیا، وہ مذہبی گروہ کے اس تشدد و وجود اور محکمہ احتساب کے ان مظالم سے ایسے بیزار اور مشتعل ہوئے کہ ان تمام عقائد، علم، اخلاق و آداب سے نفرت ہو گئی جن کی نسبت اس گروہ کی طرف کی جاتی ہے یا اس سے ان کا تعلق ثابت ہوتا ہے، ان کے دل میں ابتداء ایسی ہی مذہب کے خلاف اور رفتہ رفتہ مطلق مذہب کے خلاف عداوت کا جذبہ پیدا ہو گیا اور وہ جنگ جو ابتداء علوم و عقلیت کے علم برداروں اور مذہب سچی (درحقیقت سینٹ پال کے مذہب) کے نمائندوں کے درمیان تھی، بعد میں علم و دین کی باہمی جنگ کی صورت

اس نے اختیار کر لی، روشن خیالی اور عقلیت کے علم برداروں نے بطور خود پر طے کر لیا کہ علم و مذہب ایک دوسرے کے ضد اور مقابل واقع ہوئے ہیں، جو کبھی جمع نہیں ہو سکتے اور دونوں ایک دوسرے کے رقیب اور حریف ہیں جن میں کبھی صلح نہیں ہو سکتی، اس لئے علم و عقلیت کے ساتھ وفاداری کے لئے ضروری ہے کہ مذہب سے منھ موڑ لیا جائے، ان کے سامنے جب میں و مذہب کا نام آتا تو دفعتاً نمائندگانِ مذہب اور اربابِ کلیسا کے لرزہ خیز مظالم کی یاد آواز ہو جاتی اور ان بے گناہ علماء اور محققین کی صورتیں ان کی آنکھوں میں پھر جاتی جنہوں نے انتہائی مظلومیت اور بے بسی کی حالت میں ان جلاظوں کے ہاتھوں پر اذیت موت پائی مذہبی گردہ کے نام سے ان کی نگاہوں کے سامنے پر غضب چہرے چڑھی ہوئی تیوریاں، شرفشاں نگہیں تنگ سینے اور پادریوں کے بھدے دماغ ہی آتے، چنانچہ مذہب سے وحشت اور نفرت کو انہوں نے ایک اصولِ زندگی کے طور پر طے کر لیا اور آنے والی نسلوں کے لئے بھی نفرت و کراہیت کا یہی ترکہ اور سراپہ چھوڑا۔

## روشن خیالوں کی عجلت پسندی اور جمود و تعصب

ان روشن خیالوں اور تجدید پسندوں میں ان اصرار و سکون مطالبہ اور غور کی قوت اور عقل و اجتہاد کی قابلیت نہ تھی کہ وہ اصل دین اور اس کی نمائندگی کا دعویٰ کرنے والوں کے درمیان امتیاز کر سکیں اور یہ سمجھ سکیں کہ ان واقعات میں دین کہاں تک ذمہ دار ہے اور کہاں تک ربا بکلیا کا جوہرِ جہالت، استبداد اور غلط نمائندگی اس کی ذمہ دار ہے اور اگر وہ دوسری شکل ہے تو دین کو اس کی سزا دینا اور اس سے بے تعلقی اختیار کر لینا کہاں تک حق بجانب ہے لیکن غصہ اور اہل مذہب کی عداوت اور عجلت پسندی نے اس بارہ میں ان کو غور کرنے کا موقع نہ دیا اور جیسے کہ دنیا میں عموماً بغاوت اور احتجاج کے موقع پر ہوتا ہے، انہوں نے دین کے ساتھ کوئی رواداری اور مفاہمت پسند نہیں کی۔

ان میں اتنی طلبِ صادق اور اپنی قوم کی خیر خواہی و فرائح جو صلیبی بھی نہ تھی کہ وہ دینِ اسلام کا مطالعہ کرتے جو ان کی بہت سی معاصر قوموں کا دین تھا اور جو نہایت آسانی کے ساتھ اس مختصر اور مذہبِ عقلیت کی اس غیر ضروری کشمکش سے بچا دیتا جو معقول و متحسن امور کا مطالعہ کرتا، غیر معقول اور ناپسندیدہ چیزوں سے روکتا، دنیا کی بے ضرر اور پاک لذتوں اور فوائد کی ان کو اجازت دیتا، مضر اور قابلِ نفرت اشیاء کو ممنوع قرار دیتا اور ان بے جاز تجبیروں اور بیڑیوں کو کاٹ دیتا جو تحریفِ شرع مذہب اور تشددِ دینِ اہل مذہب اور اہل حکومت نے ان کے جسم میں ڈال رکھی تھیں۔

يَا مُؤْمِنُكُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَبِالنَّهْيِ  
عَنِ الْمُنْكَرِ يُجِزِلْ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ  
وَيُحْثِرْ لَهُمُ الْغَبِيَّاتِ وَيَنْصَحْ  
عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَى الَّتِي  
كَانَتْ عَلَيْهِمْ  
(محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ان کو  
نیکی کا حکم دیتے ہیں براہ راست سے روکتے ہیں پسندیدہ  
چیزیں حلال کرتے ہیں گندی چیزیں حرام  
ٹھہراتے ہیں اس بوجھ سے نجات دلاتے ہیں  
جس کے تلے وہ دبے ہوئے ہیں ان پھندوں  
سے نکالتے ہیں جو ان پر پڑے ہوئے ہیں۔ (الأعراف۔ ۱۵۷)

لیکن قومی عصبيت اور ان دیواروں کی وجہ سے جو صلیبی جنگوں نے عیسوی مغرب اور اسلامی شرق کے درمیان اور اربابِ کلیسا کی افزائش پر دازیوں نے اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف کھڑی کر دی تھیں، نیز مطالعہ و تحقیق کی محنت برداشت نہ کرنے اور موت کے بعد کی زندگی اور نجاتِ اخروی سے آزاد دہے فکر ہونے کی وجہ سے انھوں نے اسلام کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔

اس میں کچھ دخل مسلمانوں کی تبلیغی کوتاہیوں کو بھی ہے کہ انھوں نے صدیوں یورپ جیسے اہم براعظم میں اسلام کی نشر و اشاعت اور اس کے تعارف کی طرف کوئی توجہ نہیں کی حالانکہ اسلامی حکومت کے عروج اور یورپ کی سلطنتوں سے معاصرانہ اور مساویانہ تعلقات ہونے کی



وجہ سے ان کو اس کے مواقع حاصل تھے۔

غرض اہل یورپ ایسے نازک موقع پر اسلام کی رہنمائی اور اس کی مسیحائی سے محروم ہے۔

## یورپ کی مادیت

بہر حال جس کا خطرہ تھا وہ پیش آگیا اور یورپ کا رخ ایک کٹل اور وسیع مادیت کی طرف ہو گیا۔ خیالات، نقطہ نظر، فضا، ذہنیت، اخلاق و اجتماع، علم و ادب، حکومت و سیاست کی فرض زندگی کے تمام شعبوں میں مادیت غالب آگئی اگرچہ تدریجی طور پر ہوا اور ابتدا میں اس کی رفتار سست تھی لیکن قوت و عزم کے ساتھ یورپ نے مادیت کی طرف حرکت کرنی شروع کی، علماء فلسفہ و علوم طبیعیات نے کائنات میں اس طرز پر غور و بحث کرنی شروع کی کہ گویا نہ اس کا کوئی خالق ہے نہ منظم و حاکم اور طبقات اور مادہ کے اندر کوئی ایسی طاقت نہیں ہے جو اس عالم میں تصرف اور اس کا نظم و نسق کرتی ہے، وہ عالم طبیعی اور اس کے ظواہر و آثار کی تشریح و توجیہ خالص میکانیکی طریقہ پر کرنے لگے اور اس کا نام علمی اور تحقیقی طرز قرار پایا، اور ہر ایسا بحث و نظر کا طریقہ جس کی بنیاد خدا کے وجود اور اس کے یقین پر ہو، تقلیدی اور غیر علمی طریقہ کہا جانے لگا اور اس کا مذاق اڑایا جانے لگا، اس راستہ کی منزل یہ تھی کہ انھوں نے چلتے چلتے حرکت اور مادہ کے علاوہ ہر چیز کا انکار کر دیا اور ہر اس چیز کے ماننے سے عذر کیا جو جو اس اور تجربہ کے اندر نہ آ سکے اور جس کا وزن شمار و پیمائش نہ ہو سکے اس کا طبعی اور منطقی نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کا وجود اور تمام حقائق ابعد الطبیعیات ایسے مفروضات بن گئے جن کی گویا عقل و علم سے کوئی تائید نہیں ہوتی۔

ان لوگوں نے ایک زمانہ دراز تک خدا کا انکار نہیں کیا اور نہ ہر سبب خاصاً اعلان جنگ بھی نہیں کیا اور فی الواقع سب کے سب اس کے منکر بھی نہ تھے لیکن طاق فکر اور بحث و نظریں جو پوزیشن

انہوں نے اختیار کی تھی وہ ایسے دین کے ساتھ جمع ہی نہیں ہو سکتی تھی جس کی پوری عمارت ایمان بالغیب اور وحی و نبوت کی بنیاد پر ہے اور جو حیات آخری پر اس قدر زور دیتا ہے ان میں کوئی چیز بھی ہو اس وجہ کے تحت میں نہیں آتی اور وزن و شمار اور پائش سے اس کی تھقی نہیں کی جاسکتی اس لئے روز بروز ان کو دینی عقائد میں اشتباہ اور ان کے ماننے میں تذبذب پیدا ہو گیا۔

یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے بعد کے لوگ مدت دراز تک مادی نقطہ نگاہ مادی زندگی اور مادی اعمال و رسوم کو جمع کرنے کی کوشش کرنے لگے مذہبی تقلید سے وہ ابھی پورے طور پر آزاد نہیں ہوئے تھے اور عیسوی دنیا میں مذہبی ماحول ابھی باقی تھا، اخلاقی اور اجتماعی مصالح کا بھی تقاضا تھا کہ خواہ برائے نام لیکن مذہبی نظام ضرور برقرار رہنا چاہئے جو قوم کے افراد کے درمیان ربط قائم رکھے اور ملک کو اجتماعی انتشار اور اخلاقی ابتری سے محفوظ رکھے، لیکن مادی تہذیب کی رفتار اتنی تیز تھی کہ مذہب اور اس کے رسوم اس کا ساتھ نہ دے سکے، مادیت اور روحانی مذہب کے جمع کرنے میں خاصی تکلیف، تکلف، تنبیہ اوقات تھا، اس نے کچھ مدت کے بعد اس تکلف کو برطرف کیا اور صاف صاف لادینیت اور مادہ پرستی اختیار کر لی، اسی زمانہ میں یورپ کے ہر گوشہ میں بہت بڑی تعداد میں ایسے مصنف ادیب، معلم اجتماعی اور سیاسی پیدا ہوئے جنہوں نے مادیت کا صور پھونکا اور اہل ملک کے دل و دماغ میں مادہ پرستی کے بیج بو دیئے، علماء اخلاق، اخلاق کی مادی تشریح کرتے تھے، کبھی فلسفہ افادیت کی بحث کرتے اور کبھی لذتیت کی، میکا ویلی (MACHIAVELLI) (۱۴۶۹-۱۵۲۷ء) جیسے اہل سیاست نے دین و سیاست کی تفریق کی دعوت پہلے ہی دے دی تھی اور اخلاق کی دو قسمیں قرار دی تھیں پبلک اور پرائیوٹ اور طے کر دیا تھا کہ اگر مذہب کی ضرورت ہی ہے تو وہ محض انسان کا ایک پرائیوٹ معاملہ ہے جس کو امور سیاست میں دخل نہیں دینا چاہئے، حکومت ہر چیز پر

مقدم اور ہر شے سے بیش قیمت ہے مذہب عیسوی کا تعلق دوسری زندگی سے ہے ہماری دنیا کی زندگی سے اس کو کوئی سروکار نہیں مذہبی اور نیکی کار انسانوں کا وجود حکومت کے لئے کچھ مفید نہیں اس لئے کہ وہ دین کے احکام کے پابند ہوتے ہیں اور ضرورت کے وقت اخلاقی اصول کے نظر انداز نہیں کر سکتے، بادشاہوں اور حکام کو لوٹ پولیوں کے صفات اختیار کرنے چاہئیں، اور اگر حکومت کا فائدہ ہوتا ہوا اور کوئی سیاسی مصلحت مقتضی ہو تو عہد شکنی، دروغ گوئی، فریب دہی، خیانت اور نفاق میں پس و پیش نہیں کرنا چاہئے، یہ دعوت و تبلیغ پورے طور پر پھوڑا دیا گیا ہوئی اور وطنیت و قومیت (جو مذہب قدیم کی جگہ لے رہا تھی) نے بھی اس کی پوری لحد ادا کی۔

مصنفین اہل قلم اور اہل دماغ نے اپنی جادو بیانی، سحر طرازی اور خطابت و شاعری سے قدیم اخلاق اور اجتماعی نظامات کے خلاف سارے ملک میں ایک بناوٹ برپا کر دی انھوں نے معصیت کو خوش نما اور دلفریب بنا کر پیش کیا طبعیتوں کو ہر قید بندش فرود ہر ذمہ داری و جواب دہی سے آزاد ہونے کی اور مطلق آزادی دے قیدی کی کھلی تبلیغ کی، زندگی سے پورے پورے تمسح، مطالبات نفس کی پوری تکمیل، اور لذت پرستی کی علانیہ دعوت دی اور اس زندگی کی قیمت میں بڑے غلو اور بالآخر سے کام لیا، نقد لذت اور ظاہر و محسوس مادی نفع کے سوا ہر چیز کا انکار و تحقیر کیا۔

اس طرح سے انیسویں اور بیسویں صدی کی مغربی زندگی کی بُت پرست یونان اور روما کی جاہلی زندگی کا مرتق بن گئی، یہ گویا اس کا نیا اڈیشن تھا جو انیسویں صدی میں نئے اہتمام کے ساتھ تیار کیا گیا، یونان اور روما کے جن نقوش کو مشرقی عیسویت نے مٹھ کر دیا تھا، انیسویں صدی کے نقاشوں نے ان کو پھر آجا کر کر دیا، اس میں کوئی تعجب کی بات بھی نہیں ہے آج کی مغربی قومیں انھیں یونانی، رومی اور مغربی اقوام کی جائز وارث اور خلف الرشید ہیں، موجودہ مغربی تہذیب

اور قدیم یونانی اور رومی تہذیب میں قریبی مماثلت پائی جاتی ہے، یورپ کی موجودہ مذہبی زندگی روحانیت اور باطنی کیفیت سے اسی طرح عاری ہے جیسے یونانیوں کی مذہبیت تھی، مذہبی غریزہ شروع اور خضوع اور مذہبی سنجیدگی کی کمی زندگی میں بہو و لعب کی کثرت کا بھی وہی حال ہے جو یونان میں تھا، اور یہ نتیجہ ہے علماء طبیعتاً و حکمت کے ان نظریات اور تحقیقات جنہوں نے یورپ میں پوری مقبولیت حاصل کر لی اور دین و مذہب کی پوری پوری جگہ لے لی ہے، اسی طرح زندگی کی ہوس لذت طلبی اور دوقاوی اور دنیا میں شوقِ گل چینی کی بھی بعینہ وہی کیفیت ہے جو سقراط نے اپنے زمانہ کے جہوری نوجوان کی بیان کی ہے، نیز مذہبی شک و تذبذب دینی نظام اور مذہبی فرائض و رسوم کی بے وقتی میں بھی یورپ یونان و روما سے پیچھے نہیں ہے۔

## سیحیت یا مادہ پرستی؟

حقیقت یہ ہے کہ یورپ کا موجودہ مذہب جس کی دلوں اور روح پر حکومت کا وہ عیسائیت نہیں بلکہ مادہ پرستی ہے، مغربی نفسیت اور مغربی زندگی سے اس کی قدم قدم پر تصدیق ہوتی ہے۔  
 ISLAM AT THE CROSS ROAD: کا حصہ: لکھتا ہے:-

”اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یورپ میں اس وقت بھی ایسے اشخاص پائے جاتے ہیں جو دینی طریق پر سوچتے ہیں اور مذہبی احساس رکھتے ہیں اور اپنے عقائد کو اپنی تہذیب کی روح کے ساتھ منطبق کرنے میں مکالمی کوشش کرتے ہیں لیکن متیشی مثالیں ہیں یورپ کا عام اور متوسط آدمی وہ جہوری ہو یا فاشسٹی، سرمایہ دار ہو یا اشتراکی ہاتھ سے کام کرنے والا ہو یا مافی محنت کرنے والا، وہ ایک ہی مذہب جانتا ہے، وہ کیا؟ مادہ پرستی کی پرستش اور عقیدہ کہ اس زندگی کی غرض و غایت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اس کو

زیادہ سے زیادہ آسان اور پُر راحت اور آزاد اور بے قید بنائے، اس مذہب کے گرجے اور عبادت گاہیں زبردست کارخانے ہیں، تھیسٹر و تفریح گاہیں، کیمیاوی دارالصنعت، ناچ گھراؤ، بجلی کے مرکز، اس مذہب کے پروہت بینکوں کے افسر ہیں، انجینئرز، اداکار، عورتیں (ایکٹریس) فلم اٹار اور تجارت و صنعت کی بڑی بڑی مرکزی شخصیتیں اور کارڈ قائم کرنے والے، موبائز ہیں، طاقت و لذت کی اس ہوس اور چڑچڑاہٹ کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ حریت گروہ سامانِ جنگ سے لیس اور جنگی تیاریوں سے مکمل تیار کھڑے ہیں، اور ایک دوسرے کو تباہ کر دینے کے لیے پرتوں بے مہمیا اگر ان کی خواہشات اور مصالح میں تصادم ہو گیا، اور جہان تک تہذیب کا تعلق ہے انسانوں کا ایک ایسا تائب پیدا ہوا ہے جس کا عقیدہ ہے کہ نیکی اور اخلاق نام بے عملی فائدہ کا اس کے نزدیک معیار محض مادی کامیابی ہے۔

مغربی تہذیب صاف صاف پُر زور طریقہ پر ضد کا انکار نہیں کرتی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے ذہنی نظام میں اللہ کی کوئی جگہ نہیں اور اس کے ماننے میں وہ کوئی فائدہ محسوس کرتی ہے، اور نہ اس کی ضرورت سمجھتی ہے۔

پروفیسر جوڈ (JOAD) جو لندن یونیورسٹی میں شعبہ فلسفہ و علم النفس کے صدر ہیں، یہ کہتے ہیں:

‘GUIDE TO MODERN WICKEDNESS’ میں اپنا ذاتی تجربہ بیان کرتے ہیں:۔

”میں نے میں طلباء اور طالبات کی جو سب سے بڑی سب سے کچھ اوپر لکھے تھے ایک جہات

سے سوال کیا کہ ان میں سے کتنے کسی مہنی میں عیسائی ہیں؟ صرف تین نے اس سوال کا

اثبات میں جواب دیا اور عیسائی ہونے کا اقرار کیا، سات نے کہا کہ انھوں نے اس مسئلہ

کچھ غور نہیں کیا، باقی دس نے صاف صاف کہا کہ وہ کھلے طور پر مسیحیت کے خلاف ہیں، میرا خیال ہے کہ مسیحیت کے انٹے والوں اور دانے والوں کا یہ تناسب سب ملک میں کوئی استثنائی اور غیر معمولی مثال نہیں، ہاں البتہ اگر یہ سوال پچاس سال یا بیس سال اُدھر کیا جاتا تو اس کے جوابات ان جوابات سے مختلف ہوتے اس بنا پر بہت تھوڑے لوگ ہوں گے جو کینن ہیری CANON HARRY کے اس بارہ میں ہم خیال ہوں کہ ایک بڑے پیمانہ پر مسیحی بیداری اور ترقی دنیا کو نجات دے سکتی ہے، میری رائے میں ان کے اس دعوے کو حق بجانب ثابت کرنے والی کوئی چیز نہیں، ہاں یہ الگ بات ہے کہ یہ ان کی خواہش ہو، ایسا بہت ہوتا ہے کہ خواہشات خیالات پیدا کر دیتی ہیں لیکن وہ دلائل اور ثبوت نہیں پیدا کر سکتی، اس ملک کے حالات و آثار صاف بتلا رہے ہیں کہ مسیحی کلیسا آئندہ صدی میں اپنی عمر پوری کرنے کا، ایک روزانہ اخبار کے اقتباس ذیل سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

ستتر برس کے ایک بوڑھے نے ایسا طریقہ ایجاد کیا ہے جس سے وہ کتاب مقدس کے پڑانے نسخوں کو بند وقوں کی ڈاٹ مصنوعی ریشم، گٹا پارچہ اور نوٹوں میں تبدیل کر سکے گا، بیشین کارڈز فیکٹری CARDIF FACTORY اور آٹھ دوسرے کارخانوں میں لگا دی گئی ہے، اور کتاب مقدس کے نسخوں سے جنگی سامان تیار ہو رہا، موجد نے اس شین سے بڑی دولت پیدا کی ہے۔

پس سن لیں وہ لوگ جن کو انٹرنے کان دیئے ہیں!

## زیر پرستی

یہی صفت اپنی دوسری کتاب PHILOSOPHY FOR OUR TIMES میں لکھتا ہے :-

”صدیوں سے انگلستان کے تخیل پر دولت اندوزی کا اصول غالب ہے حصولِ دولت کی خواہش پچھلے دو سو سال سے دیگر جملہ محرکاتِ عمل سے زیادہ کام کرتی رہی ہے کیونکہ دولت حصولِ ملکیت کا ذریعہ ہے اور ذاتی ملکیت کی بُتات اور شان و عظمت ہی سے انسان کی قابلیت کا اندازہ کیا جاتا ہے، سیاسیات، ادب، سینما، ریڈیو اور کبھی کبھی گرجاؤں کے منبروں سے سال بسال اپنے پڑھنے سننے والوں کو یہی تعلیم دی جاتی رہی ہے کہ ہندو قوم وہی ہے جس میں جذبہٴ حصولِ انتہائی طور پر ترقی کر چکا ہے۔“

یہ دولت پرستی ہمارے مذہبی عقائد سے متصادم ہے کیونکہ مذہب یقین دلاتا ہے کہ غریبی اچھی اور دولت مندی بُری ہی نہیں بلکہ دولت من کو نیک بننے کا اتنا ہی کم امکان ہے جتنا کہ غریب کو زیادہ ہے اگرچہ تقاضائے دانش و تعلیم مذہب متفقہ طور پر یہی سکھاتا ہے کہ خدا پرستی اور حصولِ جنت غریبی کے ساتھ ہے تاہم لوگوں نے تعلیم مذہب کو سچا سمجھ کر اس پر عمل کرنے کا کوئی رجحان ظاہر نہیں کیا اور موجودہ حصولِ دولت کو مستقل حصولِ راحت آسانی پر بخوشی ترجیح دیتے رہے ہیں غالباً ان کا خیال رہا ہے کہ بسترِ مرگ پر توبہ کر کے وہ آخرت میں اتنا ہی فائدہ حاصل کر سکیں گے جتنا کہ یہاں اس دنیا کی محزونہ دولت سے ان کے تخیل کو (SAMUEL BUTLER)

نے اپنی کتابوں میں یوں ظاہر کیا ہے کہ بدشمار مصنفین کہتے ہیں کہ ہم خدا اور دولت کی ساتھ ساتھ پرستش نہیں کر سکتے ہم تعلیم کر سکتے ہیں کہ یہ آسان نہیں لیکن قابلِ حصول چیزیں

آسان ہوتی ہی کیا ہیں؟

ہمارے اصول کچھ ہی کیوں نہ ہوں، واقعہ یہ کہ عملاً ہم جبر کے کچے تقلد ہیں، ہم دولت کے اتنے ہی دلزادہ ہیں اور ہمارا یہ اعتقاد کہ دولت ہی فرد و مملکت کی عظمت کا باعث ہوتی ہے اس قدر راسخ ہے کہ اس سے دیک کے دھوکا اصول قائم کئے گئے ہیں جو کہ اعلیٰ تاریخی اہمیت رکھتے ہیں ان میں سے ایک عدم مداخلت کا معاشی اصول ہے جو کہ انیسویں صدی پر غالب رہا، اس اصول کا دعویٰ ہے کہ انسان ہمیشہ اپنے عمل کو زیادہ سے زیادہ مالی فائدہ پر منحصر رکھتا ہے گویا ان کا مذہب لذتیت یہ ہے کہ عمل کا محرک لذت جذبات دلی نہیں بلکہ لذت تقاضا ہے دولت ہے۔

دوسرا اصول جو کہ بیسویں صدی میں غالب نظر آتا ہے، اگر اس کا اصول معاشی تھیرے و تنظیم ہے، یہ اصول بتلاتا ہے کہ انسان کا معاشی نظام ہمیشہ ان کی مالی ضروریات پر مبنی ہوتا ہے، اور یہی نظام ان کے ادب، اخلاقیات، مذہب، منطق، نیز نظام حکومت کا خالق ہوتا ہے، ان دونوں اصولوں کی مقبولیت کا انحصار اسی قدر و منزلت پر ہے جو کہ ہمارے مرد و عورت نمایاں طور پر دولت کے انفرادی اور سیاسی میاثر سن پر رکھتے ہیں، یہی مصنف اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھتا ہے:-

”جو نظریہ حیات اس زمانہ پر ستولی اور غالب ہے وہ اقتصادی نظریہ اور ہر عمل اور معاملہ کو پیٹ اور جیکے نقطہ نظر سے دیکھنا اور جانچنا ہے۔“

سٹر جان گنٹھر مازام کی اخبار نویس نے اپنی کتاب INSIDE EUROPE میں اس زر پرستی کا ان الفاظ میں تذکرہ کیا ہے:-



”انگریز ہفتہ میں چھ روز پرتش تو بیک آف انگلینڈ میں کرتا رہتا ہے صرف  
ساتویں روز کلیساے انگلستان کا رخ کرتا ہے۔“

## خدا فراموشی و خود فراموشی

ان لوگوں سے جو کسی دوسری زندگی پر ایمان اور لذت و تفریح یا شخصی وقوی سر بلندی کے علاوہ  
کسی مقصد عالی پر یقین نہیں رکھتے اور اللہ سے ان کو کچھ یوں ہی سا برائے نام تعلق ہے اس کی توقع کرنا  
کہاں تک صحیح ہوگا کہ ان میں کسی مصیبت یا خطرہ کے موقع پر نصرت اور رجوع الی اللہ کی کیفیت پیدا ہوگی  
قرآن شکرین کے متعلق کہتا ہے کہ وہ خطرہ اور مصیبت کے وقت خدا ہی کو پکارتے ہیں اور ان کو  
ایسے موقع پر صرف خدا ہی یاد آتا ہے لیکن یورپ کے مادہ پرست مادیت میں اتنے نگہ بھگے ہیں اور  
ظاہری اسباب و علل ان پر اتنے غالب آگئے ہیں ان کی زندگی میں خدا سے اتنا استغنا اور دلوں میں  
اتنی سختی اور بے حسی پیدا ہو گئی ہے کہ وہ قرآن مجید کی ان آیتوں کا مصداق بن گئے ہیں :-

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ  
فَاتَّخَذُوا لَهَا آلِهَةً وَالضَّرَآءَ  
لَعَنَهُمْ يَتَفَرَّخُونَ ۚ فَهَلْؤَلَا  
إِذْ جَاءَهُمْ بَأْسًا فَتَوَضَّعُوا وَلَكِن  
قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَدَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ  
مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ (الانعام ۴۲-۴۴)  
وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُم بِالْحَدَّابِ قَسَا  
اسْتَكْبَرُوا إِلَهِهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُونَ  
(الزمر ۷۶)

اور تم تم سے پہلے بہت سی امتوں پر رسول  
بھیجے تھے پھر ہم نے ان کو سختی اور تکلیف میں  
گرفتار کیا تاکہ وہ (خدا کے حضور میں) گرا گرا کر  
پھر کیوں نہ گرا گرا جائے جب ان پر ہمارا عذاب آیا  
لیکن (الٹے) ان کے دل سخت ہو گئے اور سٹپا  
نے ان کے کام کو آراستہ کر کے دکھایا۔  
اور ہم نے کچھ اتھان کو آفت میں پھر نہ عذاب  
کی اپنے رب کے آگے اور نہ گرا گرائے۔

چنانچہ آپ کو جنگ کے سخت ترین مواقع اور نازک ترین گھڑیوں میں بھی خدا کی طرف  
توجہ، انابت کی کیفیت، دل کی شکستگی اور شانِ عجز و بندگی نظر نہ آئے گی اور نہ قوم کے اخلاق  
و اعمال اور تفریحات و کجیسیوں میں کوئی فرق نظر آئے گا، مگر جب مفکرین اہل قلم اور رہنما اسی پر  
فخر کرتے ہیں اور اس کا نام ان کے یہاں استقلالِ نفس، قوتِ قلب اور قومی عزتِ نفس و خودداری  
ہے، مشرقی خدا پرست اور مسلمان کے نقطہ نظر سے یہی قسوتِ قلب، غفلت، اہم و لعب میں  
انہماک اور مدہوشی و خود فراموشی ہے۔

”لندن کی ایک رات“ کے عنوان کے تحت لندن میں بسنے والے ایک ہندوستانی شاعر  
کے ہوائی حلقوں کے زمانہ کی آپ بیتی ملتے ہیں :-

”اس رات ہم سب دوست احباب کئی دن اور کئی رات کے سواڑ حلقوں تک آکر  
ایک نہایت پر محکف ٹی ٹیبل منڈستانی، انگریزی دعوت کے انتظام میں مصروف تھے، مگر مگنا  
نے اپنا باورچی خانہ اور اس کا سببان ہمارے حوالہ کر دیا تھا اور اوپر کا بڑا کمرہ بھی ناچ  
کے لئے خالی کر دیا تھا، کوئی پچیس عورتیں اور مرد سب نے لی کر اپنے ہاتھ سے کھانا پکایا،  
کھانا کھ کر ہم لوگ ناچ رہے تھے کہ یکایک خطرہ کا سائرن بجا، پہلے تو ایک دم سب خاموش  
ہو گئے، مگر ناچ بند کئے بغیر ایک بولا، کیا صلاح ہے؟ ایک لڑکی نے جواب دیا ناچتے رہیں گے  
چنانچہ ہم سب ناچتے رہے اور گانوں اور تھپتھپوں کا سا امکان تو کیا سارا محلہ گونجنے لگا۔  
اس اقتباس سے کچھ اوپر کی سطر :-

”تھوڑے دن کے بعد یہ معمول ہو گیا کہ روز شام کے وقت سات آٹھ بجے سائرن  
بجتا، دشمن کے ہوائی جہاز کی گھر گھر سنائی دینے لگتی، سرچ لائٹ کا جلتا ہوا جال

لے ہوائی حملہ، مصنفہ آغا اشرف دہلوی ایم اے۔

آسمان پر ٹکھ جاتا تو میں دغے لگتیں اور زمین و آسمان ہل جاتے اس وقت اگر سنیما ہوتا تو تصویر کا سلسلہ تھوڑی دیر کے لئے بند ہو جاتا، اور پردہ پر یہ لفظ آجاتے ابھی ہوائی طلع شروع ہوا ہے گری تصویر جاری رہے گی جو لوگ پناہ خانہ میں جانا چاہیں ان کا راستہ نیچے بائیں طرف کہ ہے مگر سب بیٹھے رہتے اور تصویر پھر جاری ہو جاتی ہے

اس تقریبی انہماک اور خود فراموشی کی مثال قدیم یونان درواہی میں مل سکتی ہے، تاریخ کی روایت ہے کہ پامپی آئی، کا کوہ آتش فشاں جب پھٹا ہے اور آسمان سے آگ کے شعلے اور انگارے زمین سے زلزلہ آیا ہے تو دن کا وقت تھا، اور لوگ ایسی تھیں (اس عظیم الشان مندرے میں جو بیک وقت میں ہزار انسانوں کا جلسہ گاہ تھا) بیٹھے ہوئے دندلوں کو زندہ انسانی جسموں کو اپنے بچوں اور دانتوں سے نوچتے اور چیرتے پھاڑتے دیکھ رہے تھے اس ظالمانہ لہو و لعب کی عین مشغولیت میں زلزلہ آیا اور آگ آسمان سے برسا شروع ہوئی کچھ جہاں بیٹھے لیٹے تھے وہیں جل کر اور جسم ہو کر رہ گئے، کچھ باہر نکلے تو اندھیرا گھپ جسم سے جسم، سر سے سر ٹکرائے، کتنے یوں ختم ہوئے کچھ خوش نصیب تھے جنہوں نے کشتیوں اور جہازوں میں بھاگ بھاگ کر جان بچائی، شہر اٹھارہ سو برس تک دنیا کے نقشہ سے غائب ہو گیا، انیسویں صدی کے وسط میں پتہ چلا کہ معدوم نہیں ہوا ہے صرف گرد خاک تر سے پرٹ گیا ہے اگھرائی شروع ہوئی اور برسوں کے بعد شہر عبرت کا عجائب خانہ بنا ہوا اسی طرح جوں کا توں نکل آیا ہے۔

اَذَارَتِ اَهْلُ الْقُرَىٰ اَنْ يَّاتِيَهُمْ  
بَاْسًا سَمِيًّا دَهْمٌ يَّلْبِجُوْنَ ۝  
کیا بستیوں والے اس بات کے اندر میں کران پر  
ہمارا عذاب آپہونچے دن چڑھے جب وہ  
کھیل میں مشغول ہوں۔ (الاعراف - ۹۸)

خدا شناس خدا پرست انسانوں کا طرز عمل اور ریشہ و اخلاق جنگوں اور خطرات کے موقع پر اس طرز عمل سے جس قدر مختلف اور مبائن ہے اس کا اندازہ کچھ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید میں ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ  
فِتْنَةً فَاقْبَلُوا بِكُفْرٍ كَثِيرٍ  
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (الانفال - ۴۵)

صحابہ کرام بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی پریشان کن امر پیش آتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوراً نماز پڑھنے کھڑے ہو جاتے، بدر کے موکر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیں برابر کیں اور عیش میں تشریف لا کر انہرے مناجات اور گریہ و زاری شروع کر دی، آپ فرماتے جاتے تھے کہ: اے اللہ اگر یہ جماعت آج ہلاک ہو گئی تو تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ رہ جائے گا،  
یہیں تفاوت رہ از کجا ست تا بہ کجا

## مغربی مزاج ایک مشرقی کی نظر میں

پس مادیت طبعی تاریخی اور علمی اسباب کی بنا پر تاریخ کے قدیم ترین عہد سے مغربی تہذیب اور مغربی زندگی کی روح اور اس کا مزاج بن گئی ہے، مغرب کے اس دنیا کی طرف مغرب مشرق کے متضاد علماء نے توجہ دلائی ہے علماء مشرق میں سے صاحب نظر اور صاحب فراست سیاح عبد الرحمن کوکبی (م ۱۳۲۰ھ) نے اس صدی کی ابتدا میں اپنی کتاب طبائع الاستبداد میں اس حقیقت کا ذکر کیا ہے:-

مغربی اپنی زندگی میں مادہ پرست طبیعت کا مضبوط اور محکمہ کا سخت ہوتا ہے

اس کی طبیعت خود غرض، کینہ و راور انتقامی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان ہند اصولوں

اور شریفانہ جذبات میں سے اس کے پاس کچھ باقی نہیں رہا، جو مشرق کی مسیحیت کے اس کو عطا کئے تھے، ایک جرمن ہی کو، لومبراج کا خشک اور طبیعت کا اکٹھا، اس کے نزدیک ایک کمزور انسان زندہ رہنے کا مستحق ہی نہیں اس کے نزدیک ہر قسم کی بڑی قوت ہی میں پائی جاتی ہے اور قوتوں کا مرکز مال ہے وہ علم کا ضرور قدر دان ہے، لیکن مال ہی کے خاطر وہ عزت کا بھی شائق ہے لیکن مال ہی کی غرض سے لاطینی اور اطالوی کی فطرت میں خود پسندی اور شک عقلی ہے، اس کے نزدیک عقل نام ہے آزادی اور بے قیدی کا، زندگی کہتے ہیں بے حیالی کو، عزت نام ہے زینت و بے اور لوگوں پر غالب آجانے کا۔

مغربی فطرت و نفسیات کی یہ صحیح تفسیر و تحلیل ہے، مروجہ کو اکسی نے ان دونوں قوموں کو محض نمونے کے طور پر انتخاب کیا، ورنہ مجرئی، قومی خصائص کے علاوہ مادہ پرستی، دولت کے عشق، خود غرضی اور معاملہ کی شدت میں مغرب کی ساری قومیں شریک ہیں۔

## روحانیت میں مادیت

یہ مادہ پرستانہ روح یورپ کے تمام سیاسی اجتماعی اور اخلاقی قدیم و جدید نظامات میں جاری و ساری نظر آئے گی، جیسی کہ اس روحانی تحریک کی جس یورپ کو بڑی دھپی پیدا ہو گئی ہے، روح بھی مادیت ہی ہے، وہ بھی دوسری سختیوں اور فنون کی طرح ایک سائنس اور آرٹ ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ عالم روحانیت کے عجائبات کی سیر کی جائے اس کے اسرار معلوم کئے جائیں، مردوں کی روحوں سے بات چیت کی جائے اور تفریح و تسکین نفس کا سامان بہم پہنچایا جائے، مشرق کی اسلامی روحانیت و تصوف کے برخلاف اس کو تزکیہ نفس، اصلاح قلب، خشیت الہی، عمل صالح، مجاہدہ نفس

اور موت کے بعد کی زندگی اور اس کی تیاری سے کوئی تعلق نہیں۔

اسی طرح سے وہ کام جس میں یورپ میں لوگ اپنی جانیں دیتے ہیں محض مادی اغراض کے لئے ہوتے ہیں، اگر ان کا تجربہ کیا جائے تو کسی نہ کسی مادی غرض و غایت پر وہ جی اُٹھتی ہوتے ہیں مثلاً شہرت، تائیکس میں ذکر جذبہ، مبالغت، قومی و وطنی اعزاز و فخر، ان میں کہیں خدا کی رضا مطلوب نہیں ہوتی، اس کے برخلاف مسلمان ہر کام میں خدا کی خوشنودی کا طالب ہوتا ہے اور صالح اس کی رضا کے لئے عمل کرنا چاہتا ہے جو چیزیں مغرب میں عین مقصود ہیں وہ یہاں قابلِ استرازا اور لائقِ اجتناب ہیں جو چیزیں مغرب میں فخر و ناز کی ہے مسلمان کے لئے ننگ و عار ہے۔

انچہ فخر تست آں ننگ من است

قرآن مجید کی آیت ہے:-

قُلْ مَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ بِالْآخِرِينَ أَعْمَالَهُ  
الَّذِينَ كَانَ سَبْقُهُمْ فِي الْيُسُوفِ  
الدُّنْيَا وَمَهُمْ يَحْسِبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ  
مُنْعًا أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ  
رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِمْ خَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ  
فَلَا يَقِيمُونَ لَهُمْ نَصْرًا وَلَا فِئَةً وَقَدْ نَهِ  
(الکہف - ۱۰۳-۱۰۵)

کہو ہم تمہیں خبر دیں کون لوگ اپنے کاموں  
میں سب سے زیادہ نامراد ہوئے وہ جن کی ساری  
حوشیں دنیا کی زندگی میں کھوئی گئیں اور وہ  
اس دھوکے میں پڑے ہیں کہ وہ خود کام انجام دے  
یہے ہیں وہی ہیں جو اپنے پروردگار کی آیتوں سے  
اور اس کے حضور میں حاضر ہونے سے منکر ہوئے  
پس ان کے سامنے کام اکارت گئے اور اس نے  
قیامت کے دن ہم ان کا کوئی وزن تسلیم  
نہ کریں گے۔

قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ مَكَرُوا بِكَ  
اور دنیا میں جو یہ لوگ عمل کر گئے ہیں ان کا

تَجْعَلْنَاهُ مَبَاءً آمِنًا ۝ ۲۳۸ ۝

(الفرقان - ۲۳۸) کر دیں گے جیسے بکھری ہوئی دھول۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص بہادری کی بنا پر لڑتا ہے ایک شخص غیرت و جوش میں آکر اور ایک شخص لوگوں کو دکھانے کے لئے، ان میں سے کون سا اللہ کے راستہ میں تیار ہوگا، آپ نے فرمایا صرف وہ جنگ جو اس غرض سے کی جائے کہ اللہ کی بات اونچی ہو وہی فی سبیل اللہ ہے اس اصول و حقیقت کے جو لوگ قائل تھے ان کو اپنے کاموں اور نیکیوں کے پھیلنے کا بڑا اہتمام رہتا تھا اور اس پر بھی ہر وقت ریا کا کھٹکا لگا رہتا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک خاص دعا کے الفاظ ہیں اللّٰهُمَّ اجْعَلْ عَمَلِي كُلَّهُ صَالِحًا وَاجْعَلْ كُلَّهُ يَوْمَئِذٍ خَالِصًا وَلَا تَجْعَلْ لِفِعْلِكَ فِيهِ شَيْئًا یعنی اے اللہ میرے تمام اعمال کو صلاح بنا اور ان کو خالص اپنی ذات ہی کے لئے رکھ اور اپنے سوا کسی کا اس میں حصہ نہ بنا۔

## اقتصادی وحدۃ الوجود

وہی نقطہ نظر اورادی طریق فکر جو یپ میں استغراق و فنا کے ایسے درجہ کو پہنچ گیا ہے کہ مغربی اشخاص اور اہل فکر اس کو بالکل بھول گئے، فلسفۂ اشتراکیت کا امام کارل مارکس (۱۸۱۸-۱۸۸۳) اس مادی استغراق اور فنا کی بہترین مثال ہے اس کے نزدیک پوری انسانی تائیخ (سوائے اس زمانہ کے جب زندگی عالم طفولیت میں تھی) معاشرتی طبقوں کی باہمی جنگ کی تان ہے وہ اقتصادی پہلو کے علاوہ انسانی زندگی کے تمام دوسرے پہلوؤں کی اہمیت اور اثر کا منکر ہے وہ دین اخلاق و روح قلب حتیٰ کہ عقل کو کوئی وزن نہیں دیتا اور اس کے نزدیک ان میں سے کسی کو بھی انسان کی تائیخ میں کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں تائیخ کی تمام جنگیں بناؤں

و انقلابات محض ایک انتظام تھا، جو چھوٹا اور خالی پیٹ ایک بڑے اور بھرے ہوئے پیٹ سے لینا چاہتا تھا، وہ محض ایک جدوجہد تھی، جو اقتصادی نظام کی تشکیل جدید اقتصادی پیداوار کے طریقوں کی تنظیم جدید کے سلسلے میں پیش آئی، اور اس بنا پر نتیجہ کا نا غلط نہ ہو گا کہ مذہبی جنگیں بھی اس کے نزدیک اقتصادی طبقات کی باہمی کشمکش کا نتیجہ تھیں ایک جماعت دولت کے ذرائع اور پیداوار کے طریقوں پر قابض ہو گئی تھی، اور دوسری اس میں شرکت کرنا اور اپنا واجب حصہ لینا چاہتی تھی یا ان کی از سر نو تشکیل و تنظیم کرنا چاہتی تھی پہلی جماعت کے مدافعت کرنے پر وہ جنگیں شورش اور انقلابات آتے ہوئے جن کو تاریخ مختلف ناموں سے یاد کرتی ہے، یہ ایک طرف فلسفہ کی مذہبی جہاد کسی دینی اصلاح، کسی روحانی جدوجہد کو اس کلیہ سے مستثنیٰ کرنے کے لئے تیار نہیں، یہ ہے مغرب کا مادی تصوف اور یورپ کا اقتصادی فلسفہ وحدۃ الوجود۔

### یورپ کا نعرہ "لا موجود الا البطن والمعدہ"

چونکہ مشرقیوں پر روحانیت اور خدا شناسی اور خدا طلبی کا غلبہ تھا، اس لئے اس سلسلے میں جن لوگوں پر استغراق طاری ہوا اور مغلوب بحال ہوئے انھوں نے اللہ کے سوا ہر شے کے وجود کی نفی کی اور غلبہ حال میں لا موجود الا اللہ کا نعرہ بلند کیا یورپ کے مفکرین پر چونکہ مادیت کا غلبہ تھا، اور اس میں ان کو درجہ استغراق و فنا حاصل تھا، اس لئے اپنے غلبہ حال میں انھوں نے اقتصادی پہلو کے علاوہ ہر چیز کی نفی کی اور لا موجود الا البطن والمعدہ کی آواز بلند کی، مشرق کے صوفی انسان کو سایہ ربانی سمجھتے تھے اور بعض مغلوب بحال انا الحق، پکاراٹھتے تھے، مغرب کے مادہ (یا معدہ) پرست انسان کو صرف ایک وجود حیوانی سمجھتے ہیں اور آج ہر طرف سے انا حق کی صدائیں آ رہی ہیں۔



## ڈارون کے نظریہ ارتقا کا اثر

یہ محض خیال آرائی نہیں ہے، انیسویں صدی عیسوی سے یورپ میں ایسے نظریات اور علمی تحقیقات پیش آئے جن سے انسان اور اس کے مسائل زندگی کے متعلق حیوانی نقطہ نگاہ کی تائید اور تقویت ہوئی ڈارون نے ۱۸۵۹ء میں اپنی کتاب اصل الانواع (ORIGIN OF SPECIES) میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ انسان دراصل ایک ترقی یافتہ جانور ہے جو اپنے ہزاروں سال کے نوعی سفر میں منزل بمنزل درجہ بدرجہ AMOEBA سے بند اور بندر سے انسانی شکل کو پہنچا۔ اس کتاب نے سارے یورپ کو اپنی طرف متوجہ کر لیا اور وقت کا سب سے بڑا موضوع بحث اور موضوع سخن بن گیا، اس نظریہ ارتقا نے انسانی مسائل پر غور کرنے کا رخ بدل دیا، اور حیوانات کی تاریخ نشأ و ارتقا اور ان کے عادات و اطوار و خصائص سے خاص دلچسپی پیدا کر دی، اس نظریہ نے یہ اعتقاد پیدا کر دیا کہ کائنات بغیر کسی غیر طبیعی طاقت کی مداخلت کے چل رہی ہے اور طبیعی قوانین کے علاوہ اس کی کوئی علت نہیں۔

مبادی اور نتائج اور ذہنی و اخلاقی، اور عملی اثرات میں یہ نظریہ دین سے متناقض رکھتا ہے، بلکہ یہ ایک مستقل دین ہے، جو کسی اور دین کے لئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑتا، اہل مذہب کی مخالفت اور ان کے خطرات اس بارہ میں حق بجانب تھے، پروفیسر جوڈ لکھتا ہے :-

”اس پریشانی اور استعجاب کا اندازہ لگانا ہمارے لئے اس وقت مشکل ہے جو ہمارے

اسلام کو ڈارون کی کتاب کے شائع ہونے پر پیش آیا، ان شہادتوں سے جن پر اس کے

نتائج تحقیق مبنی تھے ڈارون نے ثابت کیا (یا خیال کیا جاتا ہے کہ ثابت کیا) کہ گرد اوجن

پر زندگی کا ارتقا اسوا (AMOEBA اور جیلی فش (JELLYFISH) کے ابتدائی ٹھورے

اس کی انتہائی شکلوں تک مسلسل رہا ہے، ہم زندگی کے ترقی یافتہ ترین اور آخری کل ہیں۔  
 اس کے عکس و کسور یہ کے زمانہ کے لوگوں کو بتایا گیا تھا کہ انسان بجائے خود ایک خاص  
 مخلوق ہے اور اس نے تحقیقت فرشتہ کے درجہ سے تنزل کیا ہے لیکن دارون کے نزدیک انسان  
 ایک ترقی یافتہ بندہ ہے اس زمانہ کے لوگوں کو یہ بڑا شاق گزر رہا کہ انسان ایک وال پذیر  
 فرشتہ کے بجائے ایک ترقی یافتہ بندہ ثابت ہوا ان کو نظریہ بالکل پس مندی آیا اور انھوں نے  
 انسان کو اس مخصوص نجات دینے اور اس عمار کو دور کرنے کی مختلف کوششیں کیں۔

علیٰ تحقیقی طور پر مختلف نقائص اور خلا موجود ہونے کے باوجود عوام اور لوگوں کی اکثریت نے  
 سمجھے اور بے سمجھے، اس نظریہ کو قبول کر لیا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ذہن پہلے سے اس کے لئے  
 تیار تھے، لوگوں کو اس میں ایک خوبی یہ بھی نظر آئی کہ وہ مذہب اور اہل مذہب کا حریف تھا،  
 اہل مذہب کے لئے خیالات اور ذوق کے اس بہتے ہوئے دھارے اور رسائل و مطبوعات کے  
 اس سیلاب کا مقابلہ ناممکن ہو گیا اور بالآخر کلیسا نے اس جنگ میں ہتھیار ڈال دیئے۔

خیالات تہذیب ادب ریاست غرض زندگی کے تمام شعبوں میں اس نظریہ نے بڑا گہرا  
 اور وسیع اثر ڈالا عہد فطرت کی طرف بازگشت کا خیال عربانی کا ذوق اور بہتکے اعمال اخلاق  
 اسی خیال کا نتیجہ ہیں کہ انسان دراصل ایک ترقی یافتہ بندہ ہے اسی ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ  
 بقول مسٹر شپرڈ انگلستان میں ایک نئی نسل پیدا ہو رہی ہے جو انسانوں کی خانگی زندگی کے  
 مفہوم ہی سے نا آشنا ہے، وہ صرف حیوانات کے گلہ کی زندگی ہی سے واقف ہے۔

## وطنیت و قومیت کا نشو و نما

اوپر گزر چکا ہے کہ وطنیت و قومیت کا جذبہ قومی فخر اور جزائیائی تقسیم کا زیادہ کام

مغربی فطرت کا خاصہ ہے جو مغربی نسل میں برابر منتقل ہوتا رہا ہے سمجھتے ہیں کہ یورپ میں پہنچی تو اگرچہ وہ اپنی اصل شکل میں نہ تھی اور اس میں کمزوری پیدا ہو چکی تھی لیکن اس میں بہر حال حضرت مسیح کی تعلیمات کا اثر اور آسمانی مذاہب کی خصوصیات تھیں، مذہب خواہ کتنا بگڑ جائے نسل و وطن کی بنیاد انسانوں کے درمیان تفریق کا قائل نہیں ہو سکتا، اس لئے اس نے یورپ کی منتشر قوموں کو رومی کلیسا کے ماتحت دین کے جھنڈے کے نیچے جمع کر دیا اور عیسوی دنیا کو ایک خانہ دار بنا دیا۔ تاریخ اخلاقیات کے مصنف کے بقول حب وطن اور قومی عصبیت عام خلائی دوتی میں متقل ہو گئی اور اس قومی تبدیلی کا اندازہ مسیحی علماء کے اقوال سے ہوتا ہے مثلاً ٹوٹلین کہتا ہے کہ ہم ایک جمہوریت کو جانتے ہیں اور وہ عالم ہے اور یمن کہتا ہے کہ ہمارا ایک وطن ہے جس کی بنا لفظ خدا سے پڑی ہے۔

لیکن جب لو تھر (MARTIN LUTHER) (۱۴۸۳ء تا ۱۵۲۶ء) نے اپنی مشہور دینی اصلاحی تحریک کا علم بلند کیا اور رومی کلیسا کی مخالفت میں جرمن قوم سے مدد لی اور بالآخر رومی کلیسا کو اس مقابلہ میں شکست ہوئی، تو قومیں جس بار میں گندھی ہوئی تھیں اس کی لڑی ٹوٹ گئی اور وہ منتشر و متفرق ہو گئیں، وہ روز بروز اندرونی طور پر خود مختار ہوئی گئیں، یورپ میں مسیحیت کے زوال کے ساتھ ساتھ قومیت و وطنیت کا عروج ہوتا گیا، گو یا کہ دین و مذہب اور قومیت و وطنیت ترازو کے دو پیرے تھے کہ جس قدر ایک نیچا ہوتا تھا، اسی قدر دوسرا اونچا ہوتا تھا اور یہ معلوم ہی ہے کہ دین کا پلر الٹا ہی ہوتا چلا گیا، اس لئے اس کے حریف یعنی قومیت و وطنیت کا پلر ابھاری ہوتا گیا، مشہور انگریز فاضل لارڈ لو تھر (LORD LOTHIAN) نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا:۔

”جب لو تھر کی تحریک نے (جس کو دینی اصلاح کی تحریک کہا جاتا ہے) یورپ کی

ثقافتی (کچھل) اور دینی وحدت کا خاتمہ کر دیا تو بڑا عظیم مختلف قومی حکومتوں میں قسم  
ہو گیا جن کے جھگڑے اور مقابلے دنیا کے امن کے لئے ایک اٹمی اور متفعل خطرہ بن گئے۔  
دینی انحطاط اور دینی اصول و اخلاق کے زوال کی وجہ سے قومیت اور وطنیت کے  
طرز خیال کو جو فروغ ہوا اس کی طرف بھی فاضل موصوف نے متوجہ کیا ہے۔

”دین جو انسان کا ضروری رہنما، اخلاقی مقصد کے حصول اور انسانی زندگی کی  
عزت اور عنایت کا واحد ذریعہ ہے اس کے اقتدار کے زوال کا نتیجہ ہوا کہ مغربی  
دنیا ایسے سیاسی مذاہب و خیالات کی گرویدہ ہو گئی جن کی بنیاد نسل اور طبقات کے اختلاف  
پر ہے علوم طبعی کے اثر سے اس نے تسلیم کر لیا کہ مادی ترقی ہی اعلیٰ مقصد ہے  
اس وجہ سے زندگی کی مشکلات اور اس کی کھینچ بڑھتی جا رہی ہیں اس کا نتیجہ  
یہ بھی ہوا کہ یورپ کے لئے اپنی روح اور زندگی کے درمیان ایسی تطبیق دینا مشکل ہو گیا  
جو اس کو اس عصر کی سب سے بڑی مصیبت قومیت سے نجات دے سکے۔“

## مغرب کا تکبر اور مشرق کے خلاف تعصب

مذہبی نظام کی شکست اور جذبہ قومیت کے فروغ کا پہلا اثر تو یہ ہوا کہ پورا یورپ پورے  
مشرق کے مقابلے میں ایک حریف کیپ بن گیا اس نے مغرب مشرق آفریقہ اور دوسری نسلوں کے  
درمیان ایک خط فاصل کھینچ لیا اور یہ طے کر لیا کہ اس خط کے اندر جتنی قومیں تہذیبیں اور علم  
و ادب واقع ہیں ان کو دنیا کی تمام قوموں، تہذیبوں اور علم و ادب پر برتری اور فوقیت حاصل ہے  
ان کو حکومت کرنا، باقی رہنا اور بچونا پھلنا چاہئے اس کے علاوہ جو کچھ ہے اس کو مغلوب و محکوم  
رہنا چاہئے اور زندگی و ترقی کا کوئی حق نہیں، بعینہ یہی طرز خیال اپنے زمانے میں یونانیوں اور

رومیوں کا تھا، وہ دنیا میں صرف اپنے کو ہند شمار کرتے تھے اور باہر کی ہر چیز کو خسر صا جو چیز بحر اٹلانٹک کے مشرق میں واقع ہو بربری کے نام سے پکارتے تھے۔

## قومیت کی حد بندیاں

یورپ کی قوموں اور سلطنتوں نے اپنے کو ایک مستقل دنیا فرض کر لیا ہے قدرت نے پہاڑوں اور دریاؤں کے طبعی حدود قائم کر دیئے ہیں اور خود انھوں نے اپنے گرد سیاسی مقصد اور انتظام کے جو چھوٹے چھوٹے دائرے کھینچ لئے ہیں ان کے نزدیک ان کے باہر دنیا اور انسان کا وجود نہیں پایا جاتا ان کو ان گھروندوں کے باہر کسی چیز کا احترام اور قدر نہیں انھوں نے خود اپنے کو ایک مستقل معبود بنا لیا ہے اور عبادت و تقدیس کا جتنا تعلق عبد و معبود کے درمیان ہونا چاہئے انھوں نے اس خود ساختہ معبود کے ساتھ قائم کر لیا، اسی کے لئے ان کی قربانیاں ہیں اسی کے راستے میں جنگ ہے اسی کی خاطر جینا اور مرنے اس پر چڑھاوے کے لئے بے تکلف صد ہا انسانوں کا خون بہایا جاتا ہے اس دین قومیت کا عقیدہ اولین یہ ہے کہ قوم ہر چیز پر مقدم اور ہر چیز سے بالا و برتر ہے اس قوم سے افضل زیادہ شریف زیادہ ذکی زیادہ طاقتور حکومت و بادشاہت، قوموں کی نگرانی و نالیقی اور دنیا کی حفاظت کی اہل سطح زمین پر کوئی دوسری قوم نہیں پائی جاتی اس کے دریاؤں کا پانی امرت اس کی ٹٹی سونا، اور اس کے کانٹے پھول ہیں یہ دین قومیت کسی انسان کو کسی ملک میں رہنے کی اس وقت تک اجازت نہیں دیتا جب تک وہ اس پر ایمان نہ لائے۔

قوم پرستی کا تخم ایک ہی طرح کے برگ بار لاتا ہے یہ ممکن نہیں کہ کوئی قوم قوم پرستی پر ایمان رکھتی ہو اور دست درازی نہ کرتی ہو یا نہ کرنا چاہتی ہو، اپنے سوا دوسروں کی تحقیر و تنقیص سے پاک ہو جیسے کہ یہ ممکن نہیں کہ انسان شریکے جام پر جام چڑھاوے اور نہ وہ بیکہ نہ اُسے نشہ آئے۔

درمیان قعود یا تختہ بندم کردہ

بازی گوئی کہ دامن ترکن ہیشا رباش

خصوصاً جب کہ علم، ادب، شعر، فلسفہ، تاریخ، یہاں تک کہ علوم طبعیہ اس نشہ قومیت کو اور تیز اور اس شراب کو دو آتشہ بناتے رہتے ہیں اور ہر طرح سے قوم پرستی غور و غفلت اور اپنے ماضی پر فخر و تکبر کی پرورش ہوتی رہتی ہے اور کسی قسم کی اخلاقی اور مذہبی رکاوٹ نہیں ہوتی اور سنہائے گما ان لوگوں کے ہاتھوں میں ہوتی ہے جو قومی شوکت و عظمت کے سوا کوئی مقصد نہیں رکھتے۔

## قوم پرستی کے عناصر نفرت اور خوف

نفرت اور خوف قوم پرستانہ زندگی کے ضروری عناصر ہیں جن کے بغیر اس میں جان نہیں آتی، قوم پرستی کا جوش اس وقت تک پیدا نہیں ہوتا اور اگر پیدا ہو جائے تو باقی نہیں رہتا جب تک کہ قوم کے لئے کوئی چیز نفرت کرنے کے لئے اور کچھ ڈرنے کے لئے نہ ہو چنانچہ قومی رہنما، نفرت اور خوف کے ذریعہ سے اس کے جذبات براہِ گیمختہ کرتے رہتے ہیں اور اس کی اس کھنی رگ کو دبا کر اس میں ہیجان و اشتعال اور جوش و خروش پیدا کر دیتے ہیں وہ نفرت اور خوف کی آگ بجھنے نہیں دیتے بلکہ رال کا پہاڑ بنا کر چھوٹے چھوٹے اختلافات کو بڑھا کر اور کسی نہ کسی حقیقی یا فرضی حریف کو سامنے لا کر قوم کے جذبہ نفرت و خوف کو زہر اور شکر کہنے ہیں اور اسی میں اپنی حکومت یا قیادت کی زندگی اور اپنی بقا سمجھتے ہیں پروفیسر بوڈنے اس کی جو فلسفیانہ اور نفسیاتی تحلیل و توجیہ کی ہے۔ وہ حسبِ ذیل ہے:-

”وہ مشترک جذبات جن کو آسانی سے براہِ گیمختہ کیا جاسکتا ہے اور جو جمہور کی بڑی بڑی جماعتوں کو حرکت میں لاسکتے ہیں وہ رحم، فیاضی اور محبت کے جذبات نہیں بلکہ نفرت اور خوف کے جذبات ہیں جو لوگ کسی قوم پرستی مقصد کے لئے حکمرانی کرنا چاہتے ہیں،

وہ اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکے جب تک اس کے لئے کوئی ایسی چیز تلاش نہ کر لی جس سے وہ نفرت کرے، اور اس کے لئے کوئی ایسی شخصیت یا قوم نہ پیدا کر لی جس سے وہ ڈرے، میں ہی اگر قوموں کو متحد کرنا چاہوں تو مجھے چاہئے کہ میں ان کے لئے کسی اور سیارہ پر کوئی دشمن ایجاد کروں مثلاً چاند جس سے یہ سب قومیں ڈر رہیں اس بنا پر قطعاً حسرت کی بات نہیں کہ اس زمانہ کی قومی حکومتیں اپنی ہمسایہ قوموں کے ساتھ مل کر نے نفرت اور خوف ہی کے جذبات کے زیر اثر ہیں انھیں جذبات پرانے سلطنتوں پر حکمرانی کرنے والوں کی زندگی موقوف ہے اور انھیں جذبات پر قومی اتحاد کی بنیاد ملے۔

واقعہ یہ ہے کہ خالص قوم پرستانہ ذہن اور اس کا طریقہ کار (TECHNIQUE) یہی ہے کہ نفرت اور خوف کو قائم رکھا جائے انھیں دو جذبات پر گزشتہ موجودہ قوم پرست حکومتوں کی بنیاد رہی ہے اور انھیں دونوں جذبات نے اُن بڑی بڑی جنگوں کو پیدا کیا ہے جن کی داستان تاریخ میں نظر آتی ہے اور جن کے آثار دنیا میں ابھی موجود ہیں اسلام اس قوم پرستی کو جو اپنی قوم کی جاوید پاسباری اور دوسروں سے نفرت اور خوف کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی اور جس سے اصل صداقت کا سوال نہیں، "عصبیت" اور "حیثیت جاہلیت" قرار دیتا ہے اور ہر ایسی امداد و حمایت و جوش و حیثیت اور جنگِ جہال کو حرام قرار دیتا ہے جس کی بنیاد محض قوی یا جماعتی عصبیت پر ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف ارشاد فرمایا:۔

لَیْسَ مِنْ اَمْرِ دَعَا اِلٰی عَصَبِیَّةٍ  
وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو کسی جتھہ بندی  
وَلَیْسَ مِنْ اَمْرِ قَاتِلٍ اِلٰی عَصَبِیَّةٍ  
کی دعوت دے، وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے  
وَلَیْسَ مِنْ اَمْرِ مَاتٍ اِلٰی عَصَبِیَّةٍ  
جو کسی جتھہ بندی اور پاسباری کے لئے

جنگ کرے وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے  
جو جتھ بندی کی حالت میں مرے۔

جو شخص اس قوم پرستی اور جاہلی عصبیت کی جنگ میں مارا جائے اس کی موت 'جاہلی'  
(غیر اسلامی) قرار دی گئی ہے اور ایک حدیث میں اس کو امت سے خارج بتلایا گیا ہے۔

من قاتل تحت راية عمية      جو شخص کسی اندھا دھند جھنڈے کے  
يغضب بعصبية اوبد عدا الى      نیچے کسی جتھ بندی کے جوش حمایت میں یا کسی  
عصبية او ينصر عصبية فقتل      جتھ بندی کی دعوت میں یا کسی جتھ بندی  
فقتلته جاهلية<sup>۱</sup>      کی انداز میں جنگ کرے گا اور مارا جائے گا تو

اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔

ومن قتل تحت راية عمية      جو کسی اندھا دھند جھنڈے کے نیچے کسی  
يغضب للعصبية ويقاى      پاسداری کے جوش میں یا پاسداری کی جنگ میں  
للعصبية فليس من امتي<sup>۲</sup>      مارا جائے گا تو وہ میری امت میں سے نہیں ہے۔

اسلام نے عالم انسانی کو دو ہی حصوں میں تقسیم کیا ہے خدا کے پیڑ اور حق کے حامی شیطان کے  
پیروں اور باطل کے حامی اس نے صرف شیطان کے پیروں یا باطل کے حامیوں زمین میں فساد  
کرنے والوں اور ظلم و سرکشی اور فسق و فجور پھیلانے والوں سے نفرت رکھنے اور ان کے خلاف  
جنگ کرنے کا حکم دیا ہے خواہ وہ کسی نسل اور وطن سے تعلق رکھتے ہوں نفرت اور جنگ کے لئے  
اس کے یہاں تقسیم قومی و نسلی بنیادوں اور ملکوں اور شہروں کے حدود پر نہیں ہے بلکہ اصول عقائد  
و اعمال اور خدا سے وفاداری اور نفاق اور انسانیت کے لئے نفع و ضرر کی بنیاد پر ہے۔

۱۔ مسلم و نسائی ۲۔ مسلم



## قومی عظمت و تکبر

قوم پرستوں کا قاعدہ ہے کہ وہ چھوٹی چھوٹی کمزور قوموں میں بھی قوم پرستی کی تبلیغ کرتے رہتے ہیں اس کے ادب زبان اور تہذیب کے حق میں قصیدہ خوانی اور اس کے عہد ماضی کی عظمت و شوکت میںبالغہ آرائی کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ قومیں قوم پرستی کے جذبات سے مغلوب اور نشہ قومیت سے سرشار ہو جاتی ہیں ان میں اپنے اور غلط اعتماد اور فخر و تکبر پیدا ہو جاتا ہے اور وہ بیرونی دنیا سے قطع تعلق کر کے قومیت کے چھوٹے چھوٹے دائروں میں محدود و محصور ہو جاتی ہیں ان کو کسی بین الاقوامی طاقت کسی عالمگیر رشتہ کی پروا نہیں ہوتی اور وہ اپنے وسائل اور طاقت پر پورا اعتماد کرتی ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ چند گھنٹوں میں کسی بڑی طاقت کا لقمہ بن جاتی ہیں اور دنیا دور سے اس کا تماشہ دیکھتی رہتی ہے اور سوائے زبانی ہمدردی کے ان کو وقت پر کوئی مدد نہیں ملتی، قومیت کے حصار کو قائم کر کے اور اپنے کو دنیا سے سجدہ اور متنازع قرار دے کر وہ گویا بڑی طاقتوں کو ننگار کی دعوت دیتی ہیں، وسطیورپ کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا اس جنگ میں جو کچھ انجام ہوا وہ دنیا کو معلوم ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ وہ اسلامی ممالک جو عالمگیر دعوت و تحریک رکھتے ہیں اور جن کے پاس ایسی طاقت ہے جو (اگر ان میں اس سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت ہو) یورپ کے قومی و وطنی اور سیاسی فلسفوں اور دعوتوں سے زیادہ طاقتور وسیع اور عمومی دعوت و تحریک ہے ان کا رجحان بھی محدود قومیتوں کی طرف ہے حالانکہ وہ اپنے وسائل سامان جنگ اور تعداد کے لحاظ سے یورپ کی ریاستوں سے کچھ زیادہ بہتر حالت میں نہیں ہیں اس لئے یہ توقع کرنا خوش فہمی سے خالی نہ ہوگا کہ وہ اپنے ان محدود وسائل اور قومیت و وطنیت کے حدود کے اندر کسی خطرہ کا زیادہ دنوں تک مقابلہ

## قوم پرست حکومتوں کا معیارِ عزت و عظمت

قوم پرست حکومتوں کا معیارِ عزت و عظمت یہ ہے کہ زمین کے بڑے بڑے رقبہ پر ان کا تسلط و اقتدار ہو، ملک کے حدود وسیع اور ذرائع آمدنی وافر ہوں، اپنی مرضی کو دوسروں پر مسلط کرنے اور ہماری قوموں یا حریف سلطنتوں کو خوف زدہ کرنے کا ان کے پاس پورا سامان ہو، ملک کے افراد میں قومی برتری، نسلی تفوق، اپنی قدیم تہذیب اور ادب و زبان اور تاریخ ماضی پر فخر و مباہلات کا جذبہ پایا جاتا ہو اور دوسری معاصر قوموں کی کمزوری اور تہذیبی و ادبی بے مائیگی پر ایمان راسخ ہو، وہ ملک سلطنت کی عزت و عظمت کی خاطر بڑے بڑے مجرمانہ و وحشیانہ اعمال کا بے تکلف ارتکاب کر سکتے ہوں اور اپنی قوم اور اس کے افراد کو حقیر سے حقیر فائدہ پہنچانے کے لئے بڑی سے بڑی حق تلفی اور نا انصافی میں ان کو باک نہ ہو ایسی حکومت کا اخلاقی معیار خواہ کتنا پست ہو اس کے شہری، اخلاقی شعور، انسانیت کے احترام اصول کی پابندی سے خواہ کتنے ہی بیگانہ ہوں اور وہ حکومت اور اس کے زمرہ دار اخلاقی حدود و قیود سے کتنے ہی آزاد ہوں وہ حکومت عزت و عظمت کے بلند معیار پر فائز اور دنیا کی ایک خاص قابل احترام اور لائق تقدیس حکومت ہے، پروفیسر جوڈ نے صحیح لکھا ہے کہ:-

”قومی عظمت کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ قوم کے پاس ایسی طاقت ہو جس سے

وہ بوقت ضرورت اپنی خواہش و ارادہ کو دوسروں پر مسلط کر سکے یہ قومی عظمت ان

قوموں کے نزدیک آئینہ دل کا درجہ ہوتی ہے اس کی نامتقلوبیت اسی سے ظاہر ہے کہ میرا

اخلاقی صفات کے بالکل ضد ہے اگر کوئی ملک ایسا ہے جو صرف سچ ہی بولتا ہے،

وعدے و فاکرتا ہے اور کمزوروں کے ساتھ انسانیت کا سلوک کرتا ہے تو ان قوموں کے نزدیک اس کی عزت کی سطح پست ہے، مہر بلڈون کے بقول عزت نام ہے اس قوت کا جس سے قوم خاص شرف و اعتبار کی مالک ہو اور نگاہوں کو اپنی طرف متوجہ کرے اور ظاہر ہے کہ ایسی قوت جس سے قوم کو ایسا اعزاز و امتیاز حاصل ہو موقوف ہے آتش فشاں گولوں اور بموں پر ان نوجوانوں کی وفاداری اور وطن دوستی چہن کا شہرہ پران گولوں اور بموں کو پھینکنا محبوب مشغلہ ہے پس جس عزت کے لئے کسی قوم کی تعریف کی جاتی ہے وہ ان صفات و اخلاق کے بالکل ضد واقع ہوئی ہے جن کی بنیاد پر فرد کی تعریف کی جاتی ہے میرے نزدیک تو قوم کو اسی قدر وحشی اور غیر مہذب سمجھنا چاہئے جس قدر وہ ایسی عزت کی مالک ہو، فریب ہی دغا بازی اور ظلم سے عزت حاصل کرنا کسی انسان اور قوم کے لئے قطعا باعث عزت نہیں ہے۔

## ہدایت یا تجارت

لادینی حکومتیں دراصل ایک ترقی یافتہ منظم اور محفوظ تجارتی ادارے ہیں، یہ حکومتیں دنیا کا و اصولی طور پر نفع پہونچانے کے لئے نہیں بلکہ نفع اٹھانے کے لئے قائم ہوتی ہیں، وہ سرے سے کوئی اخلاقی پیغام اور اصلاحی مقصد نہیں رکھتیں، نہ ان کے پیش نظر ملک یا قوم کی اخلاقی و روحانی ترقی انسانوں کی ہدایت اور انسانیت کی حقیقی خدمت و بہبود ہوتی ہے، قدرتی طور پر ان کی اصل توجہ آمدنی کے ابواب، نفع اٹھانے کی تدابیر اور سرکاری محاصل و مطالبات کی طرف ہوتی ہے، اس غرض کے لئے وہ بے تکلف اخلاق و شرافت کے اصول کو نظر انداز کر دیتی اور

اخلاقی تعلیمات و مصالح کو پس پشت ڈال دیتی ہیں، جہاں کہیں اخلاقیات و ایات کا تصادم ہوتا ہے وہاں وہ ہمیشہ ایات کو ترجیح دیتی ہیں ہر مسئلہ میں ان کا نقطہ نظر معاشی و اقتصادی ہوتا ہے اس طرز کی حکومتیں بد اخلاقی و بے حیائی کی بہت سی قسموں کو کچھ قانونی قیود کے ساتھ (جو حلال کا سد باب نہیں کرتی بلکہ ان کو معرفت نظم و ضابطہ میں لے آتے ہیں) جائز قرار دیتی ہیں، عصمت فروشی کا پیشہ ان کی حکومت میں قانوناً جائز ہوتا ہے، وہ خود سیخ پیانہ پر اور نظم طریقہ پر سودی کاروبار کرتی ہیں، مہذب ناموں سے جوئے کی اجازت ہوتی ہے، ناموں کی تبدیلی اور بعض ایسے قیود کے ساتھ جو حکومت کے مفاد کو محفوظ رکھتے ہیں، بہت سے اخلاقی جرائم جائز ہوتے ہیں شراب کی نہ صرف اجازت ہوتی ہے بلکہ حکومت بعض اوقات اس کی تجارت اپنے ہاتھ میں رکھتی ہے، اور اس کے خلاف جدوجہد کرنے والے کو سزا دیتی ہے، سینما اور فلم سازی کی صنعت جو اپنی موجودہ روح اور شکل میں اُمّ الجرائم اور قوم میں بد اخلاقی کا رجحان اور شہوانی میلان پیدا کرنے کی سب سے بڑھ کر ذمہ دار ہے، حکومت کی آمدنی کا بہت بڑا ذریعہ سمجھی جاتی ہے، اور اس کے اخلاقی نقصانات کو جلتے اور دیکھتے ہوئے بھی حکومت اس کو روک نہیں سکتی، ریڈیو کا سرکاری محکمہ قوم کی اخلاقی رہنمائی اور تربیت کے بجائے داروغہٴ ارباب نشاۃ کی خدمت انجام دیتا ہے اور قوم میں بخجیدگی اور صحیح ذوق پیدا کرنے کے بجائے اس کے فاسد ذوق اور سطحی رجحانات کا ساتھ دیتا ہے بلکہ اپنے پروگرام سے تفریحی رجحان پیدا کرتا ہے، تعلیم و تربیت کا ذریعہ بننے کے بجائے آئہ تفریح بن کر رہ جاتا ہے، قانون مطالب اور حکومت کا محکمہ احتساب جہاں سیاسیات و انتظامیات میں نہایت ذکی افسر خوردین اور سخت گیر ہوتا ہے، اور کسی ادنیٰ تنقید کو بھی بعض اوقات گوارا نہیں کرتا، وہاں اخلاقیات کے بارے میں نہایت فراخ دل، فیاض اور بے نیاز واقع ہوتا ہے، غیر ذمہ دار اخبار نویس اور فحش نگار ادیب اور افسانہ نگار اپنے حقیر مادی فوائد کے لئے قوم میں اخلاقی طاعون

پھیلاتے ہیں لیکن جب تک پانی سر سے نہ گزر جائے حکومت کی مشین متحرک نہیں ہوتی، اس طرز حکومت میں اخلاق کے ساتھ قوم کی صحت بھی محفوظ نہیں رہتی، بعض تجارتی ادارے اپنے مضر صحت مصنوعات کی اہل ملک کی صحت کو مسلسل نقصان پہنچاتے رہتے ہیں اور لوگوں کو کمزور بیمار بناتے رہتے ہیں لیکن حکام کو رشوت دے کر یا حکومتی و قومی اداروں کو گرفتار مالی امداد پہنچا کر حکومت کے عتاب استیسا سے بچتے رہتے ہیں یہ سیاست لے ہوتا ہے کہ حکومت کا نقطہ نظر اور اس کا فکری محرک اصول و اخلاق، ہدایت و اصلاح نہیں بلکہ مانی منفعت اور ظاہری خوشحالی ہے۔

اس طرز سیاست کا لازمی نتیجہ ہے کہ اہل ملک کے اخلاق روز بروز پست ہوتے چلے جائیں اور ایک خطرناک اخلاقی انحطاط اور اخلاقی امراض رونما ہوں اور پوری قوم میں اور اس کے ہر طبقہ میں تاجرانہ ذہنیت اور نفع اندوزی اور موقع پرستی کی ذہنیت پیدا ہو جائے اور ایک عام لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہو، ہر شخص دوسرے کو زیادہ سے زیادہ لوٹنے کی کوشش کرے اور اصول و اخلاق کا مسئلہ بالکل نگاہوں سے اوجھل ہو جائے۔ اس کے برخلاف جو حکومتیں منہاج نبوت پر قائم ہوتی ہیں ان کی بنیاد تجارت لے بجائے ہدایت پر ہوتی ہے، خلیفہ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے ایک عامل سے جس نے ان کے طرز حکومت کی وجہ سے آمدنی کی تخفیف اور حکومت کے مالی نقصان کی شکایت کی تھی، فرمایا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے تحصیل دار اور محض بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے، اس ایک مختصر سے جملہ میں دینی حکومت کا پورا اصول سیاست اور طرز حکمرانی آگیا۔ دینی حکومت کی بڑی توجہ جمہور کے مذہب و اخلاق اور ان کے اخروی نفع و ضرر کی طرف ہوتی ہے، اس کا اصل کام خراج اور محاصل کی تحصیل وصول اور آمدنی کا اخذ

نہیں ہے، یہ سب چیزیں بالکل ضمنی اور ثانوی ہیں اور محض اصلاحی و دینی مقاصد تکمیل اور انتظام حکومت کے آراء کار کے طور پر ہیں، وہ تمام سیاسی و مالی امور میں دینی نقطہ نظر سے غور کرتی ہے، دینی اور اخلاقی اصول و مبادی کو مادی فوائد و مصالح پر مقدم رکھتی ہے اس کے حدود حکومت میں سود، جوا، شراب، زنا، فحش و فحور بے حیائی کی قیمن اور اس کے تمام محرکات و ترغیبات اور ایسے مالی معاملات جن سے انفرادی نفع اور اجتماعی مضرت، ممنوع اور خلاف قانون ہوتے ہیں، اگرچہ اس کی وجہ عظیم الشان مالی خسارہ برداشت کرنا پڑے اور حکومت کو وسیع آمدنی سے محروم ہونا پڑے، وہ مختلف قسم کی اصلاحات نافذ کرتی ہے، اس کو صرف قوم کے افعال و اعمال ہی سے تعلق نہیں ہوتا بلکہ اس کے رجحانات اور ذہنیت پر بھی اس کی نگاہ ہوتی ہے، اس لئے کہ اخلاقی رجحانات ہی افعال و اعمال کو جوڈ میں لاتے ہیں، اگر اخلاقی رجحان درست نہ ہو تو اعمال و افعال کی اصلاح اور جراثیم اور بد اخلاقیوں کا سد باب کسی طرح ممکن نہیں، اس لئے وہ ان تمام چیزوں پر پابندی عائد کرتی ہے جو قوم میں بد اخلاقی قانون شکنی اور فساد پرستی اور عشرت پسندی کا رجحان پیدا کرتی ہیں اور ان تمام اشخاص کو مجرم اور ملک کا دشمن گردانتی ہے جو لوگوں میں بے حیائی اور مصیبت پسندی پیدا کرتے ہیں، خواہ وہ اہل فن ہو یا تاجریا اہل حرفہ، اس کو قیام امن و انتظام سلطنت کے ساتھ ساتھ اخلاقی نگرانی اور تہذیب نفس کا بھی پورا پورا اہتمام ہوتا ہے، اس لئے کہ اس کی حیثیت صرف پولیس اور چوکیدار کی نہیں ہوتی بلکہ ایک شفیق مٹری اور تالین کی بھی ہوتی ہے۔

اس نوع کی حکومت کا طبعی نتیجہ وہی ہے جو قرآن مجید میں مہاجرین اولین کے تذکرہ میں ایک پیشین گوئی کے طور پر ذکر کیا گیا ہے:-

اَلَّذِيْنَ اَنْتَ مَكْتُبُهُ فِى الْاَنْصٰبِ (مظلوم) مسلمان وہ ہیں کہ اگر گم رہے

أَقَامُوا السَّلَاطَةَ وَالزَّكَاةَ  
 قَامُوا بِمَا مَعْرُوفٌ وَنَهَوْا  
 عَنِ الْمُنْكَرِ وَبَلَّغُوا عَاقِبَةَ الْأُمُورِ  
 زمین پر انھیں صاحبِ قدر قرار دیا یعنی  
 ان کا حکم چلے لگا تو وہ نماز کا نظم قائم کریں گے  
 زکوٰۃ کی ادائیگی میں سرگرم ہوں گے، نیکو کار  
 حکم دیں گے اور برائیاں روکیں گے اور تمام  
 باتوں کا انجام کارائش ہی کے ہاتھ ہے۔  
 (الحج - ۴۱)

## تجارت و صنعت کا اخلاق کے ساتھ عدم تعاون

افرائش دولت کے ٹھکانی عہد میں یا لارڈ میکالے کے پُر معنی الفاظ میں کم سے کم وقت  
 میں زیادہ سے زیادہ دولت مند بن جانے کا شوق رکھنے والے لوگوں کے اقتدار میں ایک زبردست  
 تجارتی مقابلہ جاری ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ تفریحی صنعتوں، آرائش کے سامان اور لباس زینت  
 کے انواع و اقسام کا ایک سیلاب ہر روز کارخانوں اور صنعت گاہوں سے شہروں پر اُمنڈاتا ہے  
 بازار نئی تراش خراش کے لباس، نئی نئی قطع کے جوتوں اور جوتیوں سے اور دوسرے سامان آرائش  
 سے جگمگاتے رہتے ہیں پھر فوراً یہ چیزیں پُرانی اور زبردست قرار پا جاتی ہیں اور برائے نام ترسیم کے متاع  
 نبیا سامان ان کی جگہ لینا ہے زینت جس و ترقی کا معیار روزانہ بدلتا ہے اور برابر بڑھ رہا ہے  
 اس میں بڑا دخل کارخانوں کی اس بے ضرورت تفریحی پیداوار اور اس سابقہ وقت و رقابت  
 ہے جو تجارتی مرکزوں اور صنعت گاہوں میں کام کر رہی ہے اور جو لوگوں کے اخلاق و معاشرت  
 نیز قوت خرید سے بالکل بے نیاز ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ زندگی روز بروز گراں، معیار زندگی  
 ہرگز سے ہوئے دن سے بلند زندگی کے مطالبات اور فرضی لوازم زندگی روز افزوں اور  
 ان کی تکمیل کے لئے بڑی سی بڑی آمدنی نا کافی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ قناعت ایک لفظ

بے سنی بنتا جا رہا ہے، سکون و اطمینان قلب خوابِ خیال ہو گیا ہے، ہر شخص اپنے سامنے اپنے سے بلند معیارِ زندگی رکھتا ہے، اور وہاں تک پہنچنا اپنا سب سے بڑا فرض سمجھتا ہے، ماحول بھی اس کی اسی کامطالبہ اور اسی کی توقع کرتا ہے، اور اس کے بغیر اس کو ذلیل سمجھتا ہے، ایک مدت اسی جدوجہد میں گزرتی ہے، جب وہ بام مقصود تک پہنچنے لگتا ہے تو وہ اور بلند ہو جاتا ہے، اور ایک دوسرا بلند معیارِ زندگی سامنے آ جاتا ہے، اس طرح زندگی ایک غیر ختم شدہ جدوجہد اور ایک ایسا ریس کا میدان ہے جس کا سرا اور کوئی انتہا نہیں، اس کا نفسیاتی اثر یہ ہے کہ زندگی میں تلخی اور کوفت بہت بڑھ گئی ہے، اور جو گھر آسانی کے ساتھ جنت کا نمونہ ہو سکتے تھے، اور جن میں زندگی کے فطری حقیقی لوازم سب پائے جاتے ہیں، کسی نہ کسی موہوم اور خیالی چیز کی کمی کی وجہ سے دوزخ کا نمونہ ہیں، جہاں حقیقی عیش اور قلبی سکون غنقا ہے۔

ایک مسلمان عالم نے رومی و ایرانی تمدن کا جو نقشہ کھینچا ہے، اور جو کتاب کے ابتدائی صفحات میں گزر چکا ہے، اس کو سامنے رکھ کر دیکھئے موجودہ تمدن کا نقشہ اس سے ذرا بھی مختلف ہے، اس کا اخلاقی اثر یہ ہے کہ اخلاقی حدود و ضوابط برقرار نہیں رہے، محدود آمدنی میں غیر محدود مطالبات و تقاضوں اور فرمائشوں کی تکمیل رشوت اور غیر قانونی وسائل آمدنی کے بغیر ممکن نہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ رشوت (مختلف ناموں کے ساتھ) مجرمانہ داد و ستد اور مخفی ذرائع آمدنی کا بازار گرم ہے، اور ان سے زندگی میں جو مشکلات اور نظام میں جو ابتری پیدا ہو سکتی ہے، وہ روز بروز روشن کی طرح عیاں ہے۔

نتیجہ عموماً زندگی کے فطری اور حقیقی ضروریات کے تقاضے کا نہیں بلکہ فرضی اور غیر حقیقی ضروریات کے مطالبہ کا ہے، اس کی بندش محض قانونی گرفت اور استیصالِ رشوت کی کوششوں سے ممکن نہیں، اس کا ذمہ دار وہ نظامِ زندگی ہے جو ایک مدت سے اخلاقی ہدایات سے محروم



آخری جزا و سزا کے تصور سے عاری اور وہ نظام تعلیم ہے جو اپنی کسر ماہ پر تازہ ساخت کی وجہ سے اخلاقی حس اور ضمیر بیدار کرنے میں اتنا ہی ناکام ہے جتنا تجارتی یا حیدادی کا پیشہ یا مصوری اور موسیقی کا فن ہو سکتا ہے اس کا ذمہ دار وہ نظام حکومت ہے جو آمدنی اور پیداوار کے وسائل پر ناگورہنا تو اپنا فرض سمجھتا ہے لیکن تجارت و صنعت اور اخلاق کے باہمی تعاون و توافق کو ضروری نہیں سمجھتا۔

## سائنسک ترقی اور عہد جدید کے اکتشافات

عہد حاضر اپنے طبعی تحقیقات اور علمی و صنعتی اکتشافات و اختراعات کے لحاظ سے انسانی تاریخ کا ممتاز ترین عہد ہے اور اپنے اس امتیاز کی وجہ سے بجا طور پر اس کا مستحق ہے کہ اس کو اکتشاف و ایجاد اور برق و فولاد کے عہد کا لقب دیا جائے یورپ کی امت اس باب میں تسلیم ہے اور اس کے محققین و موجدین کی ذہانت اور صفائی قطعاً محل بحث نہیں۔ لیکن ہم کو اس موقع پر ایک مخصوص تنقیدی نقطہ نظر سے صنعتی کامیابیوں اور اکتشافات و ایجادات کا جائزہ لینا ہے اور یہ دیکھنا ہے کہ ان ایجادات کا مقصد کیا ہے انھوں نے کس حد تک اپنے مقصد کو پورا کیا اور دنیا کے لئے یہ ایجادات خیر و برکت اور باعث راحت ثابت ہوئیں یا انھوں نے دنیا کی مشکلات و مصائب میں کچھ اضافہ ہی کیا۔

## صنعتی اکتشافات کا مقصد اور اسلامی تعلیمات

ہمارے نزدیک ان علمی تحقیقات اور صنعتی اکتشافات کا صحیح مقصد یہ ہے کہ انسان کو زندگی کے فطری سفر میں اپنی لاعلمی اور کمزوری کی بنا پر جو رکاوٹیں اور موانع پیش آتے ہیں ان پر قابو حاصل کیا جائے اور صحیح مقاصد کے ماتحت (جن میں زمین میں سر بلندی اور

قنہ و فساد شامل نہیں) قدرت کی ان قوتوں اور دولتوں سے فائدہ اٹھایا جائے جو اس عالم میں بکھری ہوئی ہیں۔

مثال کے طور پر انسان زمانہ قدیم میں پیدل چلتا تھا، پھر یہ بات اس کی سمجھ میں آئی کہ وہ جانوروں سے فائدہ اٹھائے اس نے بیل گاڑیوں سے کام لیا، پھر اس نے اور سرعت پیدا کرنی چاہی تو اس نے صبارتار گھوڑوں کے ذریعہ دونوں کی مسافت گھنٹوں میں طے کی، انسان کی فطرت میں قناعت اور سکون نہیں اور جذبہ مسابقت بھی اس کو کسی ایک منزل پر ٹھہرنے نہیں دیتا اس کی ضروریات بھی بڑھتی گئیں اور راحت و سرعت کا معیار بھی بلند ہو گیا اور تدریج وہ سواریاں وجود میں آتی رہیں جن میں سے ہر ایک پہلے کے مقابلہ میں زیادہ تیز ہے بحری سفر میں اس نے بادبانی کشتیوں سے دخانی جہازوں تک ترقی کی، حمل و نقل کے بری و فضائی آلات و وسائل بھی اس نقطہ تک پہنچ گئے جو زمانہ سابق کے لوگوں کے خواب خیال میں بھی نہ تھے، اگر صحیح مقاصد کے ماتحت ان ہولتوں سے فائدہ اٹھایا جائے غیر ضروری مشقت اور وقت اور قوت کے غیر ضروری استعمال سے بچ کر ان کو اور کسی بہتر مصرف میں صرف کیا جائے تو یہ خدا کی نعمت ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سفر کی اس راحت و سہولت اور سرعت کو بطور انعام کے ذکر کیا ہے اور انسانوں پر اپنا ایک یہ احسان بتلایا ہے کہ وہ خدا کی دوسری مخلوقات کے ذریعہ سفر اور بار برداری کی بڑی بڑی مشقتوں سے بچ جاتے ہیں اور اس کے اپنی راحت و رحمت کی ایک نشانی اور دلیل کے طور پر پیش کیا ہے فرمایا:-

وَالْأَنْعَامَ خَلَقْنَا لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعَ  
وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ وَكَلَّمْ  
رَبِّهَا جَمَالٌ حِينَ تُرْجَعُونَ وَحِينَ  
اس نے چار پائے پیدا کئے ان میں تمہارا  
لئے گرم کرنے والی پوشش ہے نیز طرح طرح  
کے فائدے اور بھی ہیں ایسے جانور بھی ہیں

تَسْرِعُونَ ۝ وَتَعْمَلُ الْكُفْرَانِ  
بَلَدٍ لَّكُمْ مَكُونُ الْبَلَدِ الْإِسْثَقِ  
الْأَنْفُسِ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَوْفٌ رَّحِيمٌ  
وَالْخَيْلِ وَالْبَعَالِ وَالْجَمِيرِ  
لَتَرْكَبُنَّهَا وَزِينَةً وَتَحِلُّ  
مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝

(انحل - ۵-۸)

جن کا تم گوشت کھاتے ہو اور ان میں تمہاری  
نگاہوں کے لئے خوشنالی ہے جب تم شام  
کے وقت انہیں اپس لاتے ہو اور جب صبح کو  
چھوڑ دیتے ہو اور یہی جانور میں جو تمہارا  
بوجھ اٹھا کر ایسے شہروں تک لے جاتے ہیں کہ  
تم وہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے مگر بڑی کما  
جائے گا ان کے ساتھ بلاشبہ تمہارا پروردگار  
بڑا ہی شفقت رکھنے والا اور بڑا ہی عزت  
رکھنے والا ہے اور گھوڑے، اونٹ اور گدھے  
پیدا کر دیئے ہیں کہ تم ان سے سواری کا کام لو  
اور ویسے ان میں خوشنالی اور روزی بھی ہے  
وہ اور بہت سی چیزیں پیدا کرے گا جن کی  
تمہیں خبر نہیں۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَجَعَلْنَاهُمْ  
فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَفَعْنَاهُمْ مِّنَ  
الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ  
مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ۝

(بنی اسرائیل - ۷۰)

اور اہل بیت ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انکی  
اور تری دونوں کی توقیر اس کے تابع کر دی کہ  
اسے اٹھائے پھرتی ہیں اور اچھی چیزیں اس کا  
روزی کے لئے ہتھیا کر دیں نیز جو مخلوقات  
ہم نے پیدا کی ہیں ان میں سے اکثر پر اسے  
برتری دی پوری برتری۔

وَالَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا ۖ  
وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْفُلْكِ وَالْأَنْعَامِ  
مَا تَرْكَبُونَ ۝ لَّيْسُوا عَلَىٰ ظُهُورِهِ  
ثِمَرٌ تَرْتَمِذُونَ ۖ رَبُّكُمْ أَعْلَى السُّعُودِ  
عَلَيْهِ وَتَقَوُّوا عُثْبَانَ الَّذِي  
سَخَّرَ لَنَا هَذَا ۖ وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِبِينَ  
وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ ۝  
(الزخرف ۱۲-۱۴)

اور جس نے سب چیز کے جوڑے بنائے اور  
تہاے واسطے کشتیاں اور چوپائے بنائے  
جن پر تم سوار ہوتے ہو تاکہ چڑھ کر بیٹھو  
ان کی پیٹھ پر پھرنے رب کا احسان  
یا ذکر وجب اس پر بیٹھ چکو اور کہو پاک  
ذات ہے وہ جس نے اس کو ہماری برائی  
کر دیا اور ہم اس کو قابو میں نہ کر سکتے تھے  
اور تم کو اپنے رب کی طرف پھر جانا ہے۔

حضرت سلیمان پر اپنے احسانات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:-

وَلِيْلَيْكُمُ الرَّيْحُ عُدُّهَا  
شَهْرٌ وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ  
(سورة با- ۱۲)

اور سلیمان کے لئے ہوا کو مسحک مہر کی  
منزل اس کی ایک مہینہ کی راہ اور شام کی  
منزل ایک مہینہ کی۔

فَتَحْنَزِلْهُ إِلَىٰ بَحْرٍ مَّيْمَنٍ  
رُّجَاءَ حَبِطٍ أَصَابَ ۝ (سورة ص ۳۶)

پھر ہم نے ہوا ان کے تابع کی ان کے حکم  
سے طلیٰ نرم جہاں پہنچنا چاہتے۔

لیکن ان نعمتوں اور ہولتوں سے فائدہ اٹھانے میں ایک خدا شناس اور خدا شناس  
کی نفسیات میں بڑا فرق ہے، مومن کو اس کی ہدایت ہے اور اس سے اس کی توفیق کی گئی  
ہے کہ وہ ان نعمتوں سے مستفید ہونے کے وقت اس بات کو ملحوظ و تحضر رکھے کہ یہ محض شکر کا  
انعام اور اس کی بخشش ہے اس نے اس آزاد اور بے مہار جانور (یا بے حس و حرکت لمبے او  
لکڑی کو) اس طرح اس کا تابع فرمان اور آلہ کار بنادیا کہ وہ اس کے حکم و ارادہ سے بے جبر و

بِأَمْرِ رَحْمَةٍ حَيْثُ أَصَابَ رِوَاں دواں ہے اگر اس کی بخشی مولیٰ عقل و تدبیر اور قوت  
 و باقت نہ ہوتی تو یہ اس کے بس کی بات نہ تھی لَسْتُوَاعِنِ ظُهُورِهِ ثُمَّ تَدَلُّوا نِعْمَةً  
 رَبِّكُمْ إِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُولُوا سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِیْنَ  
 اور عین اس حالتِ استفادہ میں یہ پیش نظر ہے کہ وہ قوت و قدرت کے باوجود اشیاء کے  
 اصل خالق اور عالم کے فرمانروا کے حضور میں حاضر ہونے پر مجبور ہے اور اس کو ایک ن اس کا  
 حساب دینا ہے کہ اس نے ان نعمتوں سے کیا فائدہ اٹھایا ان کو کہاں استعمال کیا اور ان کا  
 کیا حق ادا کیا چنانچہ آیت کے آخر میں فرمایا: "وَإِنَّا لَآلِی رِبِّنَا لَمُسْقِلُونَ" مومن ان نعمتوں  
 کو محض الشکر کا فضل و انعام اور شکر و ناشکری کا امتحان سمجھتا ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام  
 کے الفاظ ہیں هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ نَتَّبِعُوْهُ اِنَّ اَشْكُرُوْا اَمَّ اَلْكُفْرِ وَمَنْ يَّكْفُرْ مَا  
 یَّهْكُوْا لِنَفْسِهٖ وَمَنْ یَّكْفُرْ فَإِنَّ رَبِّیْ غَفِیْرٌ کَرِیْمٌ یہ میرے رب کا احسان ہے تاکہ مجھے آزمائے  
 کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں جو کوئی شکر کرے گا، تو اپنے واسطے اور اگر کسی نے  
 ناشکری کی تو میرا رب تو بے نیاز و کریم ہے) مومن اور غیر مومن کا ایک فرق یہ ہے کہ مومن  
 ان آلات اور قوتوں کو ان کے محل پر استعمال کرتا ہے اور ان سے الشکر کے دین اور نظامِ حق  
 کی اعانت و نصرت کا کام لیتا ہے، جو ان اشیاء کی پیدائش کا اصل مقصد ہے فرمایا: وَانزَلْنَا  
 الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَآئِسٌ شَدِیْدٌ وَمَنْ فَیْعُ لِلنَّاسِ وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنِ یُّنْصِرُکَ وَرُسُلًا بِالْحَقِّ  
 اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ غَفُوْرٌ (اور ہم نے لوہا پیدا کیا جس میں بڑی قوت اور لوگوں کے لئے فوائد ہیں  
 (اور اس کا ایک مقصد یہ بھی ہے) کہ الشران لوگوں کو جان لے جو (اس کے ذریعہ) الشکر کی اور اس کے  
 پیغمبروں کی بن دیکھے مگر تم میں اور بے شک الشکر (خود) قوی اور غالب ہے) خدا شانسِ خدا کرنا  
 انسان خدا کی بخشی ہوئی طاقت اور انعام کو مجرموں کی مدد کا ذریعہ نہیں بنانا، حضرت یونسؑ نے فرمایا:

وَبِمَا آفَعْتُمْ عَلَىٰ ظُلْمٍ أَكُونُ لَهُم مِّنَ الْمُجْرِمِينَ (اے رب جیسا تو نے مجھ پر ظلم کیا پھر میں بھی مجرموں کا گڑ کار نہ بنوں گا) پس صحیح دین ہی ہے جو خدا کی شناخت اور خدا کا خوف پیدا کرتا ہے جو تمام مخلوقات کے اصل خالق اور عالم کے اصل فرمانروا کی معرفت پیدا کرتا ہے اور بتلاتا ہے کہ انسان محض ان قوتوں اور دولتوں کا امین ہے اس کو اس کے حضور میں پیش ہونا ہے اور ان قوتوں اور دولتوں کے مصرف و استعمال کا جواب دینا ہے دین ہی ہے جو انسان کو طاقت کے نشی میں متوالا اپنے اختیارات اور تصرف کی قوت دیکھ کر بے خود اور مدہوش ہونے نہیں دیتا، دین ہی ہے جو ان چیزوں کا جائز و صحیح محل استعمال اور مفید مصرف بتلاتا ہے وہی ان چیزوں کو کارآمد، بنی نوع کے لئے مفید اور دنیا کے حق میں باعث خیر و برکت بناتا ہے دین ہی ہے جو انسان کی عقل اس کی قوت اور اس کے اخلاق کے درمیان توازن و تناسب قائم رکھتا ہے دین ہی ہے جو انسان کے ذاتی فوائد و مصالح کو اجتماعی فوائد و مصالح کے ساتھ مربوط و مناسب رکھتا ہے، دین ہی ہے جو انسان میں اپنی قوت و اختیارات کے مشاہدہ و احساس کے وقت ضبط و اعتدال اور فخر و استکبار کے بجائے عجز و نیاز اور بندگی کی شان پیدا کرتا ہے قرآن مجید نے دونوں طرح کے نمونے پیش کئے ہیں حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے عین جاہ و جلال میں فرمایا :-

رَبِّ قَدْ أَنِيتْنِي مِنَ الْمُلْدِ وَعَلَيْتِي  
مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ فَالْهُوَ السَّمْعَانِ  
وَالْأَرْضِ أَنتَ وَلِي فِي الدُّنْيَا  
وَالْآخِرَةِ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي  
بِالصَّالِحِينَ

(یوسف - ۱۰۱)

میں جاؤں اور ان لوگوں میں داخل ہو جاؤں جو تیرے نیک بندے ہیں۔

حضرت سلیمان نے جب اپنی قوت و شہمت اور رعب و دہد بہ ملاحظہ فرمایا تو بے ساختہ ان کی زبان مبارک پر یہ الفاظ آئے :-

تَبَّ أَوْفَعَيْتُ أَنْ أَشْكُرَ خَلْقًا  
لَمْ يَرْبُ رَبُّهُمْ لِيَكُنْ لَهُمْ  
الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَتِي  
حَسَنًا أَعْمَلُ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَذِلَّةٍ  
يَرْضَعْنِي فِي عِبَادِكَ الْغُلَامِينَ  
اے میرے رب مجھے تو فتنے کی میں تیرے  
احسان کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے  
ماں باپ پر کیا اور یہ کہ ایسے نیک کام کروں  
جو تجھے پسند ہوں اور مجھ کو اپنی مہربانی سے  
(النمل - ۱۹)

اس کے برخلاف جو لوگ دین کی دولت سے محروم اور خدا کو بھولے ہوئے تھے ان کو اپنی طاقت اور دولت پر ناز تھا، اور وہ اپنے سے بلند و بالا کسی ہستی کو نہیں سمجھتے تھے :-

فَأَمَّا عَادًا فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ  
يَمِينًا وَبَغْيًا وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ  
وَمَا نَحْنُ بِمُؤْمِنِينَ أَلَمْ نَزِدْكَ الْإِلَهَ  
الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ  
قُوَّةً وَكَأَنَّ بَابُنَا مَعَهُمْ فَانْفِثُوا  
اور قوم عاد کا قصہ یہ ہے کہ انھوں نے  
ملک میں ناحق تکبر کیا اور کہنے لگے کون ہے  
ہم سے زیادہ طاقت میں کیا دیکھتے نہیں کہ  
اللہ جس نے ان کو بنایا وہ ان سے زیادہ  
ہے طاقت میں اور وہ ہماری نشانوں  
(الحج السجدہ - ۱۵) کے منکر تھے۔

زمانہ اضی کے ایک بڑے دولتمند کا واقعہ سنایا ہے کہ اُس سے کچھ معقول لوگوں نے کہا کہ اپنی دولت پر زیادہ ناز نہ کرو، اپنے مال و دولت سے آخرت کا سامان کرو اور اللہ کے احسان کا بدلہ احسان سے دو اور زمین میں فتنہ و فساد برپا نہ کرو :-

إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ

لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ۝ وَابْتَغِ فِيمَا  
 آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسِ  
 نَفْسَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَآخِرُ  
 كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ  
 الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ  
 الْمُقْسِدِينَ ۝ (النقص ۷۶، ۷۷)

اترانے والے نہیں بھالتے اور جو تجھ کو اشر  
 نے دیا ہے اس سے پھلا گھر کملے اور اپنا  
 حصہ دنیا سے نہ بھول (یعنی حصہ مافی  
 کما احسن اللہ الیک ولا تبغ  
 اشر نے بھلائی کی تجھ سے اور ملک میں فساد  
 ڈالنا نہ چاہ اشر کو ناسد کرنے والے پر نہیں۔

قارون نے اس کا جواب دیا کہ اس مال و دولت کے سلسلے میں کسی کی کاشتر منہ احسان  
 ومنون منت نہیں محض میری عقل و دانائی اور علم و ہنرمندی کا ثمرہ ہے۔ قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ  
 عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي (کہا یہ تو مجھے اپنے ایک خاص علم کی بنا پر ملا ہے۔)

اپنی طاقت کے زعم و احساس اور اپنے اوپر کسی اور ہستی..... اور بالاتر  
 طاقت کے انکار کا نتیجہ وہ نشہ قوت ہے جو انسان کو مجنوں بنا دیتا ہے اور جس کو کوئی  
 اخلاقی ہدایت و تعلیم کوئی جذبہ انسانیت اور کوئی مصلحت قابو نہیں رکھ سکتی، افراد اس کے  
 آہنی پنجیر میں مجبور و بلا اختیار رہتے ہیں اور کمزور قومیں اس کے پاؤں کے نیچے سبزہ کی طرح پا مال  
 ہوتی رہتی ہیں قوم عادیہ اس کے پیغمبر نے کہا "وَإِذَا بَطِشْتُمْ بَطِشْتُمْ جَبَّارِيْنًا" (اور جب تم کسی پر  
 ہاتھ ڈالتے ہو تو اس کو بڑی سختی سے پکڑتے ہو) سرکشی اور تکبر قنہ و فساد، مردم آزادی اور آدم کشی

اس کا لازمی نتیجہ ہے اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيْعًا يَسْتَضِعُّ مِنْهُ  
 طَائِفًا مِّنْهُمْ وَذِي قُوَّةٍ يَنْسَاءُ هُمُرَاتِهٖ ۚ كَانَتْ مِنَ الْمُقْسِدِيْنَ (بے شک  
 فرعون نے ملک میں سر اٹھایا اور اس کے رہنے والوں کو کئی گروہوں میں بانٹ دیا، ایک گروہ کو  
 بالکل کمزور کرنا چاہا، بارہا تھا ان کے لڑکوں کو ذبح کر ڈالتا تھا اور عورتوں کو زندہ رکھتا تھا)



بے شک وہ مفردوں میں تھا۔

صحیح دین کے گہرے اثرات اور اخلاقی تربیت کے بغیر جب قوتِ علم اور صنعت ترقی کرتی ہے تو اس کے طبعی نتائج وہی ہوتے ہیں جو اوپر بیان کئے گئے۔

## یورپ میں قوت و اخلاق اور علم و دین کا عدم توازن

بد قسمتی سے یورپ میں قوت و اخلاق اور علم و دین کا توازن صدیوں سے بگڑا ہوا ہے۔ نشأتِ جدیدہ کے بعد سے مادی قوت اور ظاہری علم بڑی سرعت سے ترقی کرتے رہے اور دین و اخلاق میں تنزل و انحطاط واقع ہوتا گیا، کچھ مدت کے بعد ان دونوں میں کوئی تناسب باقی نہیں رہا اور ایک ایسی نسل پیدا ہوئی جس کے ترازو کا ایک کپڑا آسمان سے باتیں کرتا ہے اور دوسرا تحت الشریٰ میں ہے۔ نیل ایک طرف اپنے صنعتی کمالات و عجائبات اور اپنے خوارقِ عادات کے بحال سے زیادہ اور طبعی قوتوں کی تسخیر میں مافوق البشر معلوم ہوتی ہے اور دوسری طرف اپنے اخلاق و اعمال، اپنے حرص و طمع، سنگ دلی اور بے دردی میل اس کی سطح چوپایوں اور درندوں کی سطح سے بلند نہیں اس کے پاس زندگی کے تمام وسائل ہیں لیکن اس کو جینا نہیں آتا، اس کو زندگی کے انتہائی و تکمیلی علوم و مسائل معلوم ہیں لیکن وہ انسانی زندگی اور تمدن و اخلاق کے بالکل ابتدائی اصول و مبادی سے ناواقف ہے اس کی علمی و صنعتی بلند پروازیوں اور اخلاقی پستیوں میں قطعاً کوئی تناسب نہیں ہے، طبعی علوم نے جو زبردست طاقت اس کو بخشی ہے اس کے استعمال کا وہ سلیقہ نہیں رکھتی، پروفیسر جوئے نے خوب کہا ہے کہ علومِ طبعی نے ہم کو وہ قوت بخشی جو دیوتاؤں کے شایانِ شان تھی، لیکن ہم اس کو بچوں اور وحشیوں کے دماغ سے استعمال کر رہے ہیں ایک دوسرے موقع پر لکھتا ہے :-

ہماری حیرت انگیز صنعتی فتوحات اور ہمارے شہرناکی خلاقی بچپن کے درمیان جو تفاوت ہے، اس سے ہمارا ہر موڑ پر سابقہ پڑتا ہے، ایک طرف ہماری صنعتی ترقیوں کا حال یہ ہے کہ ہم ٹیٹھے ٹیٹھے سمندر پار سے اور ایک بڑا عظم سے دوسرے بڑا عظم کے لوگوں سے بے تکلف باتیں کر سکتے ہیں، سمندر کے اوپر اور زمین کے نیچے دوڑتے پھرتے ہیں، ریڈیو کے ذریعہ سیلون میں گھر ٹیٹھے لندن کے بڑے گھنٹہ (BIG BEN) کی آواز سن کرتے ہیں، بجے ٹیلی فون کے ذریعہ ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہیں، برقی تصویریں آنے لگیں بے آواز کے ٹائپ رائٹر چل گئے ہیں، بغیر کسی درد و تکلیف کے دانت بھرے جا سکتے ہیں، کھیتیاں بجلی سے پکائی جاتی ہیں، ربڑ کی سرکس بنتی ہیں، ایک سرے کے ذریعہ ہم اپنے جسم کے اندر دلی جھک جھانک کر دیکھ سکتے ہیں، تصویریں بولتی اور گاتی ہیں، لاسکلی کے ذریعہ مجرموں اور قاتلوں کا پتہ چلا جا جاتا ہے، برقی موجوں سے باؤں میں پرچ و خم پیدا کیا جاتا ہے، ابد و کشتیاں قطب شمالی تک اور بھائی جہاز قطب جنوبی تک اڑ کر جاتے ہیں، لیکن اس سب کے باوجود ہم سے اتنا نہیں ہو سکتا کہ ہم اپنے بڑے بڑے شہروں میں کوئی ایسا میدان بنا دیں جس میں غریبوں کے بچے آرام و حفاظت کے ساتھ کھیلیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سالانہ دو ہزار بچوں کی جانیں ضائع ہوتی ہیں اور نوے ہزار زخمی ہوتے ہیں۔

ایک مرتبہ میں ایک ہندوستانی فلسفی سے اپنے تمدن کے عجائبات کی تعریف کر رہا تھا، اسی زمانہ میں ایک موٹر چلانے والے نے (PENDIN SANDS) میں تین یا چار سو میل کی مسافت ایک گھنٹہ میں طے کر کے ریکارڈ قائم کیا تھا، یا کسی جواباً

نے ماسکو سے نیویارک کی مسافت مجھے یاد نہیں بس گھنٹہ میں یا پچاس گھنٹہ میں  
 طے کی تھی، جب میں سب کہہ چکا تو ہندوستانی فلسفی نے کہا ہاں یہ صحیح ہے کہ تم  
 ہوا میں چڑیوں کی طرح اڑتے اور پانی میں مچھلیوں کی طرح تیرتے ہو لیکن ابھی تک  
 تم کو زمین پر انسانوں کی طرح چلنا نہیں آیا!

علم و صنعت اور اخلاق و انسانیت کے درمیان عظیم فاصلہ موجود مغربی تہذیب نے  
 پیدا کر دیا ہے اور موجودہ تہذیب اپنا مقصد پورا کرنے اور انسانیت کی صحیح خدمت انجام  
 دینے میں جس طرح ناکام رہی ہے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے دوسرا مغربی فاضل ڈاکٹر الکس کیرل  
 ALEXIS CARREL اپنی کتاب MAN THE UNKNOWN میں لکھتا ہے:-

”موجودہ زندگی انسان کو ترغیب دیتی ہے کہ وہ دولت کو ہر ممکن ذریعہ سے حاصل  
 کرے لیکن یہ ذرائع انسان کو دولت کے مقصد تک نہیں پہنچاتے یہ انسان میں  
 ایک ایسی ہیجان اور جنسی خواہشات کی تسکین کا ایک سطحی جذبہ پیدا کرتے ہیں ان کے  
 اثر سے انسان صبر و ضبط سے خالی ہو جاتا ہے اور ہر ایسے کام سے گریز کرنے لگتا  
 ہے جو ذرا دشوار اور صبر آزما ہو، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تہذیب جدید ایسے انسان  
 پیدا ہی نہیں کر سکتی جن میں فنی تخلیق، ذکاوت اور جرأت ہو، ہر ملک جتنا اقتصاد  
 طبقہ میں جس کے ہاتھ میں ملک کی باگ ڈور ہے ذہنی اور اخلاقی قابلیت میں نمایاں  
 انحراف نظر آتا ہے، ہم محسوس کر رہے ہیں کہ تہذیب جدید نے ان بڑی بڑی  
 امیدوں کو پورا نہیں کیا جو انسانیت نے اس سے وابستہ کی تھیں اور وہ  
 ان لوگوں کو پیدا کرنے میں ناکام رہی جو ذہانت اور جرأت کے مالک ہوں اور

تہذیب کو اس دشوار گزار راستہ پر سلامتی کے ساتھ لے جاسکیں جس پر آج وہ ٹھوکریں کھا رہی ہے، واقعہ یہ ہے کہ افراد انسانی نے اس تیزی کے ساتھ ترقی نہیں کی جس تیزی کے ساتھ ان اداروں (INSTITUTIONS) نے ترقی کی ہے جو انسانی دماغ کا نتیجہ ہیں، یہ دراصل سیاسی رہنماؤں کے ذہنی اور اخلاقی نقائص کا نتیجہ ہے، اور ان کی اس جہالت کا جس نے موجودہ اقوام کو خطرہ میں مبتلا کر دیا ہے، طبعی علوم اور صنعتی فنون نے انسان کے لئے جو ماحول تیار کیا ہے، وہ انسان کے مناسب حال نہیں ہے، اس لئے کہ وہ برجستہ ہے کسی سابق نقشہ یا غور و فکر پر مبنی نہیں اور اس میں انسان کی شخصیت کے ساتھ مطابقت کا لحاظ نہیں رکھا گیا، یہ ماحول جو محض ہماری ذہانت اور ایجادات کی تخلیق ہے ہمارے قدم قامت اور ہماری صورت کے مطابق نہیں، ہم سرور نہیں ہیں، ہم ایک روز افزوں اخلاقی اور عقلی انحطاط میں مبتلا ہیں جن قوموں میں صنعتی تمدن پھلا پھولا اور اپنے عروج کو پہنچا ہے وہ پہلے سے بہت کمزور ہیں اور وہ بڑی تیز رفتار کچے ساتھ وحشت و بربریت کی طرف بڑھ رہی ہیں لیکن ان کو اس کا احساس نہیں ان کو اس وقت اس باطنی دشمن انسانیت ماحول سے کوئی قوت ہی نہیں ملتی جو طبعی علوم نے ان کے گرد حصار کی طرح کھینچ دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہماری تہذیب نے پچھلی تہذیبوں کی طرح زندگی کے لئے ایسی شرطیں عائد کر دی ہیں جو (بعض نامعلوم اسباب کی بنا پر) زندگی کو ناممکن العمل بنادیں گی، ہم ماوریت کا جتنا علم رکھتے ہیں اس کے مقابل میں زندگی کا علم اور یہ کہ انسان کو کس طرح زندگی گزارنی چاہئے بہت کم رکھتے ہیں اور ہمارا علم اس بارہ میں

ابھی تک بہت پیچھے ہے اور اس کم علمی کا نقصان ہم بھگت رہے ہیں۔

ایجادات و اکتشافات میں جس تیزی کے ساتھ اضافہ ہو رہا ہے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا جا رہا ہے، طبیعی علوم، فلکیات اور علم الکیمیا کے اکتشافات کو زیادہ اہمیت دینے کے بجائے فائدہ نہیں، راحت، تفریح، جمال، حسامت اور تکلفات زندگی میں اضافہ و ترقی سے کیا فائدہ، جب ہمارا ضعف اس سے فائدہ نہ اٹھانے دے اور ہم اس کو صحیح راستہ پر نہ لگا سکیں ایسے نظام زندگی کو مستحکم سے حکم تر بنانے سے کیا فائدہ جس سے اخلاقی پہلو بالکل خارج کر دیا جائے اور عظیم قوتوں کی بہتر بہتھا نکال دی جائیں ہمارے لئے مناسب بات یہ تھی کہ تیز رفتار چیزوں، زیادہ آرام دہ موٹروں، زیادہ ارزاں ریڈیو، اور زیادہ عمدہ رسد گاہوں کے بجائے اپنے آپ کی طرف زیادہ توجہ کریں، میکینیک، طبیعی اور کیمیاوی علوم کے بس میں نہیں ہے کہ وہ ہم کو ذہانت بخش دیں اور اخلاقی نظام، اعصابی توازن اور اسن و سکون عطا کریں۔

## آلات و وسائل کا غلط استعمال

حقیقت یہ ہے کہ مصنوعات، ایجادات، اپنی جگہ پر بالکل معصوم اور غیر جانبدار ہیں وہ انسان کے ارادہ اور اس کے عقل و اخلاق کے تابع ہیں وہ اپنی ذات سے نہ خیر ہیں نہ شر، انسان ہی ان کو خیر اور شر بناتا ہے، بلکہ بعض بد اثر و خیر ہوتی ہیں لیکن انسان غلط استعمال اور اپنی طبیعت و تربیت کی خرابی سے ان کو شر بنالیتا ہے اس لئے سب سے زیادہ اس کے دیکھنے کی ضرورت ہے کہ ان آلات اور مصنوعات کے استعمال کرنے والے کس قسم کے اخلاق و سیرت اور کس قسم کے مقاصد رکھتے ہیں۔ مغربی قومیں مدت دراز سے یہ عقیدہ رکھتی ہیں کہ لذت و راحت، مادی انتفاع، سرگرمی

اور غلبہ کے علاوہ دنیا میں کوئی اور قابل حصول مقصد نہیں ہے، طبعی طور پر انھوں نے اپنی ساری قوت علم اور ذہانت کو ان مقاصد کے حصول میں صرف کیا اور ایسے آلات و وسائل ایجاد کئے جن سے یہ مقاصد زیادہ آسانی اور سرعت کے ساتھ حاصل ہو سکیں، رفتہ رفتہ وسائل خود مقاصد بن گئے، اور اختراع و ایجاد اپنی جگہ پر خود ایک بڑا مقصد قرار پا گیا، اور جس طرح بچوں کو کھلونوں سے دلچسپی ہوتی ہے، اس طرح ان کو ایجادات و اختراعات سے دلچسپی پیدا ہو گئی ہے، یورپ میں میاں بدلتے رہے ہیں کچھ مدت پہلے یہ خیال غالب تھا کہ تمدن نام ہے راحت کا اور راحت زندگی کا سب سے بڑا ایڈیل تھا، پھر مختلف محرکات و اسباب کی بنا پر اور کچھ حصول راحت کے لئے سرعت و تیز رفتاری کی کوشش کی گئی اور زندگی کے شعبہ میں سرعت پیدا کرنے کا مقابلہ شروع ہوا، لوگ اس میں ایسے محو ہوئے کہ رفتہ رفتہ یہ سمجھنے لگے کہ تمدن نام ہی ہے سرعت کا، اب سرعت زندگی کا ایڈیل بن گیا، پروفیسر جوڈ لکھتا ہے:-

”ڈریڈی (DESRAIL) کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کی سوسائٹی کا اعتقاد تھا کہ تمدن نام ہے راحت کا، لیکن جہاں تک ہمارے زمانہ کی سوسائٹی کا تعلق ہے واقعہ یہ ہے کہ ہمارا اعتقاد ہے کہ تمدن نام ہے سرعت کا، سرعت زمانہ موجودہ کے نوجوان کا دیوتا ہے، اس کے آستانہ پر وہ سکون، راحت، امن اور دوسروں کے ساتھ مہربانی کو بڑی بے دردی کے ساتھ بھینٹ چڑھا دیتا ہے۔“

اب ہمیں دیکھنا چاہئے کہ وہ کیا مقاصد ہیں جن کے لئے یہ آلات و وسائل استعمال ہو رہے ہیں، ان سے کہاں تک فائدہ اٹھایا جا رہا ہے اور اس کو اپنے نوع انسانی کے لئے کس حد تک مفید و کارآمد بنایا جا رہا ہے، اور انسان کی حالت ان قوتوں اور وسائل کی موجودگی میں چند صدی

پہلے کے لوگوں سے کہاں تک بہتر ہے اس کا جواب ایک مغربی عالم اور صنف نقاد کی زبان سے مناسب ہوگا، پروفیسر جوڈ لکھتا ہے :-

” بلاشبہ ہم بڑی سرعت و تیز رفتاری سے ایک مقام سے دوسرے مقام تک سفر کر سکتے ہیں لیکن یہ بھی دیکھنے کی بات ہے کہ جن مقامات کا ہم سفر کرتے ہیں وہ بہت کم اس قابل ہیں کہ ان کی طرف سفر کیا جائے اس میں کوئی شک نہیں کہ مسافروں کے لئے زمین بہت گئی ہے اور اس کی طنائیں کھینچ گئی ہیں قومیں ایک دوسرے کے قریب ہو گئی ہیں اور ان کے پاؤں ایک دوسرے کی دہلیز پر ہیں لیکن اس کا نتیجہ یہ ہے کہ قوموں کے آپس کے تعلقات پہلے سے زیادہ ناخوشگوار و ناخلفیتہ ہیں وہ وسائل جن سے ہم اپنے ہمسایہ قوموں سے براہ راست واقف ہو جاتے ہیں انھوں نے اٹا دینا کہ جنگ کی آگ میں جھونک یا ہم نے آواز پہنچانے کا آلہ ایجاد کیا اور اس کے ذریعہ اپنی ہمسایہ قوموں سے بائیں ہیں لیکن اس کا انجام یہ ہے کہ آج ہر قوم ہوا کی پوری طاقت کے ساتھ اپنی ہمسایہ قوم کو چھیڑنے اور رد کرنے کا کام لے رہی ہے وہ اس کو ششدر میں رہتی ہے کہ وہ دوسری قوم کو اپنے سیاسی نظام کی بزرگی کا قائل و متقد بنائے۔“

ہوائی جہاز کو دیکھو جو فضاء سے آسانی میں منڈلا رہا ہے، تمہیں خیال ہوگا کہ اس کے موجد اپنے علم و مہارت و صفت کے لحاظ سے ا فوق البشر ہستی تھیں اور جنھوں نے اس پر پہلے پہلے پرواز کی تھی ”اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی بلند ہمتی، عزم اور برأت بڑی قابلِ داد اور لائق تحسین ہے لیکن اب ذرا ان نفاصد کا جائزہ لو جن کے ماتحت یہ ہوائی جہاز استعمال ہوئے اور مستقبل میں بھی استعمال ہوں گے،

وہ مقاصد کیا ہیں؟ فضا ئے آسانی سے برابری انسانوں کے جسموں کی ٹکڑے ٹکڑے کرنا، زندہ لوگوں کا گلا گھونٹنا، انسانی جسموں کو جلا دینا، زہریلی گیسوں کا پھینکا اور ان کمزوروں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا جن کے پاس اس مہیبت سے حفاظت کا کوئی سامان نہیں، یہ مقاصد یا تو احمقوں کے ہو سکتے ہیں یا شیاطین کے۔

دیکھنا ہے کہ ٹیورخ اس کے متعلق کیا رائے قائم کرتا ہے کہم دھاتوں اور سونے کو کس طرح استعمال کرتے تھے، وہ لکھے گا کہم نے ایسی ترقی کر لی تھی کہ لاسکی کے ذریعہ سونے کی اطلاعات دے سکیں، وہ ویسی تصویریں پیش کرے گا جو دکھائی دیں گی کہ بینک کے لوگ کس صفائی اور شافی کے ساتھ سونے کا وزن اور شمار کرتے تھے، وہ اس خارق عادت طریقہ کا ذکر کرے گا جس سے ہم روزانہ سونے کو ایک دارالسلطنت سے دوسرے دارالسلطنت کی طرف منتقل کرتے رہتے تھے اور شیش اجسام کے قانون کو توڑتے تھے، وہ قلم بند کرے گا کہ نیم خوشی صنعتوں میں بڑے ماہر اور جری تھے لیکن اس بین الاقوامی تعاون میں ناکام تھے، جو سونے پر کنٹرول رکھے اور اس کو صحیح طور پر تقسیم کرے، ان کو صرف اتنی فکر تھی کہ وہ قیمتی دھاتوں کو اسکا کی سرعت کے ساتھ دفن کر دیں وہ سونے اور دھاتوں کو افریقہ میں زمین کے شکم سے بڑی ہمارکت ساتھ نکالتے تھے اور لندن، نیویارک اور پیرس کے محافظ خانوں میں دفن کرتے تھے۔

## ایجادات و اکتشافات کی ہلاکت آفرینی

مختلف اسباب و حالات کی بنا پر جن کی کسی قدر توضیح گزشتہ صفحات میں ہو چکی ہے، مغربی قوموں میں خیر کی طرف میلان اور بھلائی کا رجحان بہت کم ہو گیا ہے اور اخلاق و تمدن



کے صحیح اصول و مبادی کا سرزنش ان کے ہاتھ سے مدت ہوئی پھوٹ گیا، غیر ذمہ دار دانے  
دلوں میں کجی اور لمحدانہ فلسفہ نے طبیعتوں میں انحراف پیدا کر دیا اور ذوق فاسد ہو گئے اس بنا پر  
جس طرح سے تسی اور دہائی امراض میں صراح سے صراح غذا مرصن کے معد میں پہنچ کر مسموم اور فاسد  
ہو جاتی، اسی طرح علوم و صنعتیں ایجادات و کشفیات اور کئی ترقیاں یورپ میں خود اہل یورپ کے لئے اور  
عام انسانیت و تہذیب کے لئے وبال جان بن گئی ہیں، سٹرائٹن نے اپنی ایک تقریر میں کہا تھا:-

”جب تک کچھ کیا جائے اور خبر لی جائے اس دنیا کے باشندے اس صدی کے

پچھلے حصے میں غاروں میں زندگی گزارنے والے دنیا کے قدیم خوشیوں کا طرز زندگی  
اختیار کر لیں گے اور اسی وحشت و بربریت کا دور شروع ہو جائے گا جو ہزاروں سال  
پہلے دنیا میں قائم تھا، کسی عجیب بات کے تمام حاکم ایک ایسے تھیار سے بچنے کے لئے  
کر دروں رو پرصرت کر رہے ہیں جس سے ہیں تو سب کے سب فائٹ کر اس کو قابو میں رکھنے پر  
راستی نہیں مڑتے ہیں، میں بعض اوقات تجویسے سوچتا ہوں کہ اگر کسی دوسرے یا دوسرے  
کوئی تیاغ اور زائر اس زمین پر آئے تو وہ ہماری اس دنیا کو دیکھ کر کیا کہے گا وہ  
دیکھے گا کہ ہم سب اپنی ہی بربادی اور ہلاکت کے وسائل تیار کر رہے ہیں اور طرفہ تازہ  
یہ ہے کہ ایک دوسرے کو اس کے طریقہ کی اطلاع بھی دے رہے ہیں۔

جس وقت سٹرائٹن نے یہ افاغہ کہے تھے اس وقت ان کے تصور میں بھی نہیں آ سکتا  
تھا کہ اس جنگ کے دوران ہی، خدا نا شاہل انسانی حکمت و صنعت کی ہلاکت خیزی  
اور آدم کشی اس درجہ کو پہنچ جائے گی کہ خود سا خدا ان بھی اس کا تصور نہیں کر سکتے تھے۔

کئی سال کی منظم جدوجہد اور کروڑوں روپیہ کے صرفے بالآخر امریکہ ذرا آتی بم  
(ATOMIC BOMB) کے ایجاد میں کامیاب ہو گیا جس پر اس جنگ کی شکست و فتح کا

انحصار تھا اور ۱۶ جولائی ۱۹۴۵ء کو ۵ بجے اس قوت و سرعت کا پہلا امتحان لیا گیا:

بے جان آہنی برج اور بے حس فضا کے آسانی کے بعد اس کا دوسرا تجربہ فی رُوح دشمن پر کیا گیا جس کی ہیبت زدہ کر کے شکست دینے کے لئے مغرب کی حکمت و صنعت نے اپنی بہترین قابلیت صرف کی تھی، ۶ اگست ۱۹۴۵ء کو جاپان کا بد قسمت شہر ہیروشیما اس کا پہلا نشانہ بننا لگا کرتے ہی عظیم نشان شہر تودہ خاک بن گیا نہ کوئی جاندار باقی رہا نہ بے جان آن کی آن میں انسان حیوان عمارتیں سب معدوم تھیں، دھماکے کی شدت ہو کا دباؤ اور دھواں قیامت خیز تھا، گرد و غبار کا مچھلتا اُبلتا اور کھوتا ہوا میلوں اونچا ایک پہاڑ تھا، اور اس پہاڑ کے نیچے جہنم کی سی آگ تھی جس نے ہر چیز کو خاکستر کر دیا، اس طیارہ کو جس نے بم گرایا تھا، اسے گرتے ہی جلد سے جلد اپنی سلامتی کے لئے وہاں سے بھاگن پڑا اور نہ تباہ ہو جانا، دھماکا اتنا ہیبت تھا کہ گم گانے والوں کا پتہ پانی تھا، حیرت ہیبت اور خوف کے عالم میں ہر ایک کی زبان سے "یا خدا" کی آوازیں نکل رہی تھیں لیکن جب یہ بات واپس آئے تو اتحادی حلقوں میں فخر ہائے مسرت بلند ہو رہے تھے اور ہر شخص شاد و مسرور تھا۔

اسٹورٹ گلڈر (STUART GILDER) اپنے ایک مضمون میں ایٹم بم کی خطرناک اور ہلاکت آفرینی کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

"اگرچہ پوری جہوزی تفصیلات کا علم نہ تھا لیکن یہ حال ایٹم بم بنانے والے رائے رائے اتنا ضرور جانتے تھے کہ وہ جس آگ و حرک کو استعمال کرنے جا رہے ہیں اس کے ثانوی نتائج یہ ہوں گے کہ انسانیت فنا ہونے سے اپنے کو محفوظ نہ رکھ سکے گی، اس کے ثانوی نتائج کی اگر تفصیل معلوم کرنی ہے تو شہر ہیروشیما کی وہ رپڑیں جو انجا ایک بار تباہ ہو گئیں

لے ہیروشیما کی مینو پائی کے صدر نے ۲۶ اگست ۱۹۴۵ء کو اعلان کیا کہ ۶ اگست ۱۹۴۵ء کو ہلاک ہونے

والوں کی تعداد ۲ لاکھ دس ہزار اور ۳ لاکھ ۴۰ ہزار کے درمیان تھی۔ (پی ٹی)

ٹی ہیں ملاحظہ ہوں وہ نامہ نگار اس ذراتی بم کے پلگ (ATOMIC PLAGUE) کے بارہ میں لکھتے ہیں:-

بہت سے لوگ جو بظاہر تو بم کے پھٹنے سے متاثر ہوئے تھے اور نہ اس کی آگ و حرارت مر گئے اور برابر رہے ہیں اور ان کی اس موت کا سبب یہ ہے کہ ان کا خون تحلیل ہو جاتا ہے، اول اول خون کے سفید ذرات تباہ ہوتے ہیں پھر سرخ ذرات کی باری آتی ہے ان کے بال گر جاتے ہیں اور وہ جتنے دن بھی زندہ رہتے ہیں ان کے اعضا سولیسے ہی رہتے ہیں، بیان تک کہ وہ مر جاتے ہیں اس کی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ فضائیں کچھ ریڈیائی مواد ایٹم بم کے پھٹنے کے ذریعہ رہ جاتے ہیں اور انسانی کھال میں جذب ہو کر یا بذریعہ نفس پھیپھڑوں تک پہنچ جاتے ہیں۔

اس کتاب کو نقل کرنے کے بعد یہی مضمون نگار اسٹورٹ گلد (STUART GILDER) لکھتا ہے:-

”یہ خبر ساری دنیا کو لرزادینے اور ڈرائینے والی ہے دنیا اب تک نہ تو اس خوفناک بم سے واقف تھی اور نہ ریڈیائی تاثیر رکھنے والی دھاتوں سے لیکن سائنسدان تو تیس سال قبل سے جانتے تھے کہ یہ ایک ایسا ہتھیار ہوگا جس کا توڑ اور تریاق کہیں نہیں اور یہ ساری نوع انسان کے لئے مہلک ثابت ہو سکتا ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ جاپانیوں نے ان اثرات سے بچنے کے لئے خانہ ساز نقامیں استعمال کیں غالباً یہ وہ نقامیں تھیں جن کو اہل جاپان شدید مرضی سے بچنے کے لئے استعمال کرتے تھے لیکن یہ اتنی ہی بے اثر نکلیں جتنے حبش کے فوجیوں کے وہ کپڑے جو انھوں نے اس وقت اپنی ناک کے گرد پلیٹ لئے تھے جب کہ سولیسے کے برابر جہازوں نے ان پر زہریلی گیسیں برساتی تھیں۔

ذراتی بم پھینکنے میں ہوا باز شریک تھے، ان کا بیان ہے کہ اس بم کے گرنے کے بعد  
خبار اور دھواں نو میل تک ہوا میں پھیل گیا پروفیسر (PLESCH) کی رائے ہے کہ  
جس جگہ بم پھٹے اس کے قرب و جوار میں سو میل کے علاقہ کے رہنے والوں کی سائنٹفک  
طریقہ پر جانچ پڑتال کرنی چاہئے اور ان کی جسمانی حالت کو بغور دیکھنا چاہئے کہ  
کہیں ان پر اس کا اثر تو نہیں ہو گیا۔

یہ امر ذرا بھی متبعد نہیں کہ دنیا ایک دن صبح اٹھ کر اخباروں میں یہ خبر پڑھے گی  
کہ وہ لوگ جو جاپان سے ہزار ہا میل فاصلہ پر رہتے ہیں ان میں وہی علامات پھیل  
گئی ہیں جو ذراتی بم کے پگ میں ہوتی ہیں، اگر ایک چھوٹا سا ذراتی بم وینزئیلہ کی  
ہوا کو گرد و غبار سے مسموم کر سکتا ہے تو یہ سمجھنا بالکل مطابق عقل ہے کہ اس سے  
بڑا بم اس سے کہیں زیادہ وسیع رقبہ کو متاثر کر دے گا۔<sup>۱</sup>



# بائشتم

## مغربی عہدِ اقتدار میں دنیا کے معنوی حُसार

یہاں مشرقی ایشیائی اقوام کے مادی خساروں سے بحث نہیں، مغرب کے دورِ فتوحات میں مشرقی اقوام کو اپنے کن طویل و عریض ممالک سے دستبردار ہونا اور مغربی طاقتِ یاد انائی کے مقابل میں پسپا ہونا پڑا یہ بحث اس وقت ہمارے موضوع سے خارج ہے اور اس کی تفصیل ان مختصر اوراق میں سمیٹ نہیں جاسکتی، یہیں اس وقت نہایت اختصار کے ساتھ بلکہ اشارات میں یہ دکھانا ہے کہ مغرب کے اقتدار کے اس یاب میں جو تمام روئے زمین پھیل گیا ہے اور اس کے اثرات سے پہاڑوں کی چوٹیاں اور وادیوں کی گہرائیاں آزاد قوموں کے ضمیر پاک ہو اور پانی بھی محفوظ نہیں، دنیا کو کیا معنوی روحانی اور اخلاقی خرابی برداشت کرنے پڑے؟ اس عالمگیر انقلاب میں سب سے بڑا خسارہ مسلمان ہی کو برداشت کرنا پڑا ہے کہ جاہلیت کا تضاد و اختلاف اسی کے نظامِ زندگی سے ہے، اس لئے قدرتی طور پر جاہلیت کے غلبہٴ اقتدار میں اسی کو سب سے زیادہ نقصان برداشت کرنا چاہئے۔

## حائسہٴ مذہبی کا فقدان

اس دنیا کا انجام کیا ہے، کیا اس زندگی کے جد کوئی اور زندگی بھی ہے، اس کی

کی نوعیت ہے اور اس کے لئے اس زندگی میں کیا ہدایات ہیں اور وہ کہاں سے معلوم ہو سکتی ہیں؟ اس کے بعد کی زندگی کو پُر راحت بنانے کے لئے کیا اصول و تعلیمات ہیں اور ان کا ماخذ کیا ہے؟ روح انسانی کو ابدی راحت اور قلب کو دائمی سکون پہنچانے کا راستہ کیا ہے اور وہ کہاں سے دریافت ہو سکتا ہے؟

یہ وہ سوالات ہیں جنہوں نے مشرقی انسان کو سیکڑوں ہزاروں برس بے چین اور صورت سوال بنائے رکھا اور جو اس کے انتہائی مادی استغراق اور خود فراموشی میں بھی اس کے قلب کی گہرائیوں سے بار بار اٹھتے رہے اور جواب مانگتے رہے مشرق نے اپنے کسی دور میں بھی ان فطری سوالات کو ٹالا نہیں اور اپنے دل کی یہ آواز سنی اُن سنی نہیں کی بلکہ اپنی زندگی کی تمام مشغولیتوں اور دماغ کی ساری کادوشوں میں ان کو پہلی جگہ دی وہ اپنی تہذیب اور علوم کی ہزاروں سال کی تاریخ میں برابر ان سوالات کے حل کرنے اور ان کا تشفی بخش جواب تلاش کرنے کے ادھیڑ بن رہا بعد الطبعی فلسفہ علم کلام تصوف اشراق و روحانیت مجاہدہ و ریاضت علم و حکمت اور دوسرے مشرقی علوم و تجربات اس کے حل ہی کی مختلف کوششیں تھیں اس نے اس کے لئے غلط راستے بھی اختیار کئے اور غلط وسائل بھی استعمال کئے اور اس کو اس میں کامیابی سے زیادہ ناکامیابی ہوئی لیکن اس کے اس واقعہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا کہ اہل مشرق کی زندگی میں یہ سوالات ہمیشہ موجود رہے اور ان کو اولیٰ اہمیت حاصل رہی اس موقع کے لئے اگر ہم فلسفہ ہی کی زبان استعمال کریں تو ہم کہیں گے کہ اہل مشرق میں جو اس ظاہری کے علاوہ ایک روحانہ بھی رہا ہے جس کو ہم حائے مذہب ہی کہہ سکتے ہیں جس طرح دوسرے جو اس اپنا نعل کرتے ہیں اور ان کے ذریعہ سے ان کے محسوسات حاصل ہوتے ہیں اس طرح اس حائے کے بھی کچھ محسوسات ہیں جو مشرقی زندگی کا لازمہ رہے ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے ابتدائی عہد میں یہ سوالات بدستور موجود تھے اور اہل علم و اہل فکران پر عرصہ تک طبع آزمائی کرتے رہے لیکن مغربی تمدن اور فلسفہ زندگی کے باطنی خواص زمانہ کے ساتھ ساتھ جس قدر ابھرتے گئے، اور زندگی میں مغرب کا جس قدر تغلغل اور انہماک بڑھا اسی قدر ان سوالات کی اہمیت کم ہوتی گئی اور وہ عملی زندگی میں پیچھے پڑتے رہے، فلسفہء مابعد الطبیعیات کے علمی و تعلیمی حلقوں میں اب بھی اور پرانے ارسطو یا پلٹوٹا ہو گا، لیکن زندگی سے یہ سوالات کس قدر خارج ہو چکے ہیں اور ان کے سامنے سے علامت استفہام مٹ چکی ہے ان کے بارہ میں وہ خلش، کھٹک اور وہ ذوق جستجو جس میں ہزاروں سال اہل مشرق کو مشغول رکھا جاتا رہا، اور یہ کسی ایمان شہر صدر اور اطمینان قلب کی بنا پر نہیں بلکہ اس لئے کہ وہ اہل مغرب کی زندگی میں عرصہ دراز سے اپنی اہمیت کھو چکے ہیں اور دوسرے مشاغل و مسائل کے لئے جگہ چھوڑ چکے ہیں اس زمانہ کے مشغول انسان نے ان مسائل میں کامل بے تعلقی اور بے نیازی اختیار کر لی ہے اس کو ان سوالات پر غور کرنے کی بالکل ہمت نہیں اس کی طرف سے ان سوالات کے جواب کا کوئی پہلو اختیار کیا جائے اس کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں اس کے لئے صرف یہ زندگی اہم ہے اور اسی کے متعلق ہدایا و تفصیلات اس کو مطلوب ہیں۔

قدیم مشرقی اور جدید مغربی میں یہ ایک عظیم الشان نفسیاتی فرق ہے کہ مشرقی مذہبی حاستہ رکھتا تھا اور مغربی اپنی تہذیب کے ارتقا کے ساتھ حاستہ مذہبی کھو چکا ہے اور جب کسی شخص کا کوئی حاستہ باطل ہو جائے تو اس کے سارے محسوسات جو صرف اس حاستہ سے تعلق رکھتے ہیں اس کے لئے معدوم ہو جاتے ہیں جو شخص قوتِ سامعہ سے محروم ہے اس کے لئے عالمِ اصوات معدوم ہے اور یہ پوری بولتی ہوئی دنیا ایک شہرِ خاموشاں ہے جو شخص قوتِ باصرہ سے محروم ہے اس کے لئے عالمِ الوان معدوم اور رنگوں کا فرق بے معنی ہے اسی طرح جو شخص حاستہ مذہبی سے محروم ہے اس کے لئے وہ محسوسات و جدانات اور اثرات معدوم ہیں جو صرف حاستہ مذہبی کا نتیجہ ہوتے ہیں اس کے لئے آخرت، عذاب، ثواب، جنت و دوزخ

خدا کی رضامندی و نارضامندی، تقویٰ و طہارت، نجات و ہلاکت ابدی وغیرہ وغیرہ سب بے سنی الفاظ ہیں اس کے لئے کسی ایسی دعوت میں قطعاً کوئی کشش اور کچپی نہیں جس کا تعلق اس کے محسوسات اور نقد لذتوں اور منفیوں کے سوا کسی اور چیز سے ہو۔

دین کی دعوت دینے والوں کو ہر دور میں اور انبیاء علیہم السلام کو اپنے زمانہ دعوت میں جن لوگوں میں سب سے زیادہ وقت پیش آئی ہے اور جن لوگوں پر ان کی انقلاب فرس دعوت ان کے خارجہ شکات اور آہن گداز مواعظ ان کا سوز و درد مندی بالکل بے اثر ثابت ہوئی ہے یہ وہی لوگ ہیں جو حاشہ مذہبی سے محروم ہو چکے تھے اور جن کی دل کی انگلیٹھیاں اس طرح سر دھو چکی تھیں کہ ان میں کسی طرح گرمی نہیں پیدا کی جاسکتی تھی جو مذہب اور اس کے متعلقات کے متعلق طے کر چکے تھے کہ ان کے بارے میں نہ کچھ سننا ہے نہ غور کرنا ہے جنہوں نے اپنے زمانہ کے داعیوں کی پتھر کو موم کر دینے والی تقریریں کر بڑی سرد مہری سے کہا کہ اِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ (ہم تو محض دنیاوی زندگی کے قائل ہیں جیلینے اور مرنے کے سوا اور ہے کیا مرنے کے بعد کون زندہ ہوگا؟) یا جن کی نظریاتی سطح سے حقیقت تک نفوذ کرنے کے قابل نہیں ہوتی اور جنہوں نے پیغمبر کی عام فہم تقریر سننے کے بعد جو انہیں کی زبان میں کی گئی تھی بڑی سادگی سے کہا مَا نَنْفَعُهُ كَثِيرًا مِّمَّا تَقُولُ وَإِنَّا لَنَرَاهُ ذِينًا صٰعِقًا (تمہاری بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم تو دیکھتے ہیں کہ تم کو ہم میں کوئی قوت حاصل نہیں۔)

مغربی تہذیب کے اس عروج کے زمانہ میں ہر قوم میں بڑی تعداد میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا ہے جس کی دنیاوی مشغولیت و انہماک یا دنیا کی محبت و حرص نے ان کی زندگی میں مذہب کے لئے کوئی خانہ خالی نہیں چھوڑا، بڑی تلاش و جستجو کے بعد بھی مذہب کی دعوت دینے والے کو ان کے دل و دماغ میں کوئی ایسا چھوٹے سے چھوٹا منفذ نہیں ملتا جس سے دینی اور اخلاقی دعوت ان میں



نفوذ کر کے جس طرح کسی شخص کو موسیقی کے لئے کان اور شاعری کے لئے ذوق لطیف نہ ملا ہو اس کے لئے موسیقی کے سائے کمالات اور دنیا کی پوری وجد آفریں شاعری بے اثر ہے سود ہے اسی طرح جو زہری جانتے سے محروم ہو چکا ہو اس کے لئے پیڑیوں کی پوری دعوت نامہوں کی وعظ و تلقین، علم و حکمت قصص و امثال سب ضائع ہیں یہ دلوں کی زمین کا سب سے بخر حصہ ہے جس کو کوئی بارش سیراب نہیں کر سکتی۔ ع

یہاں لکے رو دیتا ہے ابرنیاں

جن لوگوں کو اس طبقہ سے خطاب کرنے اور اس کو دین و اخلاق کی دعوت دینے کا کبھی موقع ملا ہے ان کو قرآن مجید کی بہت سی آیات کے معنی سمجھ میں آ گئے ہوں گے اور وہ تمام کلامی اشکالات جو عملی زندگی اور میدان دعوت علیہ السلام کے بیچ کڑھتے تھے ان کے لئے حل ہو گئے اور اس کے ہم معنی آیات کے متعلق پیش آتے ہیں خود بخود حل ہو گئے ہوں گے اور حقیقت قرآنی مجسم نظر آئی ہو گی وَمَنْ الذِّينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الذِّیْ یَتَّبِعُ بِمَآ لَا یَسْمَعُ الْاَدْعَاءَ اَوْ یَدَّ اَعْنَاسُكُمْ یَكْمُنُ هُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ (البقرة - ۱۷۱)

اس زمانہ کا اصلی مرض دراصل دین کے بارہ میں بے حس و بے طلبی اور مذہبی سوالات کے بارہ میں کامل بے تعلقی اور بے نیازی ہے جس کا علاج سب سے زیادہ مشکل ہے اور جس کی موجودگی میں کوئی مذہبی دعوت و تلقین کارگر نہیں ہو سکتی، مذہب اخلاق کی دعوت کو فسق و فجور اور مصیبت و غفلت کے تاریک دور اور انکار و مخالفت کے پر شور سے پر شور عہد میں وہ مشکلات پیش نہیں آئے جو مذہب کے بے تعلقی و بے نیازی کے اس خاموش و پرسکون دور میں پیش آئے ہیں جہاں سرے سے سیاسی اور پائی کی طلب ہی نہ ہو وہاں پائی کا اہتمام اور خضر کی رہنمائی سب بے ضرورت ہے اِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتٰی وَلَا تَسْمَعُ الصَّمَّةَ الذُّعَاۓ اِذَا تَلَوَّا مَدِّیْنَ

ایک مغربی یونیورسٹی کے معلم فلسفہ و علم النفس نے اس حقیقت کا خوب ادراک کیا ہے اور اس فرق کی صحیح تحلیل کی ہے جو قدیم و جدید نفسیات میں پایا جاتا ہے اس نے اس ایک جلد میں ایک کتاب کا مضمون سمیٹ لیا ہے :-

”بہ ہی سوالات پہلے پیدا ہوتے تھے ممکن ہے ان کا تشفی بخش جواب نہ ملتا ہو مگر اس زمانہ کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہ سوالات سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتے؟“

## ذوق خدا طلبی کا عالم گیر فقدان

اسلامی تمدن و حکومت کے عالم گیر اثرات کے تذکرہ میں گزر چکا ہے کہ اس کے اثر سے پوری دنیا میں (جو اسلام اور مسلمانوں کے زیر اثر تھی) خدا طلبی کا عام ذوق پایا جاتا تھا، ہزاروں لاکھوں اشخاص دین کا طلب اور مردان خدا کی تلاش میں دنیا کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ میں پہنچتے تھے، دنیا داری اور مادیت کے پھیل جانے کے بعد دینی رجحان اور خدا طلبی کا مرکز ان حضرات کی ذات اور ان کے مقامات تھے جنہوں نے غفلت اور مادیت کے سمندر میں انسانی زندگی کے چھوٹے چھوٹے جزیرے قائم کر رکھے تھے، جہاں وہ لوگوں کو مادیت کے اس بھنور سے نکال کر ان کی دینی تربیت کرتے تھے اور ان میں طوفان کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت و قوت پیدا کرتے تھے، بعد کی صدیوں میں ان کو صوفیہ و مشائخ کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

ان حضرات کی طرف رجوع ان آخری صدیوں میں دینی رجحان اور عام مسلمانوں کے ذوق خدا طلبی کا ایک حد تک پیمانہ ہے جس سے ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ لوگوں میں اس زمانہ میں مادیت و دنیا داری سے کس حد تک گریز اور دین کی کہاں تک طلب پائی جاتی تھی۔

عالم اسلامی کے مرکزی شہروں میں تقریباً ہر جگہ ایسے شخص موجود تھے جن کی ذات بجز غفلت

میں روشنی کا مینار تھی، لوگ پروانوں کی طرح اس روشنی پر گرتے تھے، دنیا کے دور دراز گوشوں سے طالبینِ خدا وہاں جمع رہتے تھے، وہ مسلمانوں کی ایک بڑی بین الاقوامی آبادی ہوتی تھی جہاں ایک وقت میں مشرق و مغرب شمال و جنوب کے مسلمان پائے جاتے تھے اور اسلام کی وسیع دنیا وہاں سٹی ہوئی نظر آتی تھی۔

ہمارا ملک ہندوستان جو اسلامی دنیا کے ایک سرے پر واقع ہے، دینی ذوق و شوق اور خدا طلبی کا ایک بڑا مرکز ہے، یہاں ہر دور میں مسلمان سلاطین کی سلطنت کے پہلو پہلو دینی و روحانی حکومت کے آزاد مرکز قائم رہے، جہاں سیکڑوں ہزاروں اشخاص اپنے زمانہ کی تمام آدمی ترغیبات سے آزاد اور حکومت و سیاست کے انقلابات سے بے نیاز ہو کر اپنا کام کرتے تھے۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۴۵ھ) کی روحانی نوآبادی سببی عیث پور اس کی ایک اچھی مثال ہے جس نے عین مرکز حکومت (دہلی) میں آٹھ باجرت سلاطین (غیاث الدین بلبن ۶۶۶-۶۸۶ء سے لے کر غیاث الدین تغلق ۷۲۰-۷۲۵ء تک) کے عہد حکومت میں تقریباً پچاس برس تک اپنی خود اختیاری اور بے نیازی قائم رکھی اور جہاں سب سے بڑے اور دھڑلے کے طالبینِ خدا پڑے رہتے تھے۔ اگر تمام سلاسل طریقت کے بزرگوں کے مرکزوں کی آبادی اور ان کی طرف لوگوں کے

رجوع کی تفصیل لکھی جائے (جس سے اس زمانہ کے دینی طلبہ رحمان اور دینی عزت و احترام کا اندازہ ہوتا ہے) تو اس کے یہ اوراق متحمل نہیں اس لئے نمونہ کے طور پر صرف ایک سلسلہ

۱۔ حضرت نظام الدین غیاث الدین بلبن کے عہد حکومت میں ۶۶۹ھ میں دہلی تشریف لائے کچھ عرصہ تک

مختلف محلوں میں قیام رہا پھر سببی عیث پور (حال سببی نظام الدین) میں منتقل قیام اختیار کیا ۷۲۵ھ تک مختلف سلاطین آپ کے لئے کی کوشش کرتے رہے لیکن کسی کو کامیابی نہیں ہوئی، تقریباً ۹۰ برس کی مدت تک آپ او

آپ کے اہل زاویہ بالکل کیسے رہے۔ ۷۴۵ھ شیخ حسن علائحی۔ ۷۴۵ھ شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی۔

(سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ) کے چند بزرگوں کے ساتھ مسلمانوں کے تعلق اور ان کی طرف اہل زمانہ کے رجوع کا مجمل ذکر کیا جاتا ہے جس سے اندازہ ہوگا کہ ان کے زمانہ میں جو اہمیت اور نیا داری کے عروج کا زمانہ تھا ذوقِ خدا طلبی کا کیا حال تھا اور دین کی کشش کہاں کہاں لوگوں کو کھینچ کر لاتی تھی۔

حضرت شیخ احمد سرسندی مجدد الف ثانیؒ (م ۱۰۳۲ھ) کے متبعین کی فہرست پر نظر ڈالئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہندوستان و افغانستان کے کتنے شہروں اور قصبہ کے کتنے کثیر التعداد باشندے اور عہدِ بھائیگیری کے کتنے بڑے بڑے امیر اور ارکانِ دولت ان کے حلقہٴ ارادت و بیعت میں داخل تھے، اور کتنی دور سے انھوں نے سرسند آکر استفادہ کیا تھا۔

ان کے حلیل القدر خلیفہ حضرت سید آدم بنوریؒ (م ۱۰۵۳ھ) کی خانقاہ میں ایک ایک ہزار آدمی روزانہ ہوتے تھے، جو دونوں وقت خانقاہ میں کھانا کھاتے تھے ان کی سواری کے ساتھ ہزاروں ہزار آدمی اور سیکڑوں علماء ہوتے تھے، تذکرہ آدمی میں ہے کہ ۵۲۰۰ میں جب آپ لاہور تشریف لے گئے تو سادات و مشائخ اور دوسرے طبقوں کے دس ہزار آدمی آپ کے ہمراہ تھے، طالبین کا اتنا مجمع ہر وقت رہتا تھا کہ شاہجہاں کو ان کی طرف سے خطرہ پیدا ہو گیا تھا، اس نے کچھ رقم بھیج کر کہلوا یا کہ آپ پرچہ فرض ہو گیا ہے، آپ حرمین تشریف لے جائیں، چنانچہ آپ ہندوستان سے ہجرت کر گئے۔

مجدد صاحب کے نامور خلیفہ اور صاحبزادہ حضرت خواجہ مصومؒ (م ۱۰۷۹ھ) کے ہاتھ پر نو لاکھ <sup>۹۰۰۰۰</sup> انسانوں نے بیعت و توبہ کی اور سات ہزار آدمی خلافت سے مشرف ہوئے۔

ان کے صاحبزادہ شیخ سیف الدین سرسندیؒ (م ۱۰۹۶ھ) کی خانقاہ (دہلی) میں طالبین کے ہجوم کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صاحبِ فیل الرشحات کے بیان کے ... مطابق ایک ہزار چار سو آدمی دونوں وقت ان کے دسترخوان پر اپنی فرائض اور خواہش کے موافق کھانا کھاتے تھے۔

لے زہنہ الخواطر جلد پنجم ۵۱۵ ایضاً

امرا اور اہل ثروت کا بزرگان دین سے جو تعلق (دینی محبت و احترام) کی بنا پر تھا، اس کا ایک نمونہ یہ تھا کہ حضرت خواجہ محمد <sup>رحمہ اللہ</sup> (م ۱۱۵۱ھ) جب مکان سے سجد تشریف لے جاتے تو امرا و راستہ میں دو شالے اور رومال بچھا دیتے کہ آپ کا پاؤں زمین پر نہ پڑے کسی مریض کی عیادت یا کسی اور کام کے لئے کہیں تشریف لے جانا ہوتا تو آپ کی سواری بادشاہوں کی طرح نکلتی اور آپ کے جلو میں امرا اور اہل دولت کی پالکیاں اور سواریاں ہوتیں۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد تجارت میں انقلاب حکومت کچھ پہلے تک یہ حق پورے طور پر موجود تھا، حضرت شاہ غلام علی <sup>رحمہ اللہ</sup> (م ۱۲۴۰ھ) (خلیفہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں) کے عہد میں دہلی کی خانقاہ مجددیہ طالبین کا بہت بڑا مرکز تھی، سر سید احمد خاں مرحوم آثار الصداۃ <sup>رحمہم اللہ</sup> میں لکھتے ہیں :-

”میں نے حضرت کی خانقاہ میں اپنی آنکھ سے روم اور شام اور قباد اور مصر اور چین اور حبش کے لوگوں کو دیکھا ہے کہ حاضر ہو کر بیعت کی اور خدمت خانقاہ کو سعادت ابدی سمجھے اور قریب قریب کے شہروں کا مثل ہندوستان اور پنجاب اور افغانستان کا تو کچھ ذکر نہیں کہ بڑی دلی کی طرح امنڈتے تھے، حضرت کی خانقاہ میں پانچ سو فقیرت کم نہیں رہتا تھا اور سب کاروٹی کپڑا آپ کے ذمہ تھا۔“

شاہ رؤف احمد مجددی <sup>رحمہم اللہ</sup> درالمعارف میں صرف ایک روز کے طالبین کے مقامات کی فہرست لکھتے ہیں جو ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۲۳۱ھ کو دہلی کی اس خانقاہ میں استفادہ کے لئے حاضر تھے:

”سید فخر بنجا، غزنی، تاشقند، حصار، قندھار، کابل، پشاور، کشمیر، ملتان، لاہور، سرہنہ، امر وہہ، سنہیل، رام پور، بریلی، لکھنؤ، جالیں، بہرائچ، گورکھ پور،

لے درالمعارف ارشاد رحمانی از ہند الخواصر ۵ آثار الصداۃ باب چہارم۔

عظیم آباد، ڈھاکہ، حیدر آباد، پونہ وغیرہ

اور یہ وہ زمانہ ہے جب نہ ریلیں تھیں نہ آمد و رفت کی وہ سہولتیں جو آج حاصل ہیں۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے اسی دور میں انگریزی علمداری سے کچھ پہلے حضرت سید احمد شہیدؒ

(۱۲۴۶ھ) اور ان کے حلیل القدر رفیقوں، مولانا عبدالحی برہانویؒ (م ۱۳۴۲ھ) اور مولانا

اسمعیل شہیدؒ (ش ۱۲۴۶ھ) اور ان کے مخلص مکتوبوں نے مسلمانوں کو خدا اور رسول کی طرف رجوع

کی دعوت دی اور *فَقَدْ دَا إِلَى اللَّهِ* (خدا کی طرف بھاگو) کی صدا بلند کی اور غفلت و معصیت اور

خلافت شرع زندگی کے خلاف جدوجہد شروع کی، مسلمانوں نے جس ذوق و شوق کے ساتھ اس دعوے

پر لبیک کہی اور جس طرح پروانہ وار اس جماعت کے امیر کے گرد جمع ہوئے جس عالی حوصلگی اور فراخ دہی

کے ساتھ اس کے وفود کا خیر مقدم کیا اور اپنی دینی محبت کو واضح کاشفوت یا پھر جس طرح ہندوستان میں

اسلام کے سائے بانوں کے بہترین پھولوں کا عطر کھینچ کر ان کے پاس پہنچ گیا (جو ۱۲۴۷ھ کے آخر

میں بالاکوٹ کی ٹٹی میں مل گیا) اس سے اس کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اس منزل کے دور میں بھی

مسلمانوں میں دین کی کتنی طلب اور خدا طلبی کا کیسا ذوق اور نشہ او کیسی عالی ہمتی اور کتنی اچھی

صلاحیت واستعداد تھی۔

مسلمانوں کے اس دینی ذوق کا اندازہ ان تبلیغی سفروں کی روداد سے ہوگا جو سید احمد

نے بڑی بڑی جماعتوں کے ساتھ دو آب کے قصبات اور شہروں میں اور پھر اودھ میں کیے۔

مسلمانوں کے ذوق و اشتیاق کا مزید اندازہ سید صاحب کے سفر حج سے ہوگا جو آپ نے

۱۲۳۶ھ میں کیا، اس پورے سفر میں ہندوستان کا وہ مشرقی خطہ جو اب تین صوبوں (صوبہ متحدہ

بہار اور بنگال) پر مشتمل ہے اور اس قافلہ کی گزرگاہ تھا، مسلسل جنبش اور حرکت میں تھا، ہر جگہ

لے در المعارف ملتا ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سیرت سید احمد شہیدؒ، طبع شانت

دین کے طالب مسلمان پروانوں کی طرح گرتے تھے، معصیت اور غفلت کی زندگی سے توبہ کرتے تھے، اور خدا سے نیا عہد و پیمان باندھتے تھے، دیہاتوں اور گاؤں کے لوگ سیکڑوں کی تعداد میں حق جو حق آتے تھے، اور بیعت و توبہ کرتے تھے، اہل شوق اپنے مواضعات اور مقامات پر لے جاتے تھے، متوسل الحال لیکن بلند ہمت مسلمان پورے قافلہ کی (جس میں کلکتہ پہنچتے پہنچتے ساڑھے سات سو آدمی ہو گئے تھے) اور ان صد ہا مسلمانوں کی جو قرب و جوار سے جمع ہو جاتے تھے، دل کھول کر کئی دن ضیافت کرتے تھے، مسلمان رؤساء، شایانہ اولوالعزمی سے دین کے کام میں اپنی دولت صرف کرتے تھے، شیخ غلام علی حصار میں آباد نے بارہ پندرہ دن میں مجموعی طور پر تیس ہزار روپے خرچ کئے، ان کے دسترخوان پر دونوں وقت سیکڑوں آدمی کھانا کھاتے تھے، بعض لوگوں کا تخمینہ تھا کہ ایک ہزار روپیہ روزانہ کھانے پر صرف ہوتا تھا۔

لوگوں کے رجوع اور اہل طلبہ، ہجوم کا یہ عالم تھا کہ پورے پورے شہروں میں تھوڑے آدمی ایسے ہوں گے جو توبہ و بیعت سے اور اس قافلہ کے دینی برکات سے محروم رہ گئے ہوں گے، آباد مرزا پورا، بنارس، غازی پور، عظیم آباد، پٹنہ اور کلکتہ میں مجموعی طور پر کئی لاکھ مسلمانوں نے بیعت و توبہ کی، دین کی عمومی اہمیت اور طلبہ کا اندازہ اس سے ہو گا کہ بنارس میں ہسپتال کے مریضوں نے بھی پیغام بھیجا کہ ہم معذور ہیں وہاں تک ہمارا آنا دشوار ہے، اگر آپ شرفی الشہداء تشریف ارزانی فرمائیں تو ہم بیعت کریں، آپ ایک روز چند آدمیوں کے ہمراہ تشریف لے گئے، اور ان مریضوں نے بھی توبہ و بیعت کی۔

کلکتہ میں دو مہینے قیام رہا، روزانہ ایک ہزار آدمی کے قریب بیعت سے مشرف ہوتے، روز بروز ہجوم بڑھتا جاتا تھا، کثرت بیعت کا یہ حال تھا کہ صبح سے دو ڈھائی پہر رات گئے تک مردوں اور

لے مخزن احمدی (فارسی) از مولوی محمد علی صاحب مرحوم (م ۱۲۶۶ھ) ج ۱ ص ۱۵۵

عورتوں کا ہجوم رہتا، سید صاحب کو سوائے نماز پڑھنے کھانا کھانے اور ضروریات بشری کے کچھ فرصت نہ ملتی علیحدہ علیحدہ ایک ایک شخص سے بیعت لینا محال تھا، ایک وسیع مکان میں سب جمع ہو جاتے آپ تشریف لاتے سات آٹھ دستاریں کھول کر آپ لوگوں کے ہاتھ میں دے دیتے لوگ ان کو جا بجائے تمام لیتے اور آپ بیعت کے الفاظ کو اذان کی طرح بلند آواز سے تلقین فرماتے دن میں سترہ اٹھارہ بار یہی عمل ہوتا اور ہزاروں آدمی روزانہ اس طرح بیعت سے مشرف ہوتے۔

نماز فجر کے بعد سید صاحب نے ۱۵-۲۰ روز تک عطا فرمایا، دو دو ہزار امرا اور علما اور دانش ہر روز لاتے تھے اور غریبوں کا تو کچھ شمار نہ تھا، مولانا عبدالحی صاحب جمہ و رشتہ کو نماز ظہر کے بعد سے شام تک عطا فرماتے تھے اور لوگ پروانہ دار جمع ہو جاتے تھے روزانہ ۱۰-۱۵ ہندو مسلمان ہوتے۔

اصلاح و دین داری توبہ و انابت کی اس عمومی فضا کا اثر یہ ہوا کہ کلکتہ میں یکے بعد دیگرے کئی موقوف ہو گئی، دوکانداروں نے جاکر سرکار انگریزی میں اس کا شکوہ کیا کہ ہم لوگ سرکاری محصول بلا غدارا کرتے ہیں اور دکانیں ہماری بند ہیں جب تک ایک بزرگ اپنے قافلہ کے ساتھ اس شہر میں آئے ہیں شہر اور دیہات کے تمام مسلمان ان کے رید ہوئے اور ہر روز ہوتے جاتے ہیں انھوں نے کل سگرات (نشہ آور چیزوں) سے توبہ کی ہے اب کوئی ہماری دوکانوں کی طرف ہو کر بھی نہیں نکلتا۔

دین اور اہل دین کی محنت کا یہ حال تھا کہ جب محتاج کا یہ قافلہ جو سات سو آدمیوں پر مشتمل تھا کہ منظر سے واپسی میں مرشد آباد کے قریب یوان غلام مرتضیٰ کے دولت خانہ پر مقیم ہوا تو دیوانہ صاحب نے بھرے بازار میں اعلان کر دیا کہ سید صاحب کے قافلہ کا جو آدمی اس بازار سے کچھ خریدے یا کسی دستکار سے کام لے تو اس کی قیمت و اجرت میرے ذمہ ہے سید صاحب نے ان کو سمجھایا کہ آپ اس قدر زیر بار کیوں ہوتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ کسی مسلمان کے گھر کوئی حاجی آجاتا ہے تو اس کی بڑی سرفرازی

لے و قائلہ احمدی (قلی) لے ایضاً لے ایضاً



ہوتے ہیں، اپنی قسمت پر جو کچھ ناز کروں کم ہے کہ اتنے محتاج نے مجھے سرفراز فرمایا۔

پھر حبيب صاحب نے مسلمانوں کو جہاد کی دعوت دی تو مسلمانوں نے گرم جوشی کے ساتھ قبول کی، کاشتکار ہل چھوڑ کر تاجر دکانیں بند کر کے ملازم اپنے آقا کو سلام کر کے امر اپنے محلوں سے نکل کر علماء اور شاخِ سنہ درس و ارشاد چھوڑ کر ساتھ ہو گئے اور کسی نے پلٹ کر اپنے گھر کو نہ دیکھا یہاں تک کہ ان سرفروشنوں کی آخری جماعت نے بالاکوٹ کی تنگ اور سنگ لاج گھاٹی میں بن پتھروں اور چٹانوں کے درمیان (جن میں مسافر کا چلنا بھی آسان نہیں) اپنے سے دس گنا حریف کے مقابلہ میں جان دی اور مرتے مرتے بھی گھر کو یاد نہ کیا۔

یہ ساری تفصیل اس لئے لکھی گئی ہے کہ اس کا اندازہ کیا جائے کہ مسلمانوں کے برائے نام اقتدار کے بالکل آخری دور میں اور ان کے نثر و انعطاف کے شباب کے زمانہ میں بھی لیکن مغربی استیلا و تغلب کے عہد سے پہلے مسلمانوں میں کتنی دینی طلب اور قدراور کس قدر دین کا ذوق و احساس اور کس قدر عالی ہمتی اور بلند حوصلگی تھی۔

انگریزیveldary کے ابتدائی دور میں بھی جب کہ مغربی تہذیب و تعلیم اور اخلاق و سیاست کا اثر ہندوستان کی عام زندگی پر نہیں پڑا تھا، پہلے دور کے اثرات موجود تھے اگرچہ ان کا دم واپس تھا، اور حضرت مولانا فضل رحمن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۰۸-۱۳۱۳ھ) جیسے بزرگ جنھوں نے دونوں دور اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے اپنے زمانہ کی دینی ویرانی پر حسرت کرتے تھے اور بڑے درد سے فرماتے تھے: ع،

جو بچتے تھے دولہ دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

لیکن اگرچہ بادخراں چلنے لگی تھی مگر خراں کا دور دورہ نہیں ہوا تھا، خدا طلبی کا ذوق موجود تھا

۱۔ تنصیر السعداء از مولوی سید جعفر علی نقوی (م ۱۲۸۸ھ)

اہل اللہ سے تعلق اور اصلاح و تربیت زندگی کا ایک ضروری شعبہ سمجھا جاتا تھا، اہل علم و اہل دین کو چھوڑ کر عام کاروباری مسلمان اور دنیا دار امراء بھی اس خیال سے خالی اور اس شوق سے محروم نہ تھے، بڑے بڑے مرکزی شہروں کو چھوڑ کر چھوٹے چھوٹے قصبہ اور گاؤں بھی مردانِ خدا سے معمور تھے، خدا کی طرف بلانے والے اور اللہ کا نام سکھانے والے مسلمانوں کی آبادیوں اور شہروں قصبوں اور دیہاتوں میں اس طرح تسلسل کے ساتھ پائے جاتے تھے کہ شکل سے کوئی کوڑھان کے وجود سے خالی ہوگا، آج سے تیس چالیس برس پہلے کے ہندوستان پر نظر ڈالئے یا مغرب زدگان کے سنئے ملک کے ایک گوشے سے دوسرے گوشہ تک چراغوں کی ایک قطار نظر آئے گی۔

رفتہ رفتہ یہ چراغ سحر ایک ایک کر کے بجھنے شروع ہوئے، دیئے سے دیا جلتا تو عرصہ سے موقوف ہو گیا تھا، یہ سبہ دیئے بھی گل ہو گئے، موسم نے رفتہ رفتہ پورا اثر کیا، فصل خزاں میں درختوں کو ہلاتے اور سوکھے پتے گرنے لگے، لیکن موسم اور ہوا کی تاثیر ہے کہ پتے اور پھول سوکھ سوکھ کر خود جھڑ جاتے ہیں، انگریزی عمارت کی طرف سے کبھی یہ اعلان نہیں ہوا کہ خانقاہیں بند کر دی جائیں اور اصلاح و ارشاد کی بساط تہ کر دی جائے اس کے بجائے اس زمانہ میں سفر کی بڑی سہولتیں پیدا ہو گئیں، اور دور دراز کے مقامات پر پہنچنا پہلے سے بہت آسان ہو گیا، مگر دلوں سے وہ طلب اور شوق ہی نکل گیا جو سمرقند و بخارا سے طالبین کو پیادہ پار پی لایا کرتا تھا، اس نے اس درخت پر زمینہ کبھی نہیں جلایا اور اس کو کبھی آگ نہیں دی، مگر پڑ کو پانی نہ پہنچنے اور موافق ہوا اور فضا نہ پانے کی وجہ سے اس کی شاخیں خود بخود کھتی چلی جا رہی ہیں اور پھلنا پھولنا اس نے عرصہ سے چھوڑ دیا ہے۔

زندگی میں خدا طلبی کا کوئی خانہ اور چھوٹے سے چھوٹا گوشہ بھی نہیں رہا، قلب روح کی جگہ بھی معدہ اور کلم نے پر کر دی، زندگی کی تمام بلند اور لطیف حقیقتیں اوجھل ہو گئیں، اب مرنے

ہاتھ غیب کی زبان پر ہے۔

نہ ہونڈھ اہل دل کو اب کہ جوشِ قلمِ فنا  
متلع درجن میں تھی وہ کشتیاں ڈلو چکا

## دنیا طلبی کا بحران

خدا طلبی کے بجائے اب یہ دنیا طلبی کا دور ہے اور اس سے کہیں زیادہ زور شور کے ساتھ آیا ہے اس مغربی تہذیبِ اقتدار کے دور میں دنیا طلبی اور شکم پری کا جو طوفان آیا ہے اس کے لئے بحرانِ وِہدیان سے کم الفاظ کفایت نہیں کرتے، مال و دولت کی ایک نہ مٹنے والی بھول و رابک نہ بھینے والی پیاس ہے جس کو جو عاقل بقدر کہئے یا استغنا کا مرض، ہر طرف، ہل من متزید کی صدا بلند ہے زندگی کی ہوس اتنی بڑھ گئی ہے اور عجیب و غریب بلندگیاں ہے کہ مسافر طبع کو کسی منزل پر قرار اور طائرِ حرص کا کسی بام بلند پر بھی آشیانہ نہیں، دولت اور عزت و جاہ کی کوئی بڑی سی بڑی تعداد اور اونچی سی اونچی سطحِ تشفی کے لئے کافی نہیں۔

مغربی تہذیبِ اقتدار کے اس دور میں درحقیقت نہ علم کا حقیقی ذوق ہے نہ دین کا نہ کوئی اور ذوق لطیف کام کر رہا ہے، بالشت بھر پیٹنے نے زندگی کی ساری وسعت گھیر لی ہے، عالمِ خیال میں کتابیں تصنیف کرنے والے خوش فکر مصنفین جو چاہیں لکھیں، علمی زندگی میں اس وقت صرف ایک قوتِ محرکہ اور ایک زندہ حقیقت پائی جاتی ہے اور وہ پیٹ ہے یا جیب ہے۔

سڑ جوڈ کا قول صرف یورپ ہی کے متعلق صحیح نہیں ہے بلکہ ساری مغربِ زدہ دنیا کے متعلق صحیح ہے۔

”جو نظرِ حیات اس زمانہ پر متولی اور غالب ہے وہ اقتصادی نظریہ اور ہر مسئلہ

اور معاملہ کو پیٹ یا جیکے نقطہ نظر سے دیکھنا اور جانچنا ہے؟

کسی زمانہ کے ذوق اور رجحان عام اور حقیقی مسئلہ زندگی کا صحیح اندازہ ان کتابوں نہیں ہوتا جو اس زمانہ میں تصنیف کی جاتی ہیں (اگرچہ عام ذوق و رجحان کے اثرات سے کتابیں بھی محفوظ نہیں ہوتیں اور وہ کئی کئی پردوں سے بھی جھلکتا ہے) لیکن بعض اوقات مصنفین اپنے انفرادی ذوق یا قوم کی کسی مختصر جماعت کے رجحان کے نائندے ہوتے ہیں اور بعض اوقات واقعات کے بجائے اپنی خواہشات کو واقعات کے طور پر پیش کرتے ہیں یا زمانہ کے ذوق اور رجحان کا حقیقی اندازہ روزمرہ کی زندگی بے تکلف گفتگو، مجالس کے موضوع سخن اور لوگوں سے ملنے کے بعد ہوتا ہے بقول اکبر مرحوم ۷

نقشوں کو تم نہ جانچو لوگوں سے مل کے دیکھو

کیا چیز جاری ہے کیا چیز مر رہی ہے

اس اصول پر ریل کے طویل سفروں میں صبح و شام کی سیر میں چائے اور کھانے کی میز پر، پارک اور سیرگاہوں کے سبزہ نشستوں پر، اجابہ رفقاء کی بے تکلف گفتگو کے موقع پر کان لگا کر سنئے کیا موضوع ہے؟

تنخواہوں کی کمی بیشی، افسروں کی رضامندی و ناراضماندی، احکام کا تبادلہ اور ان کے مزاج و معاملہ پر تنقید، تجارتوں کا منافع ٹھیکہ رک کے احکامات، بینکوں کے حسابات شرح سود، کمپنیوں کے حصص، انشورنس کمپنی پالیسی، پنشن اور پراویڈنٹ فنڈ، سبکدوشی کے بعد ملازمت کے امکانات، فتوحات کے واقعات، خوش قسمتوں پر رشک، بے قسمتوں پر تاسف اور اسی قبیل کی باتوں کے سوا آپ کو شش کے باوجود بھی کوئی موضوع گفتگو نہیں پائیں گے۔

یا پھر سیاسی حالات اور ان پر تبصرہ لیکن کسی اخلاقی نقطہ نظر سے نہیں کسی نظام فاسد پر

اخلاقی تنقید اور کسی نظام صانع کی تمنا کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔

مغربی اس بارہ میں امام ہے اور ہندوستان کے ہندو اس معاشی ہمراہ دست "میں اس کے قدم بہ قدم اور افسوس ہے کہ مسلمان بھی اب اس کے نقش قدم پر ہے۔

## اخلاقی تغیر و زوال

مشرق میں جب اول مغربی تاجر پھر فاتح آئے ہیں تو یہاں عرصہ سے اخلاقی انحطاط شروع ہو چکا تھا، مشرقی اور اسلامی تہذیب کی خصوصیات انور و تیز نل تھیں یا ان میں فراہ و تقریط اور تحریف شروع ہو چکی تھیں، لیکن پھر کبھی بعض ایسے اخلاقی خصائص پائے جاتے تھے، اور اس میں ایسی ترقی ہو چکی تھی جس کا تصور کبھی اس زمانہ میں مشکل ہے، مشرقیوں نے بعض اخلاق و خصائل کو ترقی دیتے دیتے ایک مستقل فن بنادیا تھا، اور اس میں ایسی نزاکت و نفاست پیدا کی تھی جو مغرب میں صرف ادب و شاعری اور فنون لطیفہ کا حصہ ہے۔

اسلامی مشرق میں افراد معاشرہ کے باہمی تعلقات اتنے مستحکم دیرپا اور عمیق تھے، جو اس زمانہ کے تصور سے بالاتر ہیں، اولاد کی محبت والدین کے ساتھ والدین کی شفقت اولاد کے ساتھ خور و کی تعظیم بزرگ کے لئے، بزرگ کی توامع و شفقت، عورت کی عفت بآبی ازدواج و ناداری، لامر کم کی نمک حلائی اور امانت داری، نوجوانوں کی اخلاقی انتقامت، شرف کا معاملہ و ملک، تعلقات و ملاقات، اوقات و معمولات، لباس و معاشرت میں کمال یکسانی اور وضعداری، دہنتوں کے لئے ایشاد و قربانی اور ہمدردی اس میں سے ہر ایک لیا وسیع عنوان ہے، جس کے ماتحت ایسے واقعات میں جن کو زیادہ زمانہ گزر جانے کے بعد آسانی سے باور نہیں کیا جائے گا، لیکن ابھی ان کے باور کرنے کے اسباب و قرائن موجود ہیں۔

اولاد کی اطاعت و سعادت مندی اسلامی مشرق میں ابھی کچھ غرضہ پہلے تک (اور شاید کہیں کہیں اب بھی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی پوری تمیل نہیں جو آپ نے ایک شخص سے فرمایا تھا کہ "انت و عائلۃ لا بیعت" (تم اور تمہاری ملکیت و دولت سب تمہارے باپ کی ہے)

والدین کی محبت اور ادائے حقوق کا جذبہ ان کی ذات اور ان کی زندگی تک محدود نہ تھا ان کے بعد بھی اس کا سلسلہ جاری رہتا تھا، ان کے دوستوں اور عزیزوں کے ساتھ سلوک انتہائی تحائف و ہدایہ کے ذریعہ اظہارِ محبت و تعلق، سعادت مند اولاد کے گویا اخلاقی فرائض اور سعادت مندی کے لوازم میں سے تھا، اور یہ بھی دراصل نبوت کی اس اعلیٰ اخلاقی تعلیم کا نتیجہ اور پرتو تھا کہ من ابدا البرصۃ الرجل اهل و دایۃ بعد ان یوقی (سب سے بڑی نیکیوں میں سے ایک نیکی انسان کا اپنے والد کے دوستوں کے ساتھ اس کے انتقال کے بعد حسن سلوک ہے)۔

والدین کا تعلق اولاد کے ساتھ صحیح خیر خواہی اور مشرقی ایشیاء و قربانی کا نمونہ ہوتا تھا وہ اس کے لئے اپنے لذائذ، خواہشات اور راحت قربان کرتے تھے، اور اس کی صحیح تعلیم و تربیت اپنا اصلی فرض سمجھتے تھے، اور اس کی تعلیم اخلاقی تنبیہ اور استادوں کی سرزنش و تادیب کے موقع پر اپنا دل پتھر کا بنا لیتے تھے، ایسے موقع پر بچہ کی جانب اری اور استاد کے فعل سے آزرگی میاں شرافت سے بہت گری ہوئی بات سمجھی جاتی تھی جس کے لئے کوئی شریف باپ تیار نہیں ہوتا تھا، یہاں تک کہ غیر تعلیم یافتہ والدین بھی بعض اوقات استاد کی زیادتی پر استادوں ہی کی تائید اور بچہ کی کوجر و تنبیہ کرتے تھے، یہ فقرہ عام طور پر والدین کی زبان زد تھا کہ "استاد کا حق باپ سے زیادہ ہے"۔

اسلامی معاشرے میں بڑے اور چھوٹے کا تعلق من لم یحکمہ صغیرنا و لم یوقرہ کبیرنا (فلیس منّا) جو اپنے خود پر شفقت نہ کرے اور جماعت کے بزرگ کی توقیر نہ کرے وہ ہماری جماعت میں سے

لم یصح مسلم

نہیں ہے) کی تصویر تھی۔

مشرقی اخلاق و تہذیب کا جو ہر وضعداری و استقامت اور زندگی کی کیانی ہے اس پچھلے دور میں اس برسرِ تنزل سوسائٹی میں بھی اس بارہ میں عجیب و غریب مثالیں ملتی ہیں جو شخص جو کام شروع کر دیتا تھا، برسوں کرتا رہتا تھا، جو معمول مقرر کر لیتا تھا، اس میں موسم کے تغیرات، صحت کے آثار پڑھاؤ اور معمولی مواقع اور کسندی سے فرق نہیں آنے دیتا تھا جس سے جس طرح معاملہ شروع کر دیتا تھا، آخر دم تک نباہتا تھا، خواہ اس پر کچھ بن جائے اور حالات میں کچھ بھی تغیر ہو جائے۔

اس دور میں خاندانی اور قبائلی زندگی میں فرد کی عزت و توقیر کا میار اور تعلقات کی وابستگی کی شرط تنہا دولت و ثمنول نہ تھی، ایک خاندان میں مختلف افراد خاندان مختلف معاشی سطح کے ہوتے، کوئی دولت مند ہوتا، کوئی تنگدست و پریشان حال لیکن خاندانی اجتماعات و مجالس میں یہ مجال نہ تھی کہ مالی حیثیتوں کے فرق کی بنا پر ایک خاندان کے لوگوں کے درمیان تفریق یا مختلف معاملہ کیا جاتا اگر کبھی ایسی غلطی ہو جاتی تو اس پر سارا خاندان احتجاج اور بعض اوقات تقاطع کرتا، ایک تنگ دست شریف زادہ دوسرے مرقداً محال بھائی سے آنکھیں چار کر کے باتیں کرتا اور وہ اس کے علوئے خاندانی جو ہر شرافت یا ایاقت یا قرابت کی بنا پر مساویانہ سلوک کرتا، اس میں بھی بڑا اہتمام تھا کہ غربت و عسرت کا اظہار قریب ترین تعلقین کے سوا کسی پر نہ ہونے پائے۔

اسلامی ماحول کے دور آخر تک شریف و با اصول انسان کا ضمیر اس کی عزت اُبردار و مذہبی عقیدہ کی طرح ایک ایسی ناقابلِ فروخت چیز سمجھی جاتی تھی جس کا دنیا میں سودا نہیں ہو سکتا تھا اور جو بڑی سے بڑی قیمت پر فروخت نہیں کیا جاتا تھا ۱۸۵۷ء کے آگے سچھے مسلمان شرفا کی مندرجہ نظریں ملیں گی کہ انھوں نے اپنا خون گوارا کیا لیکن ضمیر کا خون کرنا پسند نہیں کیا اور اس لئے گوئی کھائی یا پھانسی پر چڑھے کہ جھوٹ بولنا منظور نہ تھا، اور جان بخشی کے لئے ضروری تھا کہ وہ جھوٹ بول کر اپنی صفائی

پیش کریں، اور ہنگام میں شرکت سے انکار کریں جو ان کے نزدیک خلاف واقعہ و خلاف ضریح تھی۔  
 قومی و ملی باتوں میں بھی وہ اس طرح سچے ثابت ہوتے تھے جس طرح شخصی خاندانی معاملات میں  
 قومی حبصیت و جانبداری کی وہ ہوا جو مغربی قوم پرستی کے دور میں چلی ہے اس وقت تک نہیں چلی تھی  
 وہ قوم کے معاملات میں بھی جھوٹ بولنا، جھوٹی شہادت دینا، اسی طرح گناہ سمجھتے تھے جس طرح اپنے ذاتی  
 معاملات میں احکام شریعت کو وہ شخصی اور قومی تمام امور و مسائل کے لئے عام سمجھتے تھے، اور  
 قرآن مجید کی حسبِ فیل ہدایات ان کے پیش نظر تھیں:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ مَا كَانَ لِلرِّسَالَةِ  
 بِالْفَضْلِ شَهَادَةً وَأَنَّهُ وَرَءَىٰ  
 أَنفُسُكُمْ وَأَنُؤَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ۔  
 (النساء-۱۳۵)

کسی قوم کی دشمنی نہیں اس بنا پر کہ وہ نہ کہے  
 کہ تم اس کے معاملہ میں انصاف کا دامن ہاتھ  
 سے چھوڑ دو، انصاف کا اور خدا ہی سے  
 زیادہ قریب اور اللہ کا حکم کرو۔

وَإِذَا خَلَبْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَقْلُوا  
 بِالْعَدْلِ (سورة النساء-۵۸)  
 جب لوگوں کے درمیان حکم اور ثالث ہو تو  
 عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔

وَإِذَا خَلَبْتُمْ فَاغْلُظُوا ذُلُوكَانَ  
 خَافِلًا (الانعام-۱۵۳)

انگریزی عملداری کی ابتدا کا واقعہ ہے کہ ضلع مظفر نگر کے قصبہ کا ندھل میں ایک جگہ پر



ہندو مسلمانوں کا تنازعہ ہوا کہ یہ ہندوؤں کا معبد ہے یا مسلمانوں کی مسجد انگریز مجسٹریٹ نے  
فریقین کے بیانات سننے کے بعد مسلمانوں سے نخلہ میں پوچھا کہ کیا ہندوؤں میں کوئی ایسا شخص ہے  
جس کی صداقت پر آپ اعتماد کر سکتے ہیں اور جس کی شہادت پر فیصلہ کر دیا جائے انھوں نے کہا کہ  
ہمارے علم میں کوئی ایسا شخص نہیں ہندوؤں سے پوچھا تو انھوں نے کہا یہ بڑی آزمائش کا موقع ہے  
معاہدہ قوی ہے لیکن پھر بھی ایک مسلمان بزرگ میں جو کبھی جھوٹ نہیں بولتے شاید وہ اس موقع پر بھی  
سچی ہی بات کہیں یہ بزرگ مفتی الہی بخش صاحب (ملیند حضرت شاہ عبدالعزیز خلیفہ حضرت سید محمد حسین)  
کے خاندان کے ایک بزرگ تھے مجسٹریٹ نے ان کے پاس چپراسی بھیج کر عدالت میں طلب کیا انھوں نے  
فرمایا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ فرنگی کا کبھی منہ نہیں دیکھوں گا مجسٹریٹ نے کہلوا یا کہ آپ میرا منہ  
نہ دیکھیں لیکن تشریف لے آئیں معاملہ اہم ہے اور آپ کے یہاں تشریف لائے بغیر فیصلہ نہیں ہو سکتا  
وہ بزرگ تشریف لائے اور پیٹھ پھیر کر کھڑے ہو گئے معاملہ ان کی خدمت میں عرض کیا گیا اور  
دریافت کیا گیا کہ آپ کا اس بارہ میں کیا ظلم ہے ہندوؤں اور مسلمانوں کی نگاہ میں ان کے چہرے پر میں  
اور کان ان کے جواب پر لگے ہوئے تھے جن پر اسلٹم قومی معاملہ کا فیصلہ ہونا تھا ان بزرگ نے فرمایا کہ  
صحیح بات تو یہ ہے کہ جگہ ہندوؤں کی ہے مسلمانوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں عدالت کا فیصلہ  
ہو گیا جگہ ہندوؤں کو مل گئی مسلمان مقدمہ ہار گئے لیکن اسلام کی اخلاقی فتح ہوئی صداقت  
اور اسلامی اخلاق کے ایک مظاہرہ نے چند گز زمین کھوکھوت سے غیر مسلم انسانوں کے ضمیر اور  
دل و دماغ جیت لئے بہت سے ہندو اسی روز ان کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے۔

ضمیر کے علاوہ علم و دانش اور دماغی قوت و ذہانت بھی ایک ایسی مقدس اور قیمتی چیز  
سمجھی جاتی تھی جس کو برسرِ واکس کے ہاتھ اونے پونے فروخت نہیں کیا جاتا تھا جو لوگ اس بارہ  
میں بلند مقام پر تھے وہ تو کسی قیمت پر بھی ان کو فروخت کرنا پسند نہیں کرتے تھے اور اس کو الٹرا

میں قیمت عظیم اور امانت سمجھتے تھے، خصوصاً کفر و فسق کی بلا واسطہ یا بالواسطہ اعانت و تقویت میں اس کو صرف کرنا یا کسی غلط نظام کا آلہ کار بننا تو بہت بڑی خیانت اور دین فرشتی سمجھتے تھے۔

اسی ذہنیت اور سیرت کے ایک بزرگ مولانا عبدالرحیم صٹارامپوری (م ۱۳۳۴ھ) تھے روہیلکھنڈ کے انگریز حاکم مسٹر ہکنسن نے ان کو بریلی کالج کی تدریس کے لئے ڈھائی سو روپیہ مشاہرہ کی (جو ۵۵۰ روپے سے پہلے حیثیت وہ رکھتا تھا، جو اس وقت ہزار بارہ سو کی بھی نہیں ہے) پیشکش کی اور وعدہ کیا کہ تھوڑی مدت میں اس مشاہرہ میں اضافہ اور ترقی ہو جائے گی، انھوں نے عذر کیا کہ ریاست سے ان کو دس روپے ماہوار ملتے ہیں وہ بندہ ہو جائیں گے، ہکنسن نے کہا کہ میں تو اس وظیفہ سے کمپیس گنا زیادہ پیش کرتا ہوں اس کے مقابلہ میں اس خفیہ رقم کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے، انھوں نے اس کے بعد یہ عذر کیا کہ میرے گھر میں بیری کا ایک درخت ہے اس کی بیری میٹھی اور مجھے مرغوب ہے، بریلی میں وہ بیری کھانے کو نہیں ملے گی، ظاہر ہیں انگریز اب بھی ان کے دل کی بات نہیں پاسکا، اس نے کہا کہ رام پور سے آنے کا انتظام ہو سکتا ہے، آپ بریلی میں بیٹھے ہوئے بھی اپنے گھر کی بیری کھا سکتے ہیں مولانا نے فرمایا ایک بات یہ بھی ہے کہ میرے طالب علم جو رامپور میں درس لیتے ہیں ان کا درس بند ہو جائے گا اور میں ان کی خدمت کے محروم رہ جاؤں گا، انگریز کی منطق نے اب بھی ہار نہیں مانی اس نے کہا کہ میں ان کے وظائف مقرر کرتا ہوں وہ بریلی میں آپ کے تعلیم جاری رکھیں اور اپنی تکمیل کریں آخر اس سہمان عالم نے اپنی کمان کا آخری تیر چھوڑا جس کا انگریز کے پاس کوئی جواب نہ تھا مولانا نے فرمایا کہ یہ صحیح ہے تعلیم پر اجرت لینے کے متعلق میں قیامت میں اللہ کو کیا جواب دوں گا، ہندوستان کے خارجے نے اب اپنی شکست تسلیم کر لی اور مولانا عبدالرحیم صاحب نے نواب محمد علی خاں والی رامپور کے دس روپیہ ماہوار پر اپنی زندگی گزار دی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

اس اخلاقی بلندی اور کردار کا مقابلہ اس زمانہ کی دانش فروشی سے کیجئے اس زمانہ کے اہل دانش نے اپنے علم، بیعت اور ذہانت کو نیلام پرچہ رکھا ہے کہ جو زیادہ بولی بولے گا اس کے ہاتھ فروخت کر دیں گے، اگر کوئی اسلامی ادارہ شوق سے رہا ہے اور کسی نصرانی ادارے نے ایک سو پانچ لکھ تو اس کی طرف منتقل ہو گئے اور اگر کوئی یہودی اسٹیٹ قائم ہو جائے اور وہ پانچ لکھ بول دے تو اس کے ہاتھ تک جائیں گے، مناسبت موضوع اور ذوق کی بھی کوئی شرط اگر حالات اجازت دیں تو محکمہ تعلیم کا آدمی برائے نام ترقی پر پولیس کے محکمہ یا جہاز رانی کے سینو کی طرف بخوشی منتقل ہو سکتا ہے ایک فاضل جس نے کسی علمی مقالہ پر ڈاکٹریٹ حاصل کیا اور جو تحقیقی مقالے لکھا کرتا تھا، آپ اس کے متعلق سن سکتے ہیں کہ نہایت معمولی اضافہ کی بنا پر وہ کسی ایسے فوجی یا سیاسی محکمہ کی طرف منتقل ہو گیا ہے جس سے اس کو کوئی ذہنی اور علمی مناسبت نہیں۔

آج کسی انشا پرداز کو اس میں ذرا تکلف نہیں ہوتا کہ وہ ایک ہی قلم سے ایک مجاہد اعظم کی سیرت لکھے پھر اسی قلم سے کسی قوم فروش کی منقبت لکھے۔

بعض شائقین کتب جب کوئی نادر بیش قیمت کتاب خریدتے تھے تو وجد و سرور میں آکر شہر چڑھتے تھے، برائے نام ترمیم کے ساتھ یہ شراب بھی پڑھا جاسکتا ہے۔

جمادے چند دادم جاں خریدم

بے نازاں کو بس ارزاں خریدم

اور جان کے بجائے اگر ایمان پڑھا جائے تو بھی واقعہ کے لحاظ سے کیا غلط ہے!

روابط و تعلقات اور حقوق باہمی کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ ان کی بنیاد عام حالات میں اکثر غیر مادی اور خالص عقلی و روحانی یا قلبی ہوتی تھی اور ان میں خود غرضی اور نفسانیت کا شائبہ کم سے کم ہوتا تھا، اسی کا نتیجہ تھا کہ بعض ایسے تعلقات اور روابط پائے جاتے تھے اور ان کی

جو میں قلب و دماغ میں اتنی گہری ہوتی تھیں جن کی کوئی مادی اور ناجرمانہ توجیہ ممکن نہیں  
 استاد و شاگرد کا ایسا تعلق تھا جس کے سامنے اس زمانہ میں باپ بیٹے اور محبوب محبوب کا  
 تعلق گرد ہے عصر جدید کا ذہن شاید اس پر ہمیشہ حیرت کرے کہ ہندستان کے مشہور عالم  
 اور جہاں استاد نظام الدین لکھنوی (رحمۃ اللہ علیہ) صاحب دس نظامی کی خبر وفات سن کر  
 ان کے ایک شاگرد میدان الدین عظیم آبادی کا صدر سے انتقال ہو گیا اور دوسرے شاگرد سید  
 ظریف عظیم آبادی کے روتے روتے آنکھیں خراب ہو گئیں بعد میں معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی۔  
 یورپ میں لذتیت اور افادیت کے دو اخلاقی فلسفے اور کتب خیال پھلتے پھولتے رہے  
 ہیں، مشرقی اور اسلامی اخلاقیات پر دونوں اثر انداز ہیں، مشرق کا اسلامی فلسفہ اخلاق دونوں  
 سے بہت بلند ہے، غرض اور نفسانیت، حظ نفس اور انتفاع کے خیال سے بھی پاک ہے۔  
 سترہویں صدی عیسوی سے افادیت کا غلبہ ہوتا گیا، مغرب کے علمائے اخلاق نے  
 دُکے کی چوٹ پر کہنا شروع کیا کہ اخلاق میں جس چیز کا فائدہ ظاہر نہ ہو وہ قابل اعتنا  
 نہیں ہے لیکن اس فائدہ کی تشخیص تو تین کے لئے جو ذہن میزان کا کام دیتا افسوس ہے کہ  
 وہ برابر اُدھر پر تانہ بنتا جا رہا تھا اُس کی ساخت اور اُفتاد روز بروز ایسی ہوتی جا رہی تھی کہ کسی  
 غیر مادی نفع کے تصور سے وہ قاصر تھا، اور اس بارہ میں اس کی جڑ کاوت مجدد اور جن تھی نتیجہ تھا کہ  
 اخلاق کی تحدید نصریف افادہ و انتفاع سے کی گئی یہ نازک کام جس حکم و ثبات کے سپر ہوا وہ اپنی طبیعی  
 اُفتاد و مزاج کی وجہ سے کسی غیر مادی نفع کے تسلیم کرنے کے قابل ہی نہ تھا، اسی طرح انتفاع کی تحدید  
 قدرتی اور غیر شعوری طور پر مادی ہو گئی، اور فلاسفہ اخلاق کا کسی ایسی چیز سے سرکار نہ رہا جس کا  
 کوئی مادی و محسوس نفع نہ ہو رفتہ رفتہ یہ مادی ذہنیت اور افادیت ساری زندگی پر چھا گئی۔

یورپ کے ادبیات میں پچھلی صدیوں میں جن الفاظ کا استعمال سب سے زیادہ ہوا ہے اور جو الفاظ یورپ کے لئے آج بھی سب سے زیادہ کشش رکھتے ہیں ان میں ایک لفظ "فطرت" بھی ہے لیکن جن چیزوں کے مقابلہ میں جن مولف پر یہ لفظ بولا جاتا ہے ان سے صاف تعین ہوتا ہے کہ "فطرت" سے مراد فطرت حیوانی ہے جو ہر قسم کے لطیف احساسات، اخلاقی ضمیر اور قلب سلیم اور عقل سلیم دونوں سے آزاد ہوتی ہے ہر قسم کی پابندیوں اور حدود سے گھبراتی ہے جس کا تقاضا صرف یہ ہے کہ کھائے پیئے اور آزاد رہے، اس کے لئے حقوق و مطالبات اور انسانی ذمہ داریاں نہیں ہیں انیسویں صدی میں انسان کی اصل قدیم کے متعلق جو تحقیق کی گئی اور جس کو عام طور پر تسلیم کیا گیا وہ ہر شعبہ زندگی میں اثر انداز ہوئی اخلاق پر بھی اس کا محسوس و غیر محسوس اثر پڑا۔

اس کے بعد اب اس دور میں یورپ میں میکائلی عہد شروع ہوا، انسان کا تصور خالص جماداتی ہو گیا اور وہ تھوڑی سی چمک اور زندگی بھی جاتی رہی جو حیوانی تصور میں پائی جاتی ہے۔ مسلمان یورپ میں محمد اسد صاحب نے یورپ کے اس اخلاقی تغیر پر گہرا اور بخیرہ تبصرہ کیا ہے اگر مغرب کا ذہنی و سیاسی اقتدار مشرق پر اسی طرح قائم رہا اور خود یورپ میں کوئی بڑا انقلاب نہ آیا تو آج مغرب کے متعلق جو کچھ کہا جا رہا ہے اکل مشرق کے متعلق بھی وہی صحیح ہوگا اور اس کے آثار بھی نظر آئے ہیں ہر شعبہ زندگی کی طرح مشرقی اخلاق جدید مغربی سانچہ میں ڈھلتے جا رہے ہیں جو سلتے مغربی تعلیم و تہذیب سے پورے طور پر متاثر ہیں ان کے اخلاق مغربی فلسفہ اخلاق کا اعلیٰ نمونہ ہیں محمد اسد صاحب لکھتے ہیں:-

(یورپ میں) انسانوں کی ایک ایسی قطع پیدا ہو گئی ہے جس کی اخلاقیات عملی افادیت

کے سوال کے اندر محصور ہے اور جس کے نزدیک خیر و شر کا بلند ترین معیار مادگی کی بجائی ہے

لے ملاحظہ ہو عنوان "ڈارون کے نظریہ ارتقاء کا اثر"

مغرب کے معاشرتی زندگی موجودہ زمانہ میں جس گہری تبدیلی سے گزر رہی ہے اس میں  
 نئی اخلاقی افادیت روز بروز زیادہ سے زیادہ نمایاں ہوتی جا رہی ہے وہ تمام  
 محاسن جو سوسائٹی کے مادی مفاد پر براہ راست اثر انداز ہوتے ہیں مثلاً صنعتی  
 قابلیت، وطن پرستی، قوم پرستانہ احساس جماعت ان کی عظمت برصغریٰ جا رہی ہے  
 اور ان کی قیمت میں بعض اوقات غیر معقول طریقہ پر مبالغہ کیا جاتا ہے اگر کے تہ بن  
 میں وہ محاسن جن کی ابھی تک محض اخلاقی حیثیت سے قیمت بخشی مثلاً محبت پدری یا  
 ازدواجی وفاداری وہ بڑی سرعت کے ساتھ اپنی اہمیت کھو رہے ہیں اس لئے کہ  
 وہ سوسائٹی کو کوئی نمایاں مادی فائدہ نہیں پہنچاتے اس زمانہ کی جگہ جبریں خاندانی  
 روابط کا استحکام ہی خاندان اور قبیلہ کی خیر و فلاح کے لئے ضروری تصور کیا جاتا  
 تھا، مغرب جدید میں اس زمانہ نے لی ہے جو وسیع تر عنوانات کے تحت اجتماعی  
 تنظیم کرتا ہے، ایک ایسی سوسائٹی میں جو بنیادی طور پر صنعتی ہے اور جس کی تنظیم بری  
 تیز رفتاری کے ساتھ خالص میکا کی خطوط پر کی جا رہی ہے، ایک فرد کا بڑاؤ اپنے والد  
 کے ساتھ کوئی معاشرتی اہمیت نہیں رکھتا جب تک کہ یہ افراد اس عام معیار شرافت کے  
 حدود کے اندر ایک دوسرے سے بڑاؤ کرتے ہیں جو سوسائٹی نے افراد کے باہمی بڑاؤ کے لئے  
 مقرر کر دیا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یورپین باپ کا اقتدار اپنے بیٹے پر براہ کرم ہوتا جا رہا ہے  
 اور بیٹے کے دل میں اپنے باپ کی طرف سے عزت و احترام کا جذبہ روبہ زوال ہے  
 ان دونوں کے باہمی تعلقات تیزی کے ساتھ قابو سے باہر ہوتے جاتے ہیں اور عملاً  
 ایک ایسی مشینی سوسائٹی کے ذریعہ ان تعلقات کا خون ہو رہا ہے جس میں افراد کے  
 باہمی حقوق کے منسوخ کر دینے کا رجحان پایا جاتا ہے اور جس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ خاندانی

رشتہ داری کے پیدا کئے ہوئے حقوق بھی ختم ہوتے جاتے ہیں۔

## پست ہمتی و تن آسانی

اسلامی مشرق میں انسان کی ترقی اور کمال کا معیار بہت بلند تھا، اس کے لئے دین و دنیا اور علم و عمل کی جامعیت بہت متفرق انسانی صفات انصاف اور انسانی کمالات بہت اچھے منتشر شعبوں کا اجتماع ضروری تھا، جن میں اس زمانہ کی پست ہمتی اور کوتاہ نظری تصادم بھتی ہے اور کسی فرد انسان میں ان کے بیک وقت اجتماع کے تصور سے اکثر قاصر ہے پوری دنیا اسلام میں سے صرف ہندوستان کے مسلمان سلاطین اور ان کے اہل و عیال کی سیرت پر ایک نظر ڈال لیجئے، آپ کو عالی ہمتی، بلند جوہلی، کمالات و خصوصیات کے تنوع، قبلے شاہی کے اندر درویشی، ہمتی سیاسی کے انہماک و تن دہی کے ساتھ عبادت کی مشغولیت و سرگرمی، علمی ذوق و مطالعے کے ایسے نادر نمونے ملیں گے جن کی نظیر عام انسانی تاریخ میں ملنی آئے ان نہیں اور جز کی تصدیق میں اس زمانہ کا تنگ ظرف ذہن اور انسانی ترقی و کمال کا محدود تصور بار بار دقتیں محسوس کرے گا۔

سلطان شمس الدین التمش کی سلطنت کی وسعت اور اس کی ملکی سیاسی مصروفیت کا حال تاریخ ہندوستان کا ہر طالب علم جانتا ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی قابلِ بحاکہ ہے کہ اس کی انتظامی مشغولیت شاہانہ ضروریات و مطالبات جنگوں اور غروں کی کثرت اس کی مذہبی پابندی اور معمولات میں مطلق حارج نہ تھی، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے وصیت فرمائی تھی کہ میری ناز و نیاز و وہ شخص پڑھائے جس کی کبھی عصر کی سنتیں اور کبیرہ اولیٰ فوت نہ ہوئی ہو واجب اس وصیت کا اعلان کیا گیا تو سلطان آگے بڑھا اور اس نے نماز پڑھائی۔

سلطان غیاث الدین بلبن ناصر الدین محمود، فیروز تغلق کی مذہبی زندگی اور مذہبی پابندی کا حال کوئی چھپا ہوا واقعہ نہیں۔

سلاطین گجرات بالخصوص دین و دنیا کی جامعیت اور جہدِ دینی کا بہترین نمونہ تھے، محمود شاہ اول (م ۵۹۷ھ) اور اس کے بیٹے مظفر شاہ حلیم (م ۵۹۳ھ) کے حالات اس کی بہترین شہادت ہیں۔

مؤرخ ہندوستان مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب مظفر شاہ حلیم کے حالات تذکرہ یادایام میں لکھتے ہیں:-

”محمود شاہ کے بعد اس کا فرزند رشید نعم الخلف السلف کا صحیح مصداق مظفر شاہ حلیم تلج و سریک مالک ہوا، علوم و فنون میں یہ علامہ محمد ابن محمد الایکبی کا شاگرد تھا اور حدیث علامہ جمال الدین محمد بن عمر بحر حق سے پڑھی تھی، قرآن مجید حفظ کر لینے کا شرف ایسی عمریں اس کو نصیب ہوا تھا جس کی نسبت شیخ سعدی فرماتے ہیں

— درایام جوانی چنان کہ افتدوانی اس فضل و کمال کے ساتھ تقویٰ اور حرمت کی دولت بھی اس نے خدا داد پائی تھی، تمام عمر نصوص احادیث پر عمل رہا، ہمیشہ با وضو رہتا، نماز جماعت کے ساتھ پڑھتا، روزے عمر بھر نہیں چھوڑے، شراب ناپاک کبھی منہ سے نہیں لگایا، کبھی کسی پر بے جا سختی نہیں کی، بدزبانی سے اپنے منہ کو گندہ نہیں کیا، عجیب تربات یہ ہے کہ اس پیکر تقدس میں سپہ گری اور ملک داری کی صفیں بھی علی وجہ انکمال مجتمع تھیں، مالوہ کی فتوحات عظیمہ تاریخوں میں پڑھئے اور ان سے اس کے اخلاق فاضلہ کا اندازہ کیجئے، جس وقت محمود شاہ دوم مالوہ کی غفلت و سہو تدبیری سے اس کے وزیر مندلی رائے نے زمام حکومت کو اپنے ہاتھ میں کر لیا تو شاہ



بے دخل کر دیا اور شائر اسلام کو مار کر رسوم کفر کی ترویج شروع کر دی مظفر شاہ حلیم  
 خلیفہ الرحمہ کی رگ حیمت کو جنبش ہوئی اس نے انولج قاہرہ کے ساتھ مالوہ کی جانب  
 نبضت فرمائی اور کوچ در کوچ کرتا ہوا مانڈو پہونچا اور اس کا محاصرہ کر دیا مندی رائے  
 نے یہ سمجھ کر کہ وہ خود تاب مقاومت نہیں لاسکتا مانا سا نگا کو پیش بہا تھا لٹ کا پلٹ دے کر  
 اپنی مدد کے واسطے بلایا وہ ہنوز سارنگ پور تک نہیں پہونچا تھا کہ مظفر شاہ حلیم نے اس کی  
 مدارات کے لئے اپنی فوج ظفر موج کا ایک معقول حصہ آگے کو روانہ کر دیا جس سے رانا کو  
 آگے بڑھنے کی جرأت نہ ہو سکی اور قبل اس کے کہ مندی رائے کو اطراف و جوانب سے  
 ملک پہونچے قلعہ کو مستحضر کر لیا۔

جان سخن یہ ہے کہ تسخیر قلعہ کے بعد جس وقت مظفر شاہ حلیم اندر داخل ہوا تو ازراہ  
 ہم رکاب شاہان مالوہ کے سامان قتل اور خزانوں و دفائن کو ملاحظہ کیا اور جس ملک کی  
 سرسبزی و شادابی کی اطلاع پائی تو انھوں نے جبارت کر کے مظفر شاہ کی خدمت پہونچیں  
 عرض کیا کہ اس جنگ میں تقریباً دو ہزار سوار جترار درجہ شہادت کو پہونچ چکے ہیں،  
 یہ مناسب نہیں ہے کہ اس قدر نقصان اٹھانے کے بعد پھر ملک کو اسی بادشاہ کے حوالے  
 کر دیا جائے جس کی سوغت دیر سے مندی رائے نے اس پر قابو پایا تھا بادشاہ نے یہ سنتے ہی  
 سیر موتوں کی اد قلعہ سے باہر نکل کر محمود شاہ کو ہدایت فرمائی کہ اس کے ہم رکاب  
 لوگوں میں سے کسی کو قلعہ کے اندر نہ جانے دے، محمود نے باصران نام اس بات کی التجا کی  
 کہ بادشاہ چند روز قلعہ کے اندر آرام فرمائیں، مگر مظفر شاہ نے اس التجا کو قبول نہ فرمایا  
 اور بعد کو خود ظاہر کیا کہ میں نے یہ جہاد و غزائے حق کی رضا مندی حاصل  
 کرنے کو کیا تھا مجھ کو امرائے کنقریر سے یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ مبادا کوئی خطرہ فاسد

میرے دل میں پیدا ہوا اور میرا غلو صبریت برباد ہو جائے میں نے محو پر کوئی احسان نہیں کیا  
بلکہ محمود کا مجھ پر بڑا احسان ہے کہ اس کی وجہ سے مجھ کو یہ سعادت حاصل ہوئی۔

انتقال کے قریب علماء و ارکان دولت کی ایک مجلس میں بادشاہ نے تحدیث بالنعمن کے طور پر  
بیان کیا کہ میں خدا کے فضل و کرم سے قرآن کے حفظ کے ساتھ ہر آیت سے متعلق ضروری مسائل  
و احکام، اسباب نزول اور اصول تجوید کا علم رکھتا ہوں، اپنے استاد علامہ جمال الدین محمد بن  
عمر حرق سے جن احادیث کی سند لی ہے، وہ مع متن و سند راویوں کے حال کے مجھے حفظ میں فقہ  
میں مجھے بفضلہ تعالیٰ وہ درک حاصل ہے کہ حدیث میں یہ جاحلہ بہ خیر اذفقہ فی الدین  
رحم کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، اس کو دین کا فقیہ بنا دیتا ہے، اکام صدق  
بننے کی امید رکھتا ہوں، اور اب چند مہینوں سے حضرات صوفیہ و شائخ کے طریق پر زکریا نفس  
میں مشغول ہوں اور میں تشبہ بقوم فہوم منہم کی بنا پر ان کے برکات کی امید رکھتا ہوں، تفسیر  
معالم التنزیل ایک باختم کر چکا ہوں دوبارہ پھر شروع کی ہے، نصف تک پہنچ گیا ہوں، باقی  
امید ہے کہ انشاء اللہ جنت میں ختم کروں گا۔

جموعہ کی نماز کے قریب استحضار کی کیفیت شروع ہوئی، لوگوں کو حکم دیا کہ نماز پڑھنے جائیں خود  
ظہر کی نماز پڑھی اور کہا کہ ظہر کی نماز میں نے تمہارے یہاں پڑھی ہے، عصر کی نماز انشاء اللہ جنت  
میں پڑھوں گا، انتقال کے وقت حضرت یوسفؑ کی یہ دعا زبان پر تھی جو اس درویش بادشاہ کے  
بالکل حسب حال تھی :-

رَبِّ قَدْ آمَنْتُ بِكَ مِنَ الْمُلْكِ  
وَعَلَّمَ مَنِّي مَنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ

پروردگار تو نے مجھے حکومت عطا فرمائی اور  
اتوں کا مطلب و تفسیر بیان تسلیم فرمایا ہے

۱۔ علامہ بنوری کی ضخیم تفسیر جو کئی ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔

فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنْتَ  
 وَلِيَّ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ أَنْتَ تُوَفِّي  
 مُسْلِمًا وَالْحَقُّنِي بِالصَّالِحِينَ ۝  
 (یوسف - ۱۰۱)

وزمین کے بنانے والے! تو ہی میرا کارساز  
 ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ایسا کجیو  
 کہ دنیا سے جاؤں تو تیری فرمانبرداری کی  
 حالت میں جاؤں اور ان لوگوں میں داخل  
 ہو جاؤں جو تیرے نیک بندے ہیں۔

نیر شاہ سوری (م ۹۵۲ھ) کے اوقات و معمولات کی فہرست جو مؤرخین نے تاریخ میں  
 محفوظ کر دی ہے ملاحظہ ہو! اس زمانے میں متوسط درجہ کے مشغولانِ فَن کے لئے بھی ان کا التزام  
 مشکل ہے! چہ جائیکہ اس مصروف ترین بادشاہ کے لئے جس کو پانچ برس کی مدت میں ایک صدی کا کام  
 کرنا پڑے! درجہ کو بظاہر اپنی انتظامی و سیاسی مشغولیت سے ایک لمحہ کی فرصت نہیں ہوتی چاہئے تھی۔

”نیر شاہ تہائی رات سوتی کہ بیدار ہو جاتا، غسل کرتا اور نوافل پڑھتا، نماز فجر سے پہلے اور  
 ختم کرتا، پھر مختلف بیٹوں کے حسابات دیکھتا اور دن کے اہم کاموں کے متعلق حکام و  
 اہل کارانِ سلطنت کو ہدایت دیتا اور روزانہ کا نظام عمل بتلاتا تاکہ دن کو موالات سے  
 اس کو پریشان نہ کریں! اس سب سے فارغ ہو کر نماز فجر کے لئے وضو کرتا اور عتبات کے ساتھ  
 نماز فجر پڑھتا، پھر اذکار و اوراد میں مشغول ہو جاتا، اتنے میں حکامِ سلام کے لئے حاضر  
 ہوتے بادشاہ نماز اشراق سے فارغ ہو کر لوگوں کی ضروریات معلوم کرتا اور گھوڑے  
 غلاتے، جاگیریں، اور مال جس کو جیسی ضرورت ہوتی دیتا، پھر اہلِ مقدمہ اور دولتمندوں  
 کی طرف متوجہ ہوتا اور ان کی دادری اور حاجت براری کرتا، پھر افواج شاہی اور اطراف  
 کا معائنہ کرتا اور فوج کے لئے امیدواروں کی قابلیت کا اندازہ کر کے ان کے تقرر  
 کا حکم دیتا، پھر ملک کی روزانہ آمدنی اور مالیہ کا معائنہ کرتا، پھر ارکانِ سلطنت، اُمراء اور

سلطنتوں کے سفر اور وکلا حاضر ہوتے ان سے گفتگو کرتا، پھر حکام اور اہل کاروں کی عرضیاں گزرتیں ان کی سماعت کرتا اور حکم لکھواتا، پھر دوپہر کا کھانا تناول کرتا علماء و شیعہ بھی دسترخوان پر ہوتے، پھر ظہر کی نماز تک دو گھنٹے اپنے ذاتی کام انجام دیتا اور قیلولہ کرتا، پھر ظہر کی نماز جماعت سے پڑھتا، اس کے بعد قرآن مجید کی تلاوت کرتا اس سے فارغ ہو کر پھر امور سلطنت میں مشغول ہو جاتا، اس پر حضرت میں اس نظام الادب میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی تھی، کہا کرتا تھا کہ بڑا آدمی وہ ہے جو اپنا پورا وقت ضروری کاموں میں صرف کرے۔

سلطان اورنگ زیب عالمگیر کے تفصیلی حالات پڑھئے تو معلوم ہو گا کہ یہ دنیا دار بادشاہ جو کابل و قندھار سے لے کر دکن تک حکومت کرتا تھا اور اس پوری وسیع سلطنت کی بذات خود نگرانی کرتا تھا، اپنی عالی ہمتی اور عزم کی قوت سے اتنا وقت نکال لیتا تھا کہ تمام مہمات ملکی کے ساتھ اول وقت جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا تھا، جمعہ کی نماز جامع مسجد میں ادا کرتا تھا، منہر فیاض کی پابندی کرتا تھا، سخت گرمی میں رمضان کے پورے دنے رکھتا تھا، اور رات کو تراویح پڑھتا تھا، رمضان کے عشرہ اخیر میں مسجد میں اغشکاف کرتا تھا، دو شنبہ، پنجشنبہ اور جمعہ کو ہر ہفتہ روزہ رکھتا تھا، ہمیشہ با وضو رہتا تھا، اذکار و ادعیہ مانورہ کا پابند تھا، روز صبح قرآن مجید کی تلاوت کرتا تھا، اور تمام ملکی و سیاسی مشاغل اور اتنا شار طبیعت کے ساتھ پوری کجی سے حضرت خواجہ سیف الدین (نسبہ حضرت مجدد الف ثانی) سے ایسا استفادہ باطنی کرتا تھا کہ وہ اپنے والد زادہ (حضرت خواجہ محمد مصوف) کو اس میں آثار ذکر کے ظاہر ہونے کی اطلاع دیتے ہیں روزانہ کی مصروفیتوں کے ساتھ اور اتنا وقت نکال لیتا تھا کہ فتاویٰ عالمگیری کو جو اس کے حکم سے علماء ترتیب دے رہے تھے روز کار و رزنتا تھا اور مشورہ دیتا تھا۔

عالمگیر کی تخت نشینی کا زمانہ کتنا پر آشوب اور ظالم خیز تھا، اسی زمانہ میں اس کو سلطنت کی  
 از سر نو تنظیم کرنی پڑی، اٹھے ہوئے فنون کو دوبانہ پر ابھرنے کا عالمگیر ہی کی عزیمت تھی کہ اس زمانہ  
 میں حبس کو سر اٹھانے کی ہمت نہ تھی اس قرآن مجید حفظ کرنے کے لئے وقت نکال لیا اور اپنی کتاب  
 "اربعین" کی (جس میں اس نے چالیس حدیثیں جمع کی تھیں) شرح لکھی عالمگیر کا شعر ہے

عالم فراواں است و من یک غنچہ دل دارم  
 چنان در شیشہ ساعت کنم ریگ بیاباں را  
 لیکن اس نے اس "شیشہ ساعت" میں جس طرح اس "ریگ بیاباں" کو بند کیا  
 وہ اس کی مندرجہ بالا خصوصیات سے ظاہر ہے۔

امراء اور وزراء میں دیکھئے تو آپ کو عبدالرحیم ہرم خان خانان جملہ الملک حد اکثر خاں  
 ستامی، عبدالدین محمد بن محمد الایچی اختیار خاں افضل خاں اور مندعالی عبدالعزیز آصف خاں  
 جیسے جامع کمالات بزرگ نظر آتے ہیں ان میں سے صرف دو عبدالرحیم خان خانان اور  
 آصف خاں کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے۔

عبدالرحیم خاں نے درسی کتابیں مولانا محمد امین انجمانی اور قاضی نظام الدین بخارانی  
 سے چڑھیں اور حکیم علی گیلانی اور علامہ فتح اللہ شیرازی سے علمی استفادہ کیا، پھر جب گجرات میں قیام  
 کا موقع ملا تو علامہ وجیہ الدین بن نصر اللہ گجراتی سے مزید تحصیل علم کی، ان اساتذہ وقت کے  
 علاوہ اس کا دربار اہل کمال اور ماہرین فن کا مرکز تھا، ان سے برابر علمی مذاکرہ و استفادہ جاری  
 رہتا تھا، یہاں تک کہ تمام علوم و فنون میں دستبرد پیدا کر لیا، اکثر اصنافِ علم و ادب میں ذوق سلیم  
 ناک، انہ نظر اور فیصلہ کن رائے رکھتا تھا، زبانِ دلی میں دیکھئے تو اس کو ہفت زبان کہنا صحیح ہوگا  
 عبدالرزاق خوانی آثار، نراءیں مکتبا ہے کہ عربی، فارسی، ترکی اور ہندی زبانوں میں بہت کامل

رکھتا تھا، ان سب زبانوں میں فصاحت وطلاقت سے گفتگو کرتا اور بے تکلف آباد فرماتا۔

ان علمی کمالات کے ساتھ فنون جنگ اور سپرگری میں کیتائے روزگار اور شجاعت بہادری میں نامدار تھا، گجرات و سندھ اور دکن کی فتوحات اس کی شجاعت و خوش تدبیری کی یادگار ہیں۔ اخلاق و کرم کے لحاظ سے دیکھئے تو تمام مؤرخ اس کے خیر خلق، نرم خوئی، بردباری، خاکساری اور تواضع کے شناخاں ہیں۔

داد و دہش اور سخاوت کی حیثیت سے دیکھئے تو بید غلام علی بلگرامی شہادت دیتے ہیں کہ اگر عبدالرحیم خان خانان کے انعامات اور صلے ترازو کے ایک پلرے میں رکھے جائیں اور تمام شاہان صفویہ کے انعامات اور زر پاشی ایک پلرے پر ہو تو عبدالرحیم کا پلرہ بھاری رہے گا۔ علمی ذوق و مطالعہ کے انہماک کا عالم یہ تھا کہ عین میدان جنگ میں گھوڑے کی پیٹھ پر کتاب کے اجزا ہاتھ میں کھلے ہوئے ہوتے، نہانے کا وقت بھی کتاب سے خالی نہ ہوتا، خدام کتاب کھوئے ہوئے سامنے کھڑے ہوتے، نہانے کے ساتھ ساتھ کتاب کا مطالعہ جاری رہتا۔

دینی رجحان اور طبیعت کی صلاحیت کا اندازہ اس سے ہوگا کہ حضرت مجدد الف ثانی کی نگاہ التفات اور نظر انتخابی غفلت نہ تھا اور ان خوش قسمت افراد میں شامل تھا، جن کو حضرت مجدد صفا کے مکتوب الیہ اور تہذیب علیہ ہونے کا شرف حاصل تھا، مجدد صاحب کے مکتوبات سے ان کے قلبی تعلق اور گہری ارادت کا پتہ چلتا ہے۔

آصف خاں وزیر گجرات کا حال پڑھئے تو جامعیت و بالکالی کی ایک دوسری تصویر نظر آئے گی۔

عبدالعزیز نام تھا، حمید الملک کے بڑے بیٹے تھے، کچھ کتابیں والد سے پڑھیں، حدیث و فقہ قاضی برہان الدین نہروالے سے حاصل کی، علوم حکمیہ میں ابو الفضل گادرونی اور ابو الفضل استرآبادی

کے شاگرد تھے، علوم و فنون کی تحصیل سے فراغت ہوئی تو دوبار شاہی میں پہنچے، بہادر شاہ کے زمانہ میں وزارت ملی محمود شاہ کے زمانہ میں وکالت مطلقہ کے عہدہ پر سرفراز ہوئے باوجود ان مناصبِ جلیلہ کے درس و تدریس اور مذاکرہ علمی کا مشغلہ آخر وقت تک قائم رہا۔

بعض سیاسی انقلابات کی وجہ سے ایک عرصہ تک آصف خاں نے مکہ معظمہ میں قیام کیا، وہاں علماءِ حرمین اور بلا دوا مصارع کے باکمال ان کے علمی و ملی کمالات، دینی استقامت و عزیمت اور عبادت کی مشغولیت دیکھ کر انگشتِ بندگان رہ گئے، علامہ عصر ابن حجر کی نے تو ان کے فضائل و مناقب میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے، (اور غالباً کسی ہندی کے مناقب میں ایک مسلم الشبوتِ عالم کی یہ پہلی تصنیف ہے) جس میں ان کے فضل و کمال، تقویٰ و تقدس کی بڑی مدح سرائی کی ہے۔

علماءِ حرمین کی شہادت ہے کہ جواری و صدام اور جاہ و شتم کے باوجود ان کی زندگی کا سطر میں بالکل زاہدانہ تھی، قرآن کے دس پائے تہجد میں پڑھتے، ابن حجر کی کی شہادت ہے کہ مکہ معظمہ کے دس سال قیام میں مسجدِ حرام میں ان کی کوئی جماعت فوت نہیں ہوئی، ان کی قیام گاہ مطاف کے محاذی تھی، کبھی نوافل، ذکر و تسبیح، مراقبہ مطالعہ کے علاوہ ان کو کسی حال میں نہیں دیکھا گیا، اونچی اونچی کتابوں کا درس اور علماء سے علمی مذاکرہ بحث و تحقیق کا سلسلہ برابر جاری رہتا، علماءِ حرم بڑے شوق سے ان کی علمی مجالس میں شرکت فرماتے، اعلیٰ درجی اور دینی فنون کی منہیاء کتابوں کے اشکالات پر فاضلانہ و محققانہ گفتگو و تحقیق ہوتی۔

علی سرپرستی اور قدردانی کا یہ عالم تھا کہ ابن حجر کی لکھتے ہیں کہ جس زمانہ میں آصف خاں مکہ معظمہ میں آکر رہے تھے، تو عجیب طرح کی رونق مکہ معظمہ میں پیدا ہو گئی تھی، علماء و فقہا ان کی صحبت کو غنیمت سمجھتے تھے، علم کا چرچا بڑھ گیا تھا، اور مکہ والوں نے تحصیلِ علم میں بڑی کوشش کی تھی، طلبہ ہر طرف سے سمت آئے تھے، اور انھوں نے حصولِ علم پر نقل و جہ کی اور دقاتِ علمی کی

اس غرض سے جستجو و تلاش کی کہ آصف خاں کے سامنے ان کو پیش کریں اور روبرو پیدا کریں، اور مشکلات فن کو محفوظ کیا تاکہ ان کے ذریعہ سے ان کا تقرب حاصل کریں یہ سب اس وجہ سے تھا کہ انھوں نے اہل علم پر احسان و کرم کے دائرہ کو اس قدر وسیع کر دیا تھا کہ جس کی نظر ان کے معاصرین میں بلکہ ایک مدت سے موقوف تھی یہاں تک کہ کہ معظم میں ہر گلی کو پہنیں ان کو اس طرح دعائیں دی جاتی تھیں جس طرح بتیک کی صدائیں ایام حج میں بلند ہوتی ہیں۔

آصف خاں کے فضائل و کمالات کی دُور دُور ایسی شہرت ہوئی کہ سلطان ترکی نے ان کی ملاقات کی آرزو ظاہر کی اور شریف مکہ کے توسط سے شاہانہ اعزاز و اکرام کے ساتھ قسطنطنیہ بلایا، اور بڑی توجہ و اعزاز کے ساتھ اس جامع کمالات ہستی سے گفتگو کی۔

ایک رفیق سفر نے جس نے مکہ معظمہ سے قسطنطنیہ تک آصف خاں کے ساتھ سفر کیا تھا بیان کیا کہ اس پورے سفر میں آصف خاں نے کبھی کسی شخصیت پر اہمیت پر عمل کرتے رہے جیسے اقامت میں کرتے تھے خسرو پاشا حاکم مصر نے آصف خاں کے لئے ایک خلعت بھیجی اور پھر نے باصرہ عرض کیا کہ بادشاہ کی خوشی کے لئے آپس کو ایک مرتبہ بدن پر ڈالیں تاکہ کہنے کو ہو جائے، آصف خاں نے معذرت کی کہ یہ بجا رہی ہے، میں اس کو کسی طرح بدن پر نہیں رکھ سکتا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہر بادشاہ مظفر شاہ حلیم و اورنگ زیب اور ہر امیر و وزیر و جلد گزیم خانِ جاناں اور آصف خان نہیں تھا، لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ انسان کی عظمت و کمال کا معیار اس زمانہ میں عام طور پر بہت بلند تھا، اس کی بڑائی اور کامیابی کے لئے بہت سی ایسی صفات اور کمالات ضروری سمجھے جاتے تھے جو بعد کے زمانہ میں خصوصاً مغرب کے مادی اقتدار کے دور میں عظمت کی شرائط سے خارج ہو گئے ہیں وہ معیار لوگوں کی نظر کے سامنے ہر وقت رہا کرتا تھا، عوام بھی اس کی توقع کرتے تھے اور اہل ہمت بھی اپنے تئیں ان کا ایسا پابند سمجھتے تھے کہ



ہمیشہ ان کی جدوجہد میں رہا کرتے تھے اور کبھی اس بارہ میں اپنے کو معاف نہیں کرتے تھے دنیاوی غفلت و غریب کا بلند سے بلند زمین ان میں دین کی طرف سے دوں تھی نہیں پیدا کرتا تھا، دنیاوی مشاغل کا ہجوم اور شدت انہماک حکومت ریاست و وزارت کی ذمہ داریاں، مذہبی فرائض بلکہ شمن و نوافل کی طرف سے بھی ادنیٰ غفلت پیدا نہیں ہونے دیتی تھیں عیش و عشرت کے وسائل اور دولت، تن آسانی اور راحت طلبی پیدا نہیں ہونے دیتی تھی دوسری چیزوں اور چیزوں کے انحطاط کے ساتھ اس عالی ہمتی اور جامعیت میں کبھی تنزل ظاہر ہوا، اور وہ نمونے جو ہر زمانہ میں بہ کثرت نظر آتے تھے، خال خال نظر آنے لگے لیکن پھر بھی وہ معیار باقی تھا، اور دماغوں و ردوں پر اس کی حکومت تھی اپنے اپنے دور کے عالی ہمت اور صاحب عزم افراد اس معیار پر پورا اترنے کے لئے کوشاں رہتے تھے اور اس کے لئے اپنی راحت و لذت اور خواہشات قربان کرتے تھے، شہرہ کے انقلاب کے پہلے اور اس کے بعد ہندوستان کے اہل وجاہت و اہل علم پر نظر ڈالئے، آپ مفتی صدر الدین خاں، نواب قطب الدین خاں، نواب وزیر الدین مرحوم والی ٹونک، نواب کلب علی خاں والی راجپور، مدارالہام نقشب جلال الدین خاں وزیر ریاست بھوپال، نواب سید صدیق حسن خاں ایسے جات اوصاف بزرگ ملیں گے جن میں ریاست امارت اور علم و فضل کے ساتھ زاہدوں کا زہد، عابدوں کی سرگرمی، طالب علموں کا انہماک شوق مطالعہ اور پاپیوں کی چستی جمے تھی اور یہ اس کا نتیجہ تھ کہ زندگی کا نمونہ اور معیار (آئیڈیل) بلند تھا اور ہر زمانہ میں دل و دماغ پر آئیڈیل ہی کی حکومت ہوتی ہے۔

مغرب کے مادی و معاشی دور اقتدار و تہذیب میں انسانی زندگی کا قابل تقلید نمونہ اور مثالی تصور رست ہو گیا، صرف اچھا کھانا، اچھا پہنا، سوسائٹی میں ممتاز و متاثرینا اور ہم چہنوں میں جاہ و اعزاز حاصل کرنا آئیڈیل بن گیا، سپیریور کی سیرت نظروں سے اوجھل ہو گئی

دین و دنیا کی جامع اور ذہنی، علمی، روحانی و انتظامی کمالات اور کسبِ حلال کی صفت سے  
 متصف ہستیوں کا ذہنی اثر و تسلط ہٹ گیا اور وہ شخصیتیں ذہن پر چھا گئیں اور نمونہ و مثال  
 اور زندگی کی کامیابیوں کا ہستی بن کر آنکھوں اور تصور کے سامنے پہاڑ بن کر کھڑی ہو گئیں جو  
 اخلاقی و ذہنی حیثیت سے سخت ناقص اعمال و کردار کے بحافہ سے بے حد پست، علمی کمالات  
 اور حقیقی صفات سے محروم، اخلاقی سطح کے بحافہ سے مبتذل و رعامی، گھٹیا درجہ کے انسان یا  
 معاشی جانور اور روپیہ پیدا کرنے کی بے شعور و بے درستی ہیں تن آسانی اور راحت پسند  
 اتنی غالب گئی اور فخری شاعری نے زندگی کی اتنی بڑی جگہ گھیر لی کہ عبادتِ دینی فرائض کی  
 ادائیگی اور روحانی ضروریات کی طرف توجہ کرنے کے لئے گنجائش نہیں رہی اس وقت ترقی  
 یافتہ اور مہذب طبقہ کے نظامِ اوقات پر نظر ڈالئے گا تو قدیم اسلامی تہذیب کے ان نمائندوں  
 کے نظامِ اوقات میں اور بیسویں صدی عیسوی کے اس نظامِ اوقات میں اتنا بڑا فرق نظر  
 آئے گا کہ ایک قوم اور ملک کے افراد نہیں معلوم ہوں گے اور درمیان میں برسوں نہیں بلکہ صدیوں  
 کی مسافت اور سمندروں اور ملکوں کا فاصلہ معلوم ہوگا۔

# باب ہفتم

## عالم اسلام زندگی کے میدان میں

### گذشتہ اسلامی قیادت کے اثرات

گذشتہ صفحات سے حقیقت واضح ہو گئی کہ چھٹی صدی مسیحی میں جب دنیا تیزی کے ساتھ ہلاکت کے غار کی طرف جا رہی تھی اور رُئے زمین پر کوئی طاقت نہ تھی جو گرتی ہوئی انسانیت کا ہاتھ پکڑ سکے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت نے دنیا کو ایک ایسی جماعت کی قیادت عطا فرمائی جو آسانی کتاب اور الہی شریعت و قانون رکھتی تھی جس کا ہر قدم خدا کی بخشی ہوئی روشنی میں اٹھنا تھا، اور اُجاڑے میں پڑا تھا جو دنیا میں حق و انصاف کی علمبردار تھی، جو حکومت و قیادت کے منصب پر نبوت کی مستحکم اخلاقی تربیت اور دین کی مکمل تہذیب نفس کے بعد فائز ہوئی تھی، جو کسی قوم کی خدمت گزار اور کسی نسل و وطن کی نمایندہ نہ تھی جس کو انسانیت کا معتدل ترین مزاج اور متوازن ترین طبیعت عطا ہوئی تھی۔

اس جماعت کے وجود نے نوع انسانی کی مجموعی ہلاکت کے راستے میں فوری روک ٹوک کا کام دیا اور بتدریج انسانیت کو صدیوں تک کے لئے ان تمام فتنوں اور خطرات سے محفوظ کر دیا جو عالم پر محیط تھے، اس نے صحیح منزل کی طرف انسانوں کو ساتھ لے کر بڑھنا شروع کیا، اس کے اقتدار میں انسانیت کو متوازن ترقی ہوئی اور انسان کی تمام ظاہری و باطنی قوتوں نے

ہم آہنگی اور تناسب کے ساتھ نشوونما اور ترقی حاصل کی اور ایک ایسا ماحول قائم ہوا، جس میں انسان کے لئے بہولت اپنے کمال انسانی تک پہنچنا ممکن ہوا۔

اس جماعت کے اثر و نفوذ سے زندگی کا دھارا اور دنیا کی سمت بدل گئی، ایک وسیع پیمانہ کی خودکشی اور عالمگیر خدا فراموشی و خود فراموشی سے ہمگیر خدا پرستی اور خود شناسی کی طرف رخ ہو گیا، انسانوں کا مزاج، ذہن اور قلب بدل گیا غلط اخلاقی قدس اور جھوٹے پیمانے تبدیل ہو گئے، اعلیٰ اخلاقی نمونے معیار کا کام دینے لگے، زندگی اور نظام حکومت کے لئے خالص نئی و اخلاقی تعلیمات نے میزان کا درجہ حاصل کر لیا، اس کے دور تمدن میں تجارت و صنعت کے ساتھ اخلاق و فضیلت کو بھی عروج ہوا اور فتوحات کی وسعت اور تمدن کی ترقی کے ساتھ اخلاق و روحانیت نے بھی یکساں فروغ پایا، دینی رشتہ، مقاصد کے اتحاد اور صلح و محبت نے دنیا کو جنت کا نمونہ بنا دیا جس میں نہ باہم زور آزمائی تھی نہ رشتہ کشی، خدا پرستی و پاکیزگی کی راہ جو جاہلیت کی حکومت اقتدار میں کانٹوں سے بھری اور مدح کے ٹھکان پر پڑی تھی، بے خطر شاہ راہ بن گئی جس پر بے روک ٹوک قافلے جاتے تھے اخلاق کی اطاعت جو پہلے مشکل تھی اب آسان اور نافرمانی جو پہلے آسان تھی اب مشکل ہو گئی، دین کی دعوت میں مفسد طیس کی کشش اور اخلاقی تربیت اصلاح میں جبر نفیس کی طاقت پیدا ہو گئی جس نے لاکھوں نفوس کو بہیمیت کی زندگی اور اخلاق کی پستی سے اٹھا کر روحانی اور اخلاقی ترقی کی انتہائی بلندیوں پر پہنچا دیا، انسانی جوہر و کمالات علم و ذہانت اور طبیعت کی جولانی نے جو عرصہ سے ضلالت کے عمل صرف ہو رہی تھی، صحیح رخ اختیار کر کے دنیا کو حقیقی ترقی دی غرض انسانیت کا قافلہ منزل مقصود سے قریب ہوا اور اس کا اگلا حصہ منزل پر پہنچ گیا۔

**مغربی قیادت اور اس کے اثرات**

نیک قبل اس کے کہ پچھلے مسافر منزل پر پہنچیں دفعۃً قافلہ ٹھہرا معلوم ہوا کہ قیادت

تبدیل ہو گئی، کاروان سالار کو اس لئے قیادت سے بک دوش ہونا پڑا کہ اس نے قافلہ کی عظمت کا پورا سامان نہیں کیا تھا، ایک اجنبی مسافر نے جس کو قافلہ میں کوئی نہیں پہچانتا، تلوار کے زور اور قوت کی دلیل سے زمام قیادت لے لیا ہے۔

اس بے بس انسانی قافلہ کو نیا قافلہ سالار ایک ایسے راستہ کی طرف لے چلا جس میں سخت نشیب و فراز اور پیچ و خم ہیں، جس پردن کی روشنی میں رات کا اندھیرا ہے، قافلہ کے رہرو بار بار ٹھوکر کھاتے، ہنسنے کے بل گرتے اور فریاد کرتے ہیں لیکن قافلہ سالار قوت کے نشہ اور جلد پہنچنے کی عجلت میں قافلہ کو سرپٹ لئے جا رہا ہے۔

تیمیل نہیں واقعہ ہے، دنیا کی زمام قیادت مسلمانوں کے بعد مغرب کی ان قوموں نے اپنے ہاتھ میں لی، جن کے پاس ابتداء سے حکمت الہی کا کوئی سرمایہ اور علم صحیح کا کوئی صاف چشمہ نہ تھا، نبوت کی روشنی وہاں دراصل پہنچنے ہی نہیں پائی، حضرت مسیح کی تعلیمات کی ایک شعاع جو وہاں پہنچی تھی وہ تحریف و تاویل کے اندھیروں میں گم ہو گئی، انھوں نے اس آسمانی روشنی کی خانہ پری یونان و روم کے دفینوں کی سیاہی سے کی، جاہلی یونان و روم کا پورا جاہلی ترکہ ان کے میراث میں آیا، اور اسی طور پر ان کے تمام فطری، ذہنی، اخلاقی اور مزاجی خصائص ان میں منتقل ہوئے، محسوسات پرستی، روحانیت سے بے رغبتی، و لطف اندوزی و طینت کا غلو، غیر خود بخشی آزادی کا شوق یونان سے اور صنعت ایمان، جارحانہ قوم پرستی، طاقت کی تقدیس اور استعمار (شہنشاہیت) کی روح روم سے منتقل ہوئی، سچی تعلیمات کے کچے کچے سرمایہ کو (جو شاید اصل سے اکیلے درس کی بھی نسبت نہیں رکھتا تھا) رومی بت پرستی اور سینٹ پال اور قسطنطین کی منافقت نے ڈھلوا دیا اور اگر کچھ لے مسلمانوں کی مادی کمزوری اور اسباب قوت سے غفلت و کوتاہی کی طرف اشارہ ہے جس کی نگہبانی طور پر اس عالم اسباب میں یہ سزا تھی کہ ان کو دنیا کی قیادت سے دست کش ہو جانا پڑا۔

لے مغربی اقوام لے بھلی کی روشنی میں۔

باقی رہا تو علماء مذہب کی تحریف و تاویل نے کھویا، رہبانیت کے جنون نے مادہ پرستی کے رد عمل کو پیدا کیا، ارباب کلیسا کی عیش پرستی اور دنیا داری نے اہل مذہب کی طرف سے بے اعتمادی اور نفرت پیدا کی، حکومت و کلیسا کی کشاکش نے قومی مزاج میں برہمی اور عدم توازن پیدا کیا اور دین و سیاست میں تفریق کی مذہب و عقلیت کی خوبی کش مکش اور اہل دین کے جمود و انہمی اور ارباب کلیسا کے لرزہ خیز مظالم نے برائے نام مذہب کے خلاف نسل اور روٹی عداوت کا بیج بویا، خام کار و روشن خیالوں کی عجلت پسندی اور تعصب نے مذہب کا آخری تسبیح بھی کاٹ دیا، اور مذہب کے بے سہ فوائد سے بھی محروم کر دیا آخر کار ساری مغربی قوموں پر مادہ پرستی کا دور آیا اور سارے مغرب پر خدا فراموشی اور اس کے طبعی نتیجے کے طور پر خود فراموشی کا عالم چھا گیا، زر پرستی مذہب بن گیا، مادیت نے استغراق نے خالص اقتصاد و وحدۃ الوجود کا فلسفہ پیدا کر دیا جس کا نعرہ ہے لا الہ الا الخیر اور لا موجود الا الباطن:

دوسری طرف زندگی کا صحیح مقصد و مشغلہ اور عالمگیر پیام نہ ہونے کی وجہ سے جا رہا ہے تو مٹی اور وطن پرستی زندگی کا مقصد اور قومی شغل بن گیا، قومی زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے دوسری قوموں سے نفرت و نفوت کے جذبات ظہور پذیر ہوئے اور ایک طرف سارے مشرق کو مغرب کے مقابل میں حریت کیمپ سمجھ لیا گیا، دوسری طرف ازرونی قومیت کی حد بندیوں نے سارے مغرب کو چھوٹے چھوٹے گھروندوں میں تبدیل کر دیا اور ہمسایہ اور ہمسایہ کے درمیان ایک خط کھینچ دیئے جن کے باہر انسان کا تصور نہیں کیا جاسکتا، استعمار یا امپیریلزم نے ساری دنیا کو بڑھ فروشی کی ایک منڈی (جہاں قوموں کا سودا ہوتا ہے) اور سلطنتوں کی رقابتوں نے دنیا کو لوہا کی بھٹی بنا دیا جہاں ہر وقت آگ کا کھیل ہے اور لوہے کو تپا کر اور پیٹ کر اپنے کام کے ہتھیار بنائے جاتے ہیں۔

اخلاقی و دینی تعلیمات سے محرومی اور صدیوں کی بے تربیتی کے ساتھ علم و صنعت

تحقیق و اکتشافات کی ترقی سے قوت و اخلاقی میں کوئی توازن باقی نہیں رہا، انسانوں نے

پرنڈس کی طرح ہوا میں اڑنا اور پھیلنے کی طرح پانی میں سیرنا سیکھ لیا لیکن آدمیوں کی طرح زمین پر چلنا بھول گئے، بے قید اور بے شعور عقل و علم نے ہر رہزن اور قفل شکن کو قفل شکنی کا آلہ اور ہر بدست کو تلوار بیتا کی، سائنس نے بیسویں صدی کے شریرا و نادان بچوں کو کھیلنے کے لئے دھاردار اور خطرناک اور ناقسیم کئے جن سے وہ اپنے کو کبھی زخمی کر رہے ہیں اور اپنے بھائیوں کو کبھی بالآخر اندھے بہرے غنیمت نے ڈراتی اور ہیڈ روجن کم کی شکل میں انسان کے ہاتھ میں خود کشی کا ہتھیار دے دیا۔

ان لادینی قوموں کے عہد اقتدار میں انسان اس مذہبی حاتمہ سے محروم ہونے لگا جو دوسرے انسانی حواس کے ساتھ مشرق کی ہزاروں سال کی زندگی میں لازمہ زندگی رہا ہے خدا طلبی کے عمومی ذوق کی جگہ ذہنی طلبی کے بحران نے لے لی، اخلاق و معنویات اور حقیقی انسانی صفات و کمالات میں سخت انحطاط اور تنزل ہوا، غرض کوہے اور دھات کو ہر طرح ترقی ہوئی اور آدمیت کو ہر طرح زوال ہوا۔

## عالمگیر جاہلیت

اس وقت کوئی ایسی طاقت و رقوم یا جماعت جو ان مغربی قوموں سے عقائد و نظریات کا اختلاف رکھتی ہو، اور ان کے جاہلی فلسفہ اور مادی نظام زندگی کی مخالف ہو، نہ عام پر نہیں ہے، ایسی قوم یا جماعت اس وقت نہ یورپ میں پائی جاتی ہے نہ افریقہ اور ایشیا میں یورپ کے جرمینوں یا ایشیا کے جاہلی یا ہندوستان کے باشندے سب اس جاہلی فلسفہ اور اس مادہ پرستانہ نظام حیات کے قائل و متقد ہیں یا ہوتے جا رہے ہیں، باقی وہ سیاسی اختلافات اور قوموں کی سیاسی کشمکش جو اس وقت مختلف فلسفوں یا جنگوں کی صورت میں نظر آ رہی ہے، وہ محض اس بات کی کشمکش ہے کہ اس مادہ پرستی کی منزل مقصود کی طرف لے جانے کا منصب قیادت کس کے ہاتھ میں ہے؟ ایک قوم کی غیرت قومی اس کی ادار نہیں کہ دوسری قوم ایک مدت دراز سے دنیا کی قیادت پر فائز زندگی کے مسائل و فوائز سے منتفع اور دنیا کے بازاروں، منڈیوں اور نوآبادیوں پر قابض

ہے حالانکہ وہ قوت علم، نظام اور صلاحیت میں اس سے کسی طرح پیچھے اور کمتر نہیں رہا یہ کہ وہ خود کی اور منزل کی طرف بڑھنا اور دوسری قوموں کو لے جانا چاہتی ہے زمین میں اس میں انصاف قائم کرنا چاہتی ہے اور دنیا کا رخ بے دینی اور مادیت سے دین و روحانیت کی طرف، بذاتِ خلق سے اخلاق کی طرف اور نفس و شیطان پرستی سے خدا پرستی کی طرف پھیرنا چاہتی ہے تو اس غریب کو نہ اس کا دعویٰ ہے نہ یہ بھی اس کا ارادہ ہے

## اشتراکی روس اور سرمایہ دار مغربی ممالک کا فرق

رہا اشتراکی روس جس کا نظام بظاہر موجودہ مغربی قوموں سے جدا معلوم ہوتا ہے تو وہ محض جاہلی مغربی تہذیب کا ایسا پھل ہے جو یک گیلہ ہے اس میں اور دوسرے مغربی ملکوں میں صرف اتنا فرق ہے کہ اس نے منافقت اور فریب کا نقاب اپنے چہرے سے ہٹا دیا ہے اور جس فلسفہ اور اخلاق و اجتماعی نظریات کو مغربی قوموں کے مفکر، مصنف، فلسفی اور ادیب اور سیاسی اصدیوں سے لکھ لے ہے وہ ان قوموں کو دل سے مان رہی ہیں اس فلسفہ اور ان اصول و نظریات کو روٹنے ایک مرتبہ جرات کر کے اپنے ملک میں نافذ کر دیا ہے اور عملاً اس کو کر کے دکھایا ہے اشتراکی رہنما اس رفتار پر قانع نہ تھے جس رفتار سے یورپ کی قومیں اتحادِ لازمہیت (اباحت) (قسم کی آزادی) اور ہیمنہ مادیت کی طرف بڑھ رہی تھیں انھوں نے تیز رفتاری کے ساتھ منزل کی طرف قدم اٹھائے اور اس منزل پر پہنچ کر اب وہ چاہتے ہیں کہ دنیا کی قیادت کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لیں اور اقوامِ عالم کو اس منزل پر لے آئیں جس پر وہ پہنچ چکے ہیں۔

لے خدا کا فکر اور اس کی قدرتِ مطلقہ کا ایک نمونہ ہے کہ ان طور کے لکھے کے چند سال بعد قیاس و توقع اور اندازوں کے بالکل برخلاف روس میں انقلاب ہو گیا اور وہاں کی مسلمان آبادی کو بڑی حد تک مذہبی آزادی اور نئی نسل کی تعلیم و تربیت سچ و زبانت اور اسلامی ممالک کے سفروں کی آزادی مل گئی جس کی



## ایشیائی اور مشرقی قومیں

ایشیائی اور مشرقی قومیں اور سلطنتیں مختلف رفتار کے ساتھ تہذیبی سیاست کی اس منزل کی طرف گامزن ہیں جس پر وہ مغربی قوموں کو دور سے دیکھ رہی ہیں تہذیب اخلاق و اجتماع کے وہی اصول و نظریات اور زندگی اور کائنات کے متعلق وہی نقطہ نظر اختیار کرتی جا رہی ہیں تو ان مغربی قوموں کا شمار بن چکا ہے ان کے افراد کی تیر مغربی اقوام کے افراد سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے ان کو مغربی اقوام غالب سے صرف اتنا اختلاف ہے کہ وہ سیاسی بیداری اور قوم پرستی کی بنا پر غیر ملکی حکومتوں کی بیاد اور تالیقی پر اب راضی نہیں اور اس کو گوارا نہیں کرتیں کہ مغربی قوموں کی بڑی بڑی سلطنتیں اور شہنشاہیاں قائم رہیں ان غالب قوموں کے افراد اپنی سلطنتوں کے اندر سوخ کی وجہ سے مادی فوائد اور ثمرات سے مستحق ہوں اور شوکت و عظمت اور عیش و عشرت کی زندگی گزاریں ان مظلوم مشرقی قوموں کو خود اپنی سر زمین میں یہ فوائد حاصل نہ ہوں ان کو دراصل ان مغربی قوموں کے فلسفہ زندگی اور نظام سیاسی سے بنیادی اور اصولی اختلاف نہیں پورے پورے قوم پرست لڑکچہ میں اس کی طرف اشارہ بھی نہیں ملے گا ان مشرقی اور ایشیائی قوموں کو صرف اس سے اختلاف ہے کہ یہ نظام سیاسی ان کے ملک میں غیر ملکی چلائے ہوئے کم و کاست یا تفصیلات و اجزائیں کچھ تغیر و ترمیم کے ساتھ یہی نظام اپنے ملک میں خود چلانا چاہتے ہیں گویا شطرنج کی بساط نہیں اٹھنا چاہتے بلکہ صرف کھیلنے والے بدلنا چاہتے ہیں پھر ان میں سے بہت سی قوموں کی خود اپنی قدیم جاہلیت ہے جس کے ساتھ ان میں سے بہت سی قوموں نے جاہلیت فرنگ بھی اختیار کر لی ہے اور اب جب کہ بھی ان کو اقتدار حاصل ہوگا (باقی صفحہ ۳۲۱ پر)

وئی کرنی بھی مشکل تھی "يَقْلِبُ اللَّهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ" اِنِّ فِي ذٰلِكَ لَعِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَبْصَارِ " اللہ تعالیٰ اس صورت حال کو قائم رکھے اور بڑھائے ۔

وہ ان دونوں جاہلیتوں کے بہترین عناصر و اجزا برائے کار لائیں گے۔

## مسلمان جاہلیت کا حلیف

طرف تماشایہ ہے کہ جاہلیت کا قدیم و سلی حریف (مسلمان) بھی اس زمانہ میں دنیا کے ہر سبے گوشوں میں جاہلیت کا حلیف بن گیا ہے اس کو اس نے اپنی دوستی اور وفاداری کا اطمینان دلایا ہے اور دنیا کے بعض حصوں میں اس نے ان مغربی جاہلی قوموں کے لئے رضا کارانہ خدمات انجام دی ہیں جاہلیت کی اس سے بڑھ کر کیا کامیابی ہو سکتی ہے کہ بعض مسلمان قومیں اور ملتیں بعض مسلمان جماعتیں ان قوموں اور سلطنتوں کو اپنا حامی و سرپرست اور حق و انصاف کا علمبردار سمجھنے لگی ہیں جو اس زمانہ میں جاہلی تحریک کی علمبردار ہیں اور جنہوں نے جاہلیت کے تیرہوں میں زندگی کی نئی روح پھونک دی ہے عام مسلمان دنیا کی قیادت کا خیال ہی چھوڑ چکے ہیں اور اسلامی جیش کے قائم رہنے کے بجائے جاہلیت کے گرد کاررواں بننے پر تعلق ہیں اور اس پر بڑا فخر محسوس کرتے ہیں۔

افراد میں جاہلی مغربی اخلاق اس طرح سرایت کرتے جا رہے ہیں جس طرح درختوں کے رگڑ ریشہ میں پانی اور تاروں میں بجلی دوڑ جاتی ہے اسلامی ممالک میں مغربی مائیت اپنی پوری شان کے ساتھ دیکھنے میں آتی ہے خواہشات نفس کی اندھا دھند پیروی زندگی کی نہ بچنے والی پیاس اور نہٹنے والی بھوک اس قوم میں بھی پیدا ہوتی جا رہی ہے جس کے نزدیک آخرت کی زندگی اہل زندگی ہے مغربی علوم اور تہذیب کے اثر سے آخرت کا خیال روز بروز کمزور ہو جاتا جا رہا ہے اور جیسا دنیا کی اہمیت اور شہرت بڑھتی جا رہی ہے اعزاز و فخر و جاہ کے حصول میں اور سر بلندی اور سرفرازی کی کوشش میں بلند ہو سلا اور ترقی پسند مسلمان یورپ کے ترقی یافتہ لوگوں کے نقش قدم پر ہے اصول و اخلاق پر فواید اور مصلحتوں کو ترجیح دینے کا مرض پھیل گیا ہے مادی قوموں کی تقلید میں ظاہر نامائش اور کھلے مظاہر کی گرویدگی بڑھ گئی ہے انسانوں کی زندگی قوت اور دولت کے سامنے سرفرازی

اور شاہ پرستی میں کہیں کہیں یہ سوخت اور مجاہد امتِ مشرک اور غلامِ طینت قوموں سے زیادہ ممتاز نظر نہیں آتی۔

## امیت کی شعاع

یہ سب کچھ ہے مگر اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں یہیں امیت کی شعاع نظر آتی ہے، دوسری قومیں آسانی ہدایت اور پیغمبروں کی تعلیم و حکمت کے سرمایہ کو کسیر کھو چکی ہیں اور صدیوں پہلے ان کے سفینوں اور ان کے سینوں میں یہ روشنی گل ہو چکی ہے، ماضی و حال کو مربوط رکھنے والے رشتہ کے ایک تاریک زمانہ کا ہاتھ کاٹ چکا ہے، ان قوموں کی مذہبی اصلاح کی تباہی بتلاتی ہے کہ ان میں دینی تجدید و احیاء کی دعوت کوئی وسیع انقلاب برپا نہیں کر سکتی اور کوئی بڑی تبدیلی پیدا نہیں کر سکتی، گو سالہ کے اس نئے مردہ میں کوئی سامری، مذہبی اور اخلاقی زندگی کی نئی روح نہیں پھونک سکا، مادہ پرستی، دولت و قوت پرستی پورے طور پر ان پر حاوی ہو چکی ہے، جاہلیت کے قطع کئے ہوئے لباس یکے بعد دیگرے ان کے جسم پر پشت ہو سکتے ہیں مگر دین کا لباس ارباب کے قامت پر راست نہیں آتا، جاہلیت کے بالکل مخالف اور متوازی نظامِ دین و اخلاق و معاشرت و اجتماع و سیاست کو ان کا صدیوں کا بنا ہوا داعی سانچہ اب قبول نہیں کرتا۔

اس کے برخلاف مسلمانوں کا دینی سرمایہ اور آسانی ہدایت حکمت کا سرشتہ محفوظ ہے، رسولِ شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور صحابہ کرام کی زندگی جس میں پوری اُمت کی تخلیق کی قوت ہے ان کے پاس موجود ہے، پھر اصحابِ تجدید کا ایک غیر منقطع سلسلہ اور اصلاح و انقلاب کی دینی دعوت کا ایسا تسلسل ہے جس نے امت کو کسی دور میں بھی جاہلیت میں گم ہو جانے کا موقع نہیں دیا، جاہلیت کا خالص مادی نظامِ امت کا ذہن (جب تک کہ اس کا سانچہ توڑ کر

از سر نو نہ بنایا جائے) پورے طور پر غم نہیں کر سکتا اور مسلمان جاہلیت کی مشینری میں اس طرح فٹ نہیں ہو سکتا جس طرح ایک ڈھلاؤ ڈھلایا پرزہ فٹ ہو جاتا ہے۔

## دین الہی کا علمبردار اور دنیا کا محتسب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان بدر میں فرمایا تھا:-

اَللّٰهُمَّ اِن تَهْلِكْ هَذِهِ الْعَصَابَةُ لِيْ اَشْرَكَرْتُ اَوْ اَسْجَعْتُ كَوْكَبًا كَرِهْتَ  
لَا تُعْبِدُ۔  
تو پھر تیری عبادت نہ کی جائے گی۔

مسلمانوں کے سامنے نقائص کے باوجود یہ حقیقت اب بھی اسی طرح باقی ہے، جاہلیت دنیا کے لئے جو نقشہ رکھتی ہے اور جس نقشہ پر وہ آج دنیا کو چلا رہی ہے اس کے خلاف اگر کوئی نقشہ ہے تو صرف مسلمانوں کے پاس ہے اگرچہ مسلمان خود اس کو بھولے ہوئے ہیں لیکن نقشہ ابھی ضائع نہیں ہوا اور نہ کبھی ضائع ہو سکتا ہے مسلمان اپنے دین کے رُوسے دنیا کے محتسب اور خدائی فوجدار ہیں جس دن وہ میدان ہوں گے اور اپنا فرض منصبی انجام دیں گے وہ مشرق اور مغرب کی قوموں کے لئے روزِ حساب ہوگا، انھیں کے خاکستر میں وہ چنگاری دہلی ہوئی ہے جو کسی نہ کسی دن بھرک کر جاہلیت کے خرمن کو جلا کر خاک کر دے گی۔

علامہ اقبال مرحوم نے اس حقیقت کو نظامِ جاہلی کے علمبردار و صدر نشین ابلیس کی زبان سے ادا کروایا ہے ۱۹۳۶ء کی مجلسِ شوریٰ میں شیاطینِ عالم نے جس ہوکر ان خطرات کو پیش کیا جو ابلیسی نظام کے لئے سخت تشویش اور پریشانی کا باعث ہیں اور جرن کی طرف جلد متوجہ ہونے کی ضرورت ہے ایک شیر نے مہموریت کا نام لیا، اور اس کو جہان نو کا تازہ فتنہ بتلایا، دوسرے نے اشتراکیت سے سخت خطرہ ظاہر کیا اور ابلیس کو مخاطب کر کے کہا ہے

فتنہ فردا کی بسبت کا یہ عالم ہے کہ آج کانپٹے ہیں کوہ سار و مرغزار و جوئبار  
میرے آقا! وہ جہاں زیر و بر ہوئے کوہے جس جہاں کلبے فقط تیری سیادت پر مدار  
صدر مجلس (ابلیس) نے اپنے مشیروں کو ان فتنوں سے اطمینان دلایا اور اپنی گہری اوٹ  
اندرونی واقفیت کی بنا پر ان کی اصل حقیقت بیان کی جو ان کی ظاہر میں نگاہ سے پوشیدہ  
رہ گئی تھی، اور ان فتنوں کا توڑ بتایا جس کا اس نے پہلے سے انتظام کر لیا تھا۔

آخر میں اس نے اپنے نقطہ نظر سے اصل خطرہ کا ذکر کیا جس کے لئے اگرچہ اس نے انتظامات  
سوچ لئے ہیں مگر مستقبل کی خطرناکی سے اس کے جسم پر زہ طاری اور راتوں کی نیند حرام ہے، وہ کہتا ہے،  
ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے جس کی خاکستر میں ہے اب تک شراب آرزو  
خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ کرتے ہیں اشک بکھاہی سے جو ظالم و ضو  
جانتا ہے جس پر روشن باطن ایام ہے مہر دیکھتے فتنہ فردا نہیں اسلام ہے  
جانتا ہوں میں یہ امت حامل قرآن نہیں ہے وہی سرمایہ داری بندہ مومن کا دیں  
جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری راتیں بے یار و مددگار ہیں ان خرم کی آستین  
عصر حاضر کے تقاضاؤں سے لیکن یہ نوت ہونہ جائے آشکارا شرع پیغمبر کہیں  
اکھڑا آئین پیغمبر سے سوار اکھڑ حافظ ناموس زن مرد آزار و آفریں  
موت کا پیغام ہر نوع غلامی کے لئے نے کوئی فتنور و خاتان نے فقیر وہ نشیں  
کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک و صاف منعموں کو مال دولت کا بنانا ہے امیں  
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب بادشاہوں کی نہیں انہی کے یہ زمین  
چشم عالم سے ہے پوشیدہ یا آئین و خوب غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محروم یقیں

ہے یہی بہتر اہلیات میں اُبھار ہے      یہ کتاب الشریک تاویلات میں اُبھار ہے  
وہ اپنے شیروں کو مشورہ دیتا ہے ۵

توڑ ڈالیں جس کی تکبیریں طمّش بہت      ہونہ روشن ماس خدا اندیش کی تاریک رات  
تم اسے بیگانہ رکھو عالم کو دار سے      تابا ساط زندگی میں اس کے سبب ہے ہوتا  
خیر اسی میں ہے قیامت تک ہے یمن غلام      چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہان بے ثبات  
ہے وہی شریعت و تقوت اس کے حق میں خوب تر      جو چھپانے اس کی آنکھوں کو تاشائے حیات  
ہر نفس در تاہوں رات کی بیدارگی میں      ہے حقیقت جس کے دین کی احتساب کا ثبات

## عالم اسلامی کا پیغام

عالم اسلام کے پاس اب بھی دنیا کے لئے نیا پیغام اور زندگی کی نئی دعوت ہے یہ وہی پیغام  
ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سائے تیرہ سو برس پہلے اس کے حوالہ کیا تھا یہ ایک بڑا طاقوت  
واضح اور روشن پیغام ہے جس سے زیادہ منصفانہ بلند و برتر اور مبارک پیغام اس پورے عرصہ میں  
دنیا نے کسی کی زبان سے نہیں سنا۔

یہ بعینہ وہی پیغام ہے جس کو سن کر مسلمان مدینہ طیبہ سے نکلے اور تمام دنیا میں پھیل گئے اور  
جس کو ایک مسلمان میسر نے شاہ ایران کے اس سوال پر کہ تم ہمارے ملک کیسے آئے مختصر لفظوں میں  
اس طرح بیان کیا تھا: اللہ نے ہم کو اس لئے بھیجا ہے تاکہ ہم اس کی شہادت لوگوں کو بندوں کی زندگی  
سے نکال کر اس وحدہ لا شریک کی زندگی میں دنیا کی تنگی سے اس کی وسعت میں اور مذابحہ کے ظلم  
و نا انصافی سے اسلام کے عدل و انصاف میں داخل کریں اس پیغام میں آج بھی ایک حرکت کی کوشش  
کی ضرورت نہیں آج کی بیسویں صدی کی دنیا کے لئے بھی وہ ایسا ہی نیا اور تازہ اور نارسا حال

ہے، جیسا پچھٹی صدی مسیحی دنیا کے لئے تھا۔

آج بھی لوگ تراشیدہ اور ناتراشیدہ بتوں کے سامنے سرسجود ہیں آج بھی اللہ احد کی بندگی اجنبی و نامانوس ہو رہی ہے آج بھی غیر اللہ کی عبادت و طاقت کا بازار گرم ہے آج بھی خواہشاتِ نفس کا بت برسرِ راہ پچ رہا ہے آج بھی اجار و تہیان (عالم درویش) ملک و سلطان صاحبِ طاقت اور اہلِ دولت، زعماء و قائدینِ سیاسی جماعتیں اور ان کے لیڈرز آبائِ مَن دُوزِ اللہ بنے ہوئے ہیں جن کے لئے ویسے ہی قربانیاں پیش کی جا رہی ہیں اور ان کے آتانوں پر اسی طرح سے ناصیہ فرسائی ہو رہی ہے جیسے عبودانِ باطل کے سامنے ہوتی تھی۔

آج عالمِ انسانیت اپنی وسعت و وسائلِ سفر کی فراوانی نقل و حرکت کی آسانی اور اقوام و ممالک کے قربِ اتصال کے باوجود پہلے سے کہیں زیادہ تنگ ہے اس وقت کا مادہ پرست انسان اس دنیا میں کسی دوسرے کی ہستی کو تسلیم نہیں کرتا، اور اپنے فوائد اور خواہشاتِ نفس اور خود پرستی کے سوا اس کو کسی چیز سے کچھ نہیں خود غرضی نے اس کی بھی گنجائش نہیں چھوڑی کہ کسی لمبے چوڑے ملک میں دو آدمی بھی زندہ رہ سکیں تنگ نظر وطن پرستی ہر ایسے انسان کو جو اس کے وطن کے باہر پیدا ہو جانے کا قصور وار ہے نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھتی ہے اس کے ہر کمال کی منکر ہے اور اس کو ہر حق سے محروم کرتی ہے۔

پھر اس زندگی کی رہی سہی وسعت کو ان اہلِ سیاست و حکومت نے اور تنگ کر دیا ہے جو زندگی 'وسائلِ معیشت اور خوراک کے سرچشموں اور ذخیروں پر قابض ہیں وہ جس کے لئے چاہتے ہیں اس زندگی کو تنگ کر دیتے ہیں اور جس کے لئے چاہتے ہیں وسیع کر دیتے ہیں وسیع شہر اور شاہدِ زر خیز ملک لوگوں کے لئے بے فیض ہو گئے ہیں قوموں کی قومیں اور پوری پوری آبادیاں نابالغ بچوں اور نامہ سمجھ ٹیموں کی طرح دوسروں کی اتالیقی اور تولیت میں زندگی گزار رہی ہیں،

انسان کا انسان پر اعتماد نہیں رہا، ہر ایک دوسرے کو بدگمانی اور شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اپنا حریف سمجھتا ہے۔ قرآن مجید کے طبع اور معجزانہ الفاظ کے مطابق زمین اپنی تمام دستوں کے باوجود تنگ ہو گئی ہے اور طبیعتیں اندر ہی اندر ٹھجنے لگی ہیں۔ تمدن اور حکومت کی نئی نئی بیڑیاں اور غلامی کے طوق لوگوں پر پڑتے جا رہے ہیں، ہر وقت ٹیکسوں اور نئے نئے محاصل کی بھرمار سے مصنوعی قحطوں کا خطرہ ہے، بیرونی اور اندرونی جنگیں سروں پر نڈھال رہی ہیں، فسادات، اسڑائیکس اور ہڑتال زندگی کا لازمہ بن گئے ہیں۔

بے شک آج بھی مذاہب کی نا انصافی سے اسلام کے عدل و انصاف کی طرف لانے کی ضرورت ہے، اس روشن خیال اور ترقی یافتہ زمانہ میں بھی ایسے مذاہب پائے جاتے ہیں جن کے عقائد و تعلیمات مضحکہ خیز ہیں، جو اپنے پیروں کو بے عقل اور بے شعور جانوروں کی طرح قابو میں رکھتے ہیں اور ان کو اپنے عقل و تفکر سے کام لینے کی اجازت نہیں دیتے پھر کچھ مذاہب نظام ایسے ہیں جو مذہب کہلانے کے روادار تو نہیں لیکن اپنے تسلط و اقتدار میں اپنی غیر محدود طاقت و حکومت میں اور اپنے پیروں کی اندھی تقلید اور جوش عقیدت میں قدیم مذاہب کے کسی طرح کم نہیں ہیں یا یہ وہ سیاسی نظام اور اقتصادی نظریات ہیں جن پر آج لوگ اسی طرح سے ایمان لائے ہیں، جیسے پہلے مذاہب وادیان پر ایمان لاتے تھے، یہ اس عصر کی قوم پرستی، وطن پرستی، جمہوریت، اشتراکیت اور اشتعالیت وغیرہ ہے، یہ نئے مذاہب اپنی نارواداری تنگ نظری اور بے رحمی میں قدیم جاہلی ادیان و مذاہب کے بھی بڑے ہوئے ہیں، کسی سیاسی عقیدہ یا ماسوائی نظریہ سے اختلاف کی سزا آج اس سے کہیں زیادہ سخت ہے جتنی زمانہ سابق میں کسی مذہب یا عقیدہ سے اختلاف کی تھی، آج جب کسی پارٹی یا اصول کا اقتدار قائم ہوتا ہے تو مخالف جماعت کو زندگی کا حق بھی نہیں دیا جاتا اور اس کو اپنے اختلاف کی سخت سزا جھگلتی پڑتی ہے اس زمانہ کی



ڈاؤنری جنگیں کسی مذہبی اختلاف کی بنا پر یا کسی مذہبی گروہ کی تحریک سے نہیں ہوئیں بلکہ محض سیاسی اغراض کے تصادم اور قومی خود غرضیوں کی بنا پر ہوئیں اسپین چین کی خانہ جنگیاں جن کے سامنے چھٹی صدی عیسوی دنیا کی مذہبی خانہ جنگی اور قرون وسطیٰ کی کلیسا اور علم و فن کی کشمکش بھی گر دے کسی مذہبی اختلاف کی بنا پر نہ تھیں بلکہ محض ایک سیاسی اصول کے اختلاف اور اقتدار پسند گروہوں کی کشمکش تھی۔

CIVIL WARS  
آج بھی عالم اسلامی کا پیغام خدا نے واحد کی عبادت اور اطاعتِ مطلق اللہ کے پیغمبروں کی رسالت بالخصوص آخری اور سب سے بڑے پیغمبر محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت اور آخرت کے عقیدہ پر ایمان لانے کی دعوت ہے اس دعوت کو قبول کرنے کا انعام اور صلہ یہ ہوگا کہ یہ عالم تو برتو تارکیوں سے نکل کر جن میں وہ صدیوں سے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے روشنی کی طرف آجائے گا، اپنے جیسے انسانوں کی بندگی سے وہ نجات پا کر خدا کے واحد کی بندگی کی نعمت پائے گا، زندگی کے اس جیل خانہ سے نجات پا کر جس میں وہ صدیوں سے محبوس ہے زندگی کے کھلے میدان اور دنیا کی آزاد فضا میں قدم رکھے گا، اعتقادی اور سیاسی مذاہب کی جبر و بندوبستوں سے رہائی پا کر وہ دیرِ فطرت اور شریعتِ الہی کے سایہ عدل میں جگہ پائے گا۔

اس پیغام کی ضرورت و اہمیت کی اس بلندی و برتری جیسی اس زمانہ میں واضح ہوئی ہے اور جیسا آج اس کا سمجھنا آسان ہو گیا ہے ویسا کبھی نہیں ہوا تھا، آج جاہلیت سر بازار سوا ہو چکی ہے اس کے چھپے ڈھکے عیب کھل گئے ہیں لوگ زندگی سے عاجز ہیں اور اس وقت کے ناخداؤں سے مایوس ہیں، دنیا کی قیادت میں اصولی تبدیلی کا یہ خاص وقت ہے اس وقت تک دنیا کی قیادت میں جو کچھ تبدیلیاں ہوئیں وہ اس سے زائد نہیں

کہ جب کشتی کا ملاح کھیتے کھیتے تھک جاتا ہے تو وہ کشتی کا پتوار ایک ہاتھ سے دوسرے میں لے لیتا ہے، جب وہ ہاتھ بھی تھک جاتا ہے تو پھر پتوار بدل لیتا ہے، برطانیہ سے امریکہ یا امریکہ سے روس کی طرف عالمگیر رہنمائی یا بین الاقوامی اثر و افتدار کی تبدیلی کی حقیقت اس سے زائد کچھ نہیں کہ ملاح نے کشتی کا پتوار ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں لے لیا، یہ ناخدا کی تبدیلی یا اصول جہاز رانی کی تبدیلی یا سمت سفر کی تبدیلی نہیں ہے، بلکہ صرف دائیں بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

انسانیت کی مشکل کا صرف ایک ہی حل ہے اور وہ یہ کہ عالمگیر قیادت اور زندگی کی جہاز رانی ان مجرم اور انسانیت کے خون سے رنگین ہاتھوں سے نکل کر جنھوں نے انسانیت کے قافلہ کو غرق کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے ان امانت دار فرض شناس، خدا ترس، تجربہ کار ہاتھوں کی طرف منتقل ہو جو انسانیت کی جہاز رانی کے لئے روز ازل سے بنائے گئے ہیں، قیصر خیز اور کارآمد انقلاب صرف یہ ہے کہ دنیا کی رہنمائی اور انسانیت کی سربراہی جاہلیت کے کیمپ سے جس میں برطانیہ، امریکہ، روس اور ان کی حاشیہ بردار مشرقی اور ایشیائی قومیں ہیں، اور جس کی زمام قیادت مشرّفین اور اکابر مجرمین کے ہاتھوں میں ہے منتقل ہو کر اس امت کے ہاتھ میں آجائے جس کی قیادت انسانیت کے مہمراز عظیم رحمت عالم سید اولاد آدم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہے، اور جو اس دنیا کی تعمیر نو اور انسانیت کی نشأت ثانیہ کے لئے محکم اور واضح اصول و تعلیمات رکھتی ہے، اور جس کا ایمان دنیا کو اس وقت کی جاہلیت سے اسی طرح نکال سکتا ہے جس طرح اس نے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے نکالا تھا۔

## نیا ایمان

لیکن اس کا عظیم کئے عالم اسلام کو خود تیاری اور اپنے میں تبدیلی پیدا کرنے کی ضرورت ہوگی اس کے لئے پہلی تیاری یہ ہے کہ عالم اسلام، اسلام پر نیا اور تازہ ایمان لائے عالم اسلام کو نئے دین، نئے پیغمبر، نئی شریعت اور نئی تعلیم کی قطعاً ضرورت نہیں، اسلام آفتاب کی طرح نہ کبھی پرانا تھا نہ اب پرانا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت دائمی اور آخری نبوت ہے آپ کا دین محفوظ ہے اور آپ کی تعلیمات زندہ لیکن عالم اسلام کو بلاشبہ نئے ایمان کی ضرورت ہے، نئے فتنوں، نئی طاقتوں، نئی ترغیبوں، نئی دعوؤں کا مقابلہ کمزور ایمان اور مجرد رسوم و عادات سے نہیں کیا جاسکتا، کوئی بوسیدہ عمارت کسی نئے طوفان اور کسی نئے سیلاب کو برداشت نہیں کر سکتی، پھر داعی کے لئے ضروری ہے کہ اس کو اپنی دعوت پر غیر متزلزل یقین ہو اس میں ایک ایسے انسان کا جو شہ ہو کسی نئے عقیدہ پر نیا ایمان لایا ہے ایک ایسے انسان کا سرور اور سرخوشی ہو جس نے کوئی نیا خزانہ پایا ہو یا نیا ملک دریافت کیا ہو، عالم اسلام اگر دنیا کے انسانیت میں نئی روح اور نئی زندگی پیدا کرنا چاہتا ہے اور دنیا کی موجودہ مادہ پرستی اور شک و اضطراب پر فتح حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کو اپنے اندر نئی ایمانی روح، تازہ یقین اور نیا جوش و خروش پیدا کرنا ہوگا۔

## معنوی تیاری

عالم اسلامی کو اس مقدس فریضہ کو ادا کرنے کے لئے معنوی تیاری اور اندرونی

تبدیلی کی بھی ضرورت ہوگی، ظاہر ہے کہ عالم اسلام خدا ناشناس یورپ کا مقابلہ تمدن و تہذیب کے کھوکھلے مظاہر مغربی زبانوں کی مہارت اور زندگی کے اس رنگت گھنگ کے اختیار کر لینے سے نہیں کر سکتا جس کو قوموں کی ترقی میں کوئی دخل نہیں، وہ اپنا پیغام اس رُوح اور معنوی طاقت کی مدد ہی سے پہنچا سکتا ہے جس میں یورپ روز بروز دیوالیہ ہوتا جا رہا ہے، عالم اسلام اپنے تہذیبی مقابل پر صرف اسی صورت میں غلبہ حاصل کر سکتا ہے کہ وہ اپنے حریف سے ایمان میں فائق ہو، زندگی کی محبت اس کے دل سے نکل چکی ہو، خواہتا نفسانی کے بند سے آزاد ہو چکا ہو، اس کے افراد شہادت کے حریف ہوں جنت کا شوق ان کے دل میں چٹکیاں لیتا ہو، دنیا کا فانی مال و متاع ان کی نگاہ میں وقعت نہ رکھتا ہو، اللہ کے راستے کی تکلیفیں اور مصیبتیں وہ منہی خوشی برداشت کرتے ہوں، درحقیقت ایک خدا ناشناس منکر آخرت کے مقابل میں مومن کا یہی امتیاز ہے، اور اسی بنا پر اس سے یہ توقع کی گئی ہے کہ اس میں برداشت کی طاقت زیادہ ہوگی، قرآن مجید میں ہے :-

وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۚ اِنْ تَكُونُوا تَامُونَ فَاِنَّهُمْ يَكُونُونَ  
مَكْنَتًا ۚ لَّمْ يَكُونُوا وَتَوْجُوهً مِّنَ اللّٰهِ  
مَا لَا يَرْجُونَ ۚ  
اور مخالف قوم کے تعاقب میں ہمت نہ ہارو اگر تمہیں دکھ پہنچتا ہے تو ان کو بھی دکھ پہنچتا ہے جیسے تم کو پہنچتا ہے اور تم اللہ تعالیٰ سے ایسی ایسی چیزوں کی امید رکھتے ہو جن کی وہ انہیں نہیں کہتے۔ (النساء - ۱۰۴)

واقعہ یہ ہے کہ مومن کی طاقت اور اس کے فتح و غلبہ کا راز یہ ہے کہ اس کو آخرت کا یقین اور اللہ کے اجر و ثواب کی امید ہوتی ہے، اگر عالم اسلامی کے سامنے بھی تمام تر دنیوی دنیاوی مقاصد اور مادی منافع ہیں اور وہ بھی محض محسوسات و مادیات کے ظلم میں

گرفتار ہے تو یورپ کو اپنی مادی طاقت صدیوں کی تیاری اور وسیع ساز و سامان کی بنا پر غلبہ اور اقتدار کا زیادہ حق ہے۔

عالم اسلام پر ایک طویل دور ایسا گزرا ہے کہ اس کو معنوی طاقت کی قیمت کا کوئی اندازہ نہیں تھا، اور نہ اس کو اس کی حفاظت کی فکر تھی نہ وہ اس کو غذا پہنچانے کی طرف متوجہ تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے سوتے خشک ہوتے چلے گئے، اور تیزی سے اس میں انحطاط واقع ہوا اسی عرصہ میں عالم اسلامی کو مختلف مقامات اور مختلف اوقات میں ایسے محرکے پیش آئے جن میں اس کو ایمان و یقین، صبر و تحمل اور ثبات و استقامت کی ضرورت بشدت محسوس ہوئی اور جو ان صفات کے بغیر جیتے نہیں جاسکتے تھے، جب اسلامی طاقتوں کو دھکا لگا اور انھوں نے اس معنوی طاقت کا سہارا لینا چاہا جس کی جگہ مسلمانوں کے دل تھے تو ان کو اچانک یہ معلوم ہوا کہ یہ طاقت عرصہ ہوا گم ہو چکی ہے اور دل کی انگلیٹھیاں سر ہو چکی ہیں اس وقت عالم اسلامی کو یہ محسوس ہوا کہ اس نے اس روحانی طاقت کی ناقدری کر کے اور اس سے غفلت برت کر اپنے اوپر بڑا ظلم کیا ہے اس وقت اُس نے اپنے ذخیرہ کا جائزہ لیا تو اس کو کوئی ایسی چیز نہ مل سکی جو اس خلا کو پُر کر سکے اور اس نقصان کی تلافی کر سکے۔

اسی عرصہ میں عالم اسلامی کو ایسے محرکے بھی پیش آئے جن میں اسلام کی عزت و حرمت کا سوال تھا اس کو خیال تھا کہ تمام عالم کے مسلمانوں میں قیامت برپا ہو جائے گی اور وہ اسلام کی طرف سے مدافعت، مقامات مقدسہ کی حفاظت اور دینی جوش و حمیت میں اندر خود رفتہ ہو جائیں گے اور تمام اسلامی ممالک میں آگ سی لگ جائے گی، لیکن عالم اسلام پر ان واقعات کا کوئی خاص اثر نہیں پڑا، زندگی کے کام بدستور ہوتے رہے کہیں کہیں

کچھ آواز بلند ہوئی اور خاموش ہو گئی اور پھر دنیا اپنے کام میں لگ گئی، اس وقت عالم اسلام کے مفکرین اور اہل نظر کو معلوم ہوا کہ دینی حمیت اور اسلامی احساس کمزور پڑ چکا ہے اور ایمان کا شعلہ اگر پورے طور پر بجھا نہیں تو بہت دب گیا ہے اس وقت دوسروں کو بھی عالم اسلام کی یہ کمزوری معلوم ہوئی اور اندرونی انحطاط اور انحلال کا احساس ہوا، اور اس کا وہ رعب جاتا رہا جو اس کی مجاہدانہ تاریخ پڑھ پڑھ کے دل و دماغ پر پڑتا ہے۔

آج عالم اسلامی کے قائدین و مفکرین اور اس کی جماعتوں اور حکومتوں کے لئے کرنے کا کام یہ ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں ایمان کا تخم دوبارہ بونے کی کوشش کریں، جذبہ دینی کو پھر متحرک کریں اور پہلی اسلامی دعوت کے اصول و طریق کار کے مطابق مسلمانوں کو ایران کی دعوت دیں اور انشور رسول اور آخرت کے عقیدہ کی پوری طاقت کے ساتھ دوبارہ تبلیغ و تلقین کریں اس کے لئے وہ سب طریقے استعمال کریں جو اسلام کے ابتدائی داعیوں نے اختیار کئے تھے، نیز وہ تمام مسائل اور طاقتیں کام میں لائیں جو عصر جدید نے پیدا کر دی ہیں۔

قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اب بھی زندگی اور طاقت کا ایسا سرچشمہ ہے جس سے عالم اسلام کی خشک رگوں میں زندگی کا گرم اور تازہ خون پھر دوڑ سکتا ہے ان کے مطالعہ اور اثر سے اس جہاں کی دنیا کے خلاف بغاوت کا جذبہ ابھرتا ہے اور ان کی تاثیر سے ایک نگہبانی سوتی قوم ایک پرجوش بے چین اور سرگرم عمل قوم بن جاتی ہے ان کے اثر سے (اگر ان کو اثر کرنے کا موقع دیا جائے) پھر ایک بار ایمان اور نفاق، یقین اور شک، وقتی فوائد اور مستحکم عقائد، موقع پرست ذہنیت

اور حق پرست ضمیر، عقل، مصلحت میں اور عرش مصلحت سوز کے درمیان پھر مرکز کا زبنا گرم ہوتا ہے پھر جہانی راحت اور قلب کے سکون تن آسانی کی زندگی اور شہادت کی موت کے درمیان کش کش پیدا ہوتی ہے وہ مبارک کش کش جو ہر سنمیر نے اپنے اپنے وقت میں پیدا کی تھی، اور جس کے بغیر حق و باطل کا فیصلہ اور اس دنیا کی اصلاح و انقلاب کا کوئی کام نہیں ہو سکتا، اس وقت عالم اسلامی کے گوشہ گوشہ اور مسلمانوں کے ایک ایک گھر اور ایک ایک خاندان میں ایسے صاحب ایمان نوجوان پیدا ہوں گے جن کی تعریف قرآن مجید میں اس طرح کی گئی ہے :-

اِنَّهُمْ فِتْنَةُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَتَبْوَةٌ لِّدِيْنِهِمْ  
وَزِدْنَهُمْ مُّهُدًى وَتَبْلُغُنَا اَعْلٰی  
قُلُوْبِهِمْ اِذَا قَامُوْا فَتَاٰۤا  
رَبَّنَا رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ  
لَنْ نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ الْاِلٰهَآ  
لَقَدْ قُلْنَا اِذَا شَطَطَا  
(الکہف: ۱۳-۱۵)

وہ لوگ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کی ہمت میں اور ترقی کر دی تھی اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیے جب کہ وہ (دین میں) پختہ ہو کر کہنے لگے کہ ہمارا رب تو وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے ہم تو اس چھوٹے کسی معبود کی عبادت نہ کریں گے کیونکہ اس معبود میں ہم نے یقیناً بڑی ہی

بیجا بات کہی۔

اس وقت پھر دنیا میں ایک بار بلال و عمار، خباب و ضحیب، صہیب و مصعب بن عمر، عثمان بن مظعون اور انس بن النضر کے جوش ایمانی اور ایشاد و قربانی کے نونے نگاہوں کے سامنے آئیں گے، جنت کی ہوائیں اور قرن اول کے ایمانی جھونکے دوبارہ چلنے

اور ایک نیا عالم اسلام ظہور میں آئے گا جس سے موجودہ عالم اسلام کو کوئی نسبت نہیں۔  
موجودہ عالم اسلام کی بیماری، پریشانی اور بے اطمینانی نہیں ہے بلکہ حد سے  
بڑھا ہوا اطمینان و سکون، دنیا کی زندگی پر قناعت اور حالات کے مصاحبت ہے آج  
دنیا کا عالمگیر فساد اور انسانیت کا زوال اور ماحول کی خرابی اس کے اندر کوئی بے حسنی  
نہیں پیدا کرتی، اس کو زندگی کے اس نقشہ میں کوئی چیز غلط اور بے محل نظر نہیں آتی اس کی  
نظر اپنے ذاتی مسائل اور مادی فوائد سے آگے نہیں بڑھتی اس کی موجودہ افسردگی اور  
مرہ دلی کا سبب صرف یہ ہے کہ اس کا پہلو خلش سے اور اس کا دل تپش سے خالی ہے۔

طیب عشق نے دیکھا مجھے تو فرمایا

ترامض ہے فقط آرزو کی بے نشی

اس لئے ضرورت ہے کہ یہ مبارک کش کش پھر پیدا کی جائے اور اس امت کا سکون  
برہم کیا جائے اس کو اپنی ذات اور اپنے مسائل کی فکر کے بجائے (جو جاہلی قوموں کا شعار  
ہے) انسانیت کا درد و غم، ہدایت و رحمت کی فکر اور آخرت اور محاسبہ الہی کا خطرہ  
پیدا ہو اس امت کی خبر خواہی اس میں نہیں ہے کہ اس کے لئے سکون اطمینان کی دعا  
کی جائے بلکہ اس میں ہے کہ اس کے لئے درد و اضطراب کی دعا کی جائے اور بر ملا کہا جائے۔  
خدا تجھے کسی طوفان سے آتشا کر دے

کہ تیرے بھر کی موجوں میں اضطراب نہیں

شعور کی تربیت

کسی قوم کے لئے سب سے زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ وہ صحیح شعور سے خالی ہو،



ایک ایسی قوم جو ہر طرح کی صلاحیتیں رکھتی ہو اور دینی و دنیاوی دولتوں سے مالا مال ہو لیکن اس کو نیک و بد کی تمیز نہ ہو وہ اپنے دوست و دشمن کو نہ پہچانتی ہو کچھلے تجربوں سے فائدہ اٹھانے کی اس میں صلاحیت نہ ہو اپنے رہنماؤں اور قائدین کا احتساب کرنے کی اور قوم مجرموں کو سزا دینے کی اس میں جرأت نہ ہو وہ خود غرض رہنماؤں کی چرب زبانی و شیریں کلامی سے مسحور ہو جاتی ہو اور ہر مرتبہ بنیادھوکا کھانے کے لئے تیار رہتی ہو وہ قوم اپنی تمام دینی ترقیات اور دنیاوی سرفرازیوں کے ساتھ قابل اعتماد نہیں وہ پیشہ و راؤ خود غرض رہنماؤں اور منافق قائدین کا کھلوتا بن جاتی ہے ان کو قوم کی سادہ لوحی اور بے شعوری کی بنا پر مانی کاروائیاں کرنے کا موقع ملتا ہے اور ان کو اس کا اطمینان ہوتا ہے کہ کبھی ان کا محاسبہ اور ان سے باز پرس نہیں کی جائے گی۔

مسلم ممالک کے متعلق اگر ہم یہ کہنے سے احتیاط کریں کہ وہ بیداری اور شعور سے بالکل محروم ہیں تو اس میں شبہ نہیں کہ ان کا شعور بہت کمزور ہے اور وہ بیداری کی ابتدائی منزل میں ہیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ خیر خواہ اور بدخواہ کے ساتھ ان کا معاملہ تقریباً یکساں ہے بلکہ بعض اوقات بدخواہ اور غیر غلصہ شخاص مسلمانوں میں زیادہ ہرود و عریزہ اور متعبد بن جاتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "مومن مانپ کے ایک سو راج سے دو بار نہیں ڈسا جاتا" لیکن مسلمان ممالک کے باشندے ہزار ہزار بار سے جانے کے لئے تیار رہتے ہیں ان کا حافظہ نہایت کمزور ہے وہ اپنے قائدین اور رہنماؤں کے ماضی کو اور ماضی قریب کے واقعات کو فوراً بھول جاتے ہیں ان کا دینی اور شہری شعور کمزور اور سیاسی شعور تقریباً ناپید ہے یہی وجہ ہے کہ وہ غالب قوموں اور خود غرض رہنماؤں کا بازیچہ اطفال بنے ہوئے ہیں اور آسانی کے ساتھ ان کا فوج ہر طرف موڑا جاسکتا ہے حکومتیں ان کی مرضی کے خلاف فیصلے

کرتی رہتی ہیں اور جس طرف چاہتی ہیں ایک لاکھی سے ہانک لے جاتی ہیں۔

مغربی قومیں اپنے روحانی اور اخلاقی افلاس اور ان تمام خرابیوں کے باوجود جن کی تشریح ہم نے اس کتاب میں کی ہے شہری اور سیاسی شعور کی مالک ہیں وہ سیاسی طبع کو پہنچ چکی ہیں وہ اپنے نفع و نقصان کو پہچانتی ہیں وہ مخلص و منافق، اہل و نااہل کے فرق کو جانتی ہیں وہ اپنی قیادت ایسوں کے سپرد نہیں کرتیں جو نااہل ضعیف اور خائن ہیں وہ جب اپنے موافق کسی کے سپرد کرتی ہیں تو ڈرتے ہوئے اور احتیاط کے ساتھ اور جس حد تک بھی ان کی نااہلی یا خبیث کا اظہار ہوتا ہے اور وہ یہ دیکھتی ہیں کہ وہ اپنی ذمہ داری ادا کر چکے اور ان کا کام ختم ہو گیا تو ان کو وہ اپنے منصب سے بکدوش کر دیتی ہیں اور ان کی جگہ ایسے لوگوں کو لے آتی ہیں جو ان سے زیادہ اہلیت کے مالک اور موقع کے مناسب ہوتے ہیں اس موقع پر کسی رہنمایا معتمد کی سابقہ خدمات شاندار ماضی اور کسی محرک میں نمایاں کامیابی اس قومی فیصلہ میں حاصل نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ وہ قومیں سیاسی پیشہ وروں اور نااہل اور خائن رہنماؤں سے محفوظ ہیں ان کے سیاسی رہنما اور ان کے نمائندے بھی محتاط اور امانت دار بننے پر مجبور ہیں وہ پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہیں قوم کی سرزنش عوام کے غتاب و احتساب اور رائے عامہ کی تہرنائی سے وہ لڑہ برانداز رہتے ہیں۔

عالم اسلام کی ایک بہت بڑی ضرورت اور اس کی ایک بڑی خدمت یہ ہے کہ امت کے مختلف طبقات اور عوام میں صحیح شعور پیدا کیا جائے اور جمہور کی عقلی مدنی اور سیاسی تربیت کی جائے یا دہے کہ تعلیم کی اشاعت اور تعلیم یافتہ اشخاص کی کثرت یہ لازم نہیں آتا کہ قوم میں شعور بھی موجود ہے اگرچہ اس میں شبہ نہیں کہ تعلیم کے عموم اور علوم کی اشاعت سے شعور کے پیدا کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے لیکن شعور پیدا کرنے کے لئے بہر حال مستقل

جدوجہد کی ضرورت ہے، مسلمان رہنماؤں اور مسلمانوں میں اصلاحی کام کرنے والوں کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ جس قوم میں غور کی کمی ہے وہ قوم اعتماد کے لائق نہیں، خواہ اس کو اپنے قائدین پر کتنا ہی اعتماد ہوا اور وہ ان کی پیروی اور اطاعت میں کیسی ہی چستی اور سرگرمی دکھائے اور ان کی دعوت پر کتنی ہی عظیم قربانیاں پیش کرے اس لئے کہ جب تک اس کا شعور تیار نہیں اور وہ بالغ نظر اور بچہ خیال نہیں ہوئی ہر آن اس کا خطرہ ہے کہ وہ کسی دوسری دعوت اور تحریک کا آلہ کار بن جائے گی اور ان کی آن میں سالہا سال کی محنت پر پانی پھر جائے گا جس قوم کا شعور بیدار نہیں ہوا اور جس میں خود سوچنے اور اچھا برا سمجھنے کی صلاحیت نہیں پیدا ہوئی اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی پر میدان میں پڑا ہو اور مختلف سمت کی ہوائیں اس کو ادھر سے ادھر اڑاتی پھرتی ہوں۔

اسلام اگرچہ ایک آسمانی مذہب ہے اور اس کی بنیاد وحی و نبوت پر ہے لیکن اس نے بھی اپنے پیروؤں میں ایک خاص شعور پیدا کیا جو شعور کی تمام اقسام میں زیادہ مکمل زیادہ وسیع اور کہیں زیادہ گہرا ہے اس نے اپنے ماننے والوں میں ایک خاص قسم کا طریق فکر پیدا کیا جو جاہلی طریق فکر سے بالکل مختلف ہے اس نے اپنے ماننے والوں کو ایک بیدار اور خود ارشور عطا کیا جو اپنی وسعت اور قدرتی بچک کے باوجود ان افکار و نظریات کو انگیز نہیں کر سکتا جو اس کے مسلمات سے جوڑ نہ کھاتے ہوں اور نہ ان عناصر و اجزاء کو ہضم کرنے کے لئے تیار ہے جو اس کی روح اور اس کے اصول سے تضاد رکھتے ہوں۔

اس اسلامی شعور کی ایک مثال یہ ہے کہ اسلام کی دعوت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت و صحبت سے صحابہ کرام کے ذہنوں میں یہ بات راسخ ہو چکی تھی کہ ظلم ایک قبیح شے اور دینی و اخلاقی جرم ہے جو کسی کے لئے جائز نہیں وہ اس پر ایمان

لاچکے تھے کہ مسلمان کو ہر شخص کے ساتھ انصاف کرنا چاہئے، خواہ وہ قریب ہو یا بعید  
دوست ہو یا دشمن اپنا ہو یا بیگانہ، انھوں نے جاہلانہ حمیت اور قومی قبائلی اور خاندانی  
تعصبات سے ہمیشہ کے لئے توبہ کر لی تھی اور سمجھ لیا تھا کہ اسلام میں اس اندھے تعصب کی  
کوئی جگہ نہیں، مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ حق کا ساتھ دے خواہ حق کسی طرف ہو یا ان  
عقیدہ بن گیا تھا، اور ان کے خمیر میں داخل ہو گیا تھا۔

ایک دن اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے وہ سنتے ہیں کہ اپنے  
بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو خواہ مظلوم اگر ان کی تربیت میں ذرا بھی خامی اور ان کے  
ذہن میں کچھ بھی انتشار ہو تا تو وہ خاموشی کے ساتھ اس بات کو سن لیتے اور اس قول کے  
اس کے جاہلی مفہوم میں قبول کر لیتے جس کے مطابق ان کا نشوونما ہوا تھا اور ساری  
عمر اسی پر عمل کرنے میں گزری تھی، وہ یہ بھی جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
(دین کی) کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ سراسر وحی ہوتی ہے ان سے بڑھ کر  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب کرنے والا اور آپ کی تمام باتوں کو بے چوں چر تسلیم  
کرنے والا نہیں تھا لیکن بائیں ہمہ وہ خاموش نہ رہ سکے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا  
یہ ارشاد ان کے عقیدہ اور اس فکر و فہم سے ٹکرایا جو آپ ہی کی تعلیمات و تربیت کا نتیجہ  
تھا، اس سے ان کے اسلامی شعور پر ایک ضرب لگی اور ان کے دماغ کی چولیس ہل گئیں وہ اپنی  
اس تکلیف کو چھپانہ سکے اور انھوں نے استعجاب کے ساتھ پوچھا کہ ہم مظلوم کی تودہ کریں لیکن ظالم  
کی کیسے مدد کریں؟ اس پر آنحضرت (صلعم) نے اپنے قول کی شرح فرمائی کہ ظالم بھائی کی  
مدد یہ ہے کہ اس کا ہاتھ پکڑ لیا جائے اور اس کو ظلم سے باز رکھا جائے، یہ سنتے ہی گہ کھل  
گئی اور ان کے اسلامی ذہن نے اس ارشاد کو اس طرح قبول کیا جیسے ایک جانی بوجھی

حقیقت ہوتی ہے یہ اسلامی شعور کی نزاکت اور اسلامی ذکاوت جس کی واضح مثال ہے۔

ایک دوسری مثال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فوج بھیجی اور ایک صحابی کو اس کا امیر بنایا اور ان کو امیر کی اطاعت کی تاکید فرمائی، وہاں یہ اقمش آیا کہ امیر اس سفر میں کسی بات پر ناراض ہو گئے جس کی وجہ سے انھوں نے آگ جلوائی اور اپنے اہلکاروں کو اس میں داخل ہونے کا حکم فرمایا انھوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم نے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع آگ سے نجات حاصل کرنے ہی کے لئے کیا تھا کیا اب اس میں داخل ہو جائیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس فعل کی تصویب کی اور فرمایا کہ اگر وہ آگ میں کود پڑتے تو کبھی نہ نکلتے صحابہ کرام کا یہ انکار اسی بنا پر تھا کہ وہ اس اصول پر ایمان لائے تھے کہ خالق کی نافرمانی کے ساتھ کسی مخلوق کی فرمانبرداری صحیح نہیں، اور یہ کہ اطاعت اسی وقت فرض ہے جب نیک بات کا حکم دیا جائے۔

اسلامی شعور اور اسلامی تربیت کی وجہ سے صحابہ کرام کسی غلط کام اور کسی ناانصافی کو برداشت نہیں کر سکتے تھے، خواہ اس کا صدر خلیفہ وقت کیوں نہ ہو وہ اگر خلیفہ کی کوئی زیادتی دیکھتے تو برسرِ منبر اس کو ٹوک دینے میں ان کو تامل نہ ہوتا، حضرت عمرؓ خطبہ کے لئے کھڑے ہوتے ہیں ان کے جسم پر پورا جوڑ لپے جوڑ ا دو کپڑوں پر شل ہوتا ہے اور فرماتے ہیں لوگو! سنئے نہیں مسلمان کہتے ہیں ہم نہیں سنتے، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کیوں؟ وہ کہتے ہیں کہ تم نے ہم کو تو ایک ایک کپڑا تقسیم کیا اور تم پورے جوڑے میں لمبوس ہوؤ وہ فرماتے ہیں عجلت مت کرو پھر اپنے صاحبزادہ عبداللہ کو آواز دیتے ہیں پہلی آواز پر کوئی جواب نہیں دیتا پھر فرماتے ہیں کہ اے عمرؓ بیٹے عبداللہ عبداللہ ابن عمرؓ جواب دیتے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ میں نے جس کپڑے کی

تہ بند باندھ رکھی ہے یہ تمہارا ہی کپڑا ہے؟ وہ اثبات میں جواب دیتے ہیں اس پر مسلمان کہتے ہیں۔ ہاں امیر المومنین اب فرمائیے ہم سب نہیں گے۔

اس اسلامی شعور اور اسلامی تربیت کا نتیجہ یہ تھا کہ بنی امیہ کو اپنا شاہی اقتدار قائم رکھنے میں بڑی زحماتیں پیش آئیں اسلامی روح نے بار بار اس اقتدار کے خلاف سخت احتجاج کیا اور بار بار اس عرب شاہی کے خلاف علم جہاد بلند ہوا، اموی فرمانرواؤں کو اس وقت تک سکون و اطمینان حاصل نہیں ہوا جب تک وہ نسل ختم نہیں ہو گئی جس نے اسلامی اصولوں پر تربیت پائی تھی اور جو خلافت اسلامی اور اسلام کے نظام حکومت اور طریق حکمرانی سے عشق رکھتی تھی اور اس سے انحراف کو بدعت اور تحریف کا مراد سمجھتی تھی۔

یہی نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ کسی طرح کی اصلاح اور کوئی معاشرتی یا سیاسی انقلاب شعور کی بیداری اور ذہنوں کی تیاری کے بغیر وقوع میں نہیں آتا، اگرچہ انقلابِ فرانس کا تذکرہ اسلامی دعوت و انقلاب کے تذکرہ کے سلسلہ میں ہوا، ادبے خالی نہیں اور یہ ایک ناقص اور محدود کم کا انقلاب تھا، جو جذباتی جوش اور بے اعتدالیوں سے پاک نہیں تھا، تاہم اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ جب کسی معاشرہ یا ملک کا شعور بیدار ہو جاتا ہے اور ذہنوں کا رخ کسی خاص طرف ہو جاتا ہے تو اس سیلاب کا تھامنا بڑی سے بڑی چٹان کے لئے ناممکن ہو جاتا ہے، انقلابِ فرانس کے رہنماؤں نے جن میں سے بہت سے لوگ بڑی اچھی ذہنی، علمی اور ادبی صلاحیتوں کے مالک تھے اور جن کے جلو میں ادیبوں، افسانہ نگاروں اور اہل قلم کا ایک لشکر تھا، انھوں نے ایک خاص مقصد کے لئے فرانسیسی عوام کے شعور کی تربیت کی، عوام کے دل میں ملک کے فرسودہ نظام کے خلاف بناوٹ کا جذبہ پیدا کیا، پرانی اخلاقی قدروں اور تصورات و روایات کے خلاف ایک عام بے اطمینانی اور بیزاری پیدا کر دی، اور ماحول اور خارجہ دنیا

پہلے دلوں کے اندر انھوں نے غم و غصہ اور نفرت و حقارت کی ایک آگ روشن کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس وقت کا سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام لوگوں کے لئے ناقابل برداشت بن گیا۔ حریت، اخوت و مساوات کے کلمات محبوب اور مقدس بن گئے اور ہر فرانسیسی کا وظیفہ اور تکریم کلام بن گیا، اس وقت یہ بغاوت ابھری جوش و غضب کا وہ آتش نشان پھٹا، اور پرانے معاشرہ کا قصر زمین پر آ رہا، اگرچہ اس انقلاب کے رہنما اس کو انسانیت کے لئے زیادہ مفید نہ بنا سکے (اور شاید ان کے پیش نظر یہ تھا بھی نہیں) لیکن انھوں نے ملک میں انقلاب کر دیا اور اس انقلاب کو کوئی طاقت روک نہ سکی، اس لئے کہ اس انقلاب کا چشمہ لوگوں کے دل و دماغ کے اندر سے ابلا تھا، اور اس کی پشت پر قوم کی رائے عامہ اور جہیوں کی خواہش تھی اور شعور اس کے لئے تیار ہو چکا تھا۔

آج جس چیز کو یورپ نے مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے، اور ان کمزوریوں کے ساتھ جن کے ساتھ کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی وہ صرف زندہ ہی نہیں بلکہ برسرِ اقتدار ہے، وہ شہری زندگی کی ذمہ داریوں کا احساس اور سیاسی شعور ہے، ابھی تک انگریزوں اور امریکیوں میں ایسے لوگوں کی مثالیں شاذ و نادر ہیں جو قومی خیانت کا ارتکاب کرتے ہوں یا اپنے ملک کو سستے داموں فروخت کر ڈالتے ہوں، یا جو حکومت کے اسراف و فساد کو دیکھ کر خاموش رہیں اور ذخیرہ جنگ کی خریداری کے مجرم ہوں، ایسی مثالیں مشرق میں اور یورپ میں بہت کیاب اور تقریباً نایاب ہیں، یورپ کا اخلاقی بگاڑ انفرادی دائروں میں محدود ہے اس کے ذمہ دار بیشک بڑے سے بڑا جھوٹ بول سکتے ہیں، قوموں کو دھوکا دے سکتے ہیں اور بڑی بڑی قوموں کو پامال کر سکتے ہیں، مگر یہ اپنے ذاتی فوائد اور اغراض کے لئے نہیں بلکہ قومی و ملکی مصالح کے لئے، یقیناً اسلام میں ان مجرمانہ افعال کی گنجائش نہیں اور بد اخلاقی خواہ فرد کے ساتھ ہو یا جماعت کے ساتھ خواہ انفرادی محرکات کی بنا پر یا اجتماعی محرکات و قومی محرکات کی بنا پر بد اخلاقی ہی ہے، لیکن

مغربی جو کچھ کرتا ہے ایک شعور اور اپنے مخصوص فلسفہ اخلاق کے تحت مشرق جو کرتا ہے  
بے شعوری اور شخصی اغراض و محرکات کے ماتحت۔

مسلمان ممالک کے قارئین اور اہل اقتدار سے کچھ بعید نہیں کہ وہ کبھی اپنے کسی  
حقیر فائدہ یا لذت و خواہش کے ماتحت اپنے ملک کو رہن رکھ دیں یا اس کا بیغناہہ کر دیں یا  
اپنی قوم کو بھیڑ بکری کی طرح فروخت کر دیں یا اپنی قوم کو کسی ایسی جنگ میں جھونک دیں  
جو اس کی مرضی و مصلحت کے خلاف ہو اس سے زیادہ عجیب خیزبات یہ ہے کہ قوم اس کے  
باوجود بھی ان کی قیادت کا جھنڈا لے کر چلتی ہے وہ ان کی زندگی کے نعرے لگائے اور ان کی  
تقریب میں رطب و لسان لے کر یہ صورت حال اس کے سوا اور کس بات کی دلیل ہے کہ قوم کا  
ضمیر مردہ اس کے قوائے فکر معطل اور وہ شعور کی دولت سے محروم ہے۔

بہت سے مسلمان ملک ایسے ہیں جہاں عوام کے ساتھ جانوروں کا سا سلوک کیا جاتا  
ہے جہاں عوام صرف محنت و مشقت کے لئے اور خواص صرف عیش و عشرت کے لئے ہیں  
اللہ تعالیٰ کی کھلی کھلی نافرمانیاں ہوتی ہیں اور انسانیت ہوا و افعال و جرائم کا ارتکاب ہوتا ہے  
شریعت کے احکام پا پا لکے جاتے ہیں لیکن نہ عوام اور نہ مسلمان اس سے غم و غصہ کی کوئی  
لہر پیدا ہوتی ہے نہ کسی قلب کو اس سے اذیت پہنچتی ہے یہ سب درحقیقت انسانی غیرت  
اور اسلامی خود داری کے فقدان کا نتیجہ ہے اور نہایت خطرناک صورت حال ہے۔

کسی انقلاب اور کسی بغاوت کی کوئی قیمت نہیں (خواہ ظاہری طور پر وہ ملک  
و قوم کے لئے کتنی ہی مفید ہو) جب تک کہ اس کی بنیادیں کوئی نچتہ عقیدہ، فکر صحیح، اور  
ترتیب یافتہ اور عاقلانہ شعور نہ ہو، جب تک کہ رائے عامہ پورے طور پر تیار نہ ہو اس وقت  
تک کسی بادشاہ کی جلا وطنی، کوئی انقلاب، حکومت اور وزارت کی کوئی تبدیلی کوئی اہمیت



نہیں کہتی اور بالکل قابل اعتبار نہیں ہے اگر قوم میں ان افعال اور اس رویہ سے نفرت نہیں ہے تو ایک غلط شخص یا غلط جماعت کی جگہ پر دوسرا غلط شخص اور دوسری غلط عادت آسکتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ قوم کو اس کا احساس بھی نہ ہونے پائے اس لئے اصل قابل اعتبار چیز یہ ہے کہ قوم کا ضمیر اور شعور اتنا بیدار ہو جائے کہ وہ کسی غلط چیز اور مجرمانہ فعل کو کسی حالت میں اور کسی شخص کے لئے بھی برداشت نہ کر سکے۔

اس لئے عالم اسلام کی بہت بڑی خدمت یہ ہے کہ اس میں صحیح شعور پیدا کیا جائے ایسا شعور جو نہ کسی ظلم و نا انصافی کو برداشت کر سکے نہ دین و اخلاق سے انحراف کو، جو صحیح اور غلط، خلوص اور نفاق، دوست اور دشمن، مصلح اور مفید کے درمیان آسانی سے تمیز کر سکے، مجرم اس کی ناراضگی اور عتاب سے بچ نہ سکیں اور غلط اس کے احترام اور قدر شناسی سے محروم نہ رہیں وہ اپنے تمدنی، سیاسی، اجتماعی اور دینی مسائل و معاملات میں ایک عاقل و بالغ انسان کی طرح غور کر سکنے، اوفیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھنا ہو، جب تک یہ شعور نہ پیدا ہو کسی اسلامی ملک و قوم کا ہوش و عمل، صلاحیت کا دینی جذبات اور مذہبی زندگی کے مظاہر و مناظر کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔

## خود غرضی اور نفس پرستی کی گنجائش نہیں

الفیلے کی کتاب اس دور کی نمائندگی کرتی ہے جس میں زندگی صرف ایک فرد اور ایک شخص کے گرد گھومتی نظر آتی ہے جس کو خلیفہ یا بادشاہ کہتے تھے، یا چند افراد کے ایک مختصر مجموعہ کے اور گرد جو وزراء اور شہزادے کہلاتے تھے، زمین اس خوش نصیب فرد کی ذاتی ملکیت تصور کی جاتی اور قوم غلاموں و زر خریدوں کی ایک ٹولی ہوتی تھی اور یہ شخص ان کے

مال و متاع جائیداد و املاک اور عزت و اکبر و کمال تک سمجھا جاتا اور پوری قوم دراصل اس ایک فرد کا سایہ تھی، پوری زندگی اپنی تاریخ، علوم، ادبیات، شعر و شاعری کے ساتھ اسی کے گرد چکر کاٹتی اور اسی کا طواف کرتی تھی، اگر کوئی شخص اس عہد پر نظر ڈالتا اور اس دور کے ادب و لٹریچر کا جائزہ لیتا تو وہ دیکھتا کہ وہ شخصیت اس زمانہ کی سوسائٹی پر اس طرح حکمران اور مسلط ہے جس طرح ایک قوی ہیکل درخت اپنے نیچے اگنے والے پھوٹے چھوٹے پودوں اور گھاس پھوس پر اپنے بازو پھیلائے رہتا ہے، اور ہوا اور سورج کی گرمی روکتا رہتا ہے، بالکل اسی طرح پوری قوم اس ایک فرد کی شخصیت میں جذب ہو جاتی، پھر نہ اس کی کوئی مستقل شخصیت تھی نہ ارادہ، نہ آزادی اور نہ احساس خود داری۔

یہ فرد وہ ہوتا جس کے لئے زندگی کا پہیہ گھومتا تھا، اسی کے لئے کسان ہل چلاتا اسی کے لئے تاجر محنت کرتا، اسی کے لئے کاریگر اور متاع اپنا جوہر دکھاتے، اسی کی خاطر مصنفین کتابیں لکھتے اور شاعر اپنی قوت گویائی کا مظاہرہ کرتے، اسی کے لئے لڑکے پیدا ہوتے، اور اسی راستے میں شکر حملہ کرتے، بلکہ اسی کی خاطر زمین اپنے خزانے اگلی، اور سمندر اپنی نعمتیں پھینکتا، اور عوام جو درحقیقت اس سب دولت ثروت اور زرخیزی و شادابی کے باعث ہوتے اور ان سب کا دار و مدار انھیں پر ہوتا، وہ غلاموں کی طرح دن کاٹتے، بادشاہ کے خوانِ نعمت سے جو کچھ بچ رہتا ہے، وہ اسی پر خوش ہوتے، اور شاہی افراد سے کچھ مل جاتا تو اس پر شکر ادا کرتے اور اگر اس سے بھی محروم رہتے تو صبر و تحمل اختیار کرتے، ان کی انسانیت مرجاتی تو ان کو افسوس نہ ہوتا اور وہ چالو سی اور موقع پرستی کا راستہ اختیار کر لیتے۔

یہ وہ عہد تاریخ ہے جو مشرق میں خوب پھلا پھولا اور اس نے سوسائٹی پر اثرات

چھوٹے ادبیات شاعری، تمدن و اجتماع سب پر اثر انداز ہوا، عربی کتب خانہ پر اس کے گہرے اثرات پڑے انھیں اثرات کا ایک جتنا جاگتا مرقعہ اتار لیا کی کتاب ہے جو اس عہد کی تصویر کشی کرتی ہے، جب بغداد کا کوئی خلیفہ یا دمشق اور قاہرہ کا کوئی بادشاہ سب کچھ ہوتا تھا، اس کی حیثیت افسانہ زندگی کے ہیرو اور مرکزی نقطہ کی ہوتی تھی۔

یہ عہد جس کا نقشہ الف لیلا کے قصوں اور کہانیوں میں کھینچا گیا ہے اور افغانی کی تاریخ و ادب میں جس کی تصویر لی گئی ہے، وہ نہ اسلامی عہد تھا نہ عقل اور منطق کی کوئی پرپورا اترتا تھا اس کو اسلام بھی ناقابل قبول قرار دیتا ہے، اور عقل بھی اس کا انکار کرتی ہے، اسلام اس غیر فطری عہد کے زوال کا پیغام تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عہد کا نام ”جاہلیت“ رکھا اس پر نفرت کی، اس کے علمبردار اور فرمانروا، کسریٰ و قیصر کے خاتمہ کی خبر دی۔

یہ عہد کسی زمانہ میں اور دنیا کے کسی حصہ میں بھی زندگی کی صلاحیت اور باقی رہنے کا استحقاق نہیں رکھتا، یہ اسی وقت باقی رہ سکتا ہے جب لوگ حالات سے بے بس اور مجبور ہو گئے ہوں یا بیداری اور شعور کی دولت سے محروم ہو چکے ہوں، اور ان کی زندگی دم توڑ چکی ہو۔

اس صورت حال کو عقل برداشت نہیں کر سکتی، کون شخص اس کو پتہ کرے گا کہ چند افراد کو کھانے پینے کی زیادتی کی وجہ سے تھمہ ہو جائے اور دوسری طرف ہزاروں آدمی بھوک اور فاقہ کشی سے جان دے رہے ہوں، کس کو یہ اچھا لگے گا کہ ایک بادشاہ اس کے بیٹے مال و دولت کے ساتھ مجنوںوں کی طرح کھیلیں اور لوگوں کو زندہ رہنے کے لئے ایک وقت کا کھانا اور ستر پوشی کے لئے ایک کپڑا نصیب نہ ہو، اس پر کون راضی

ہو سکتا ہے کہ ایک طبقہ جو اکثریت میں ہو اس کا کام تو صرف یہ ہو کہ پیداوار بڑھائے  
 زمین سے غلہ پیدا کرے صبح سے شام تک بیل کی طرح جتا رہے اور ایک طبقہ جو انگیلوں پر  
 گنا جاتا ہو اس کا کام یہ ہو کہ ان کی محنتوں اور عرق ریزیوں کا ثمرہ کھائے اور ان نسلوں  
 سے فائدہ اٹھائے اور یہ سب شکر و احسان مندی کے ایک کلمہ کے بغیر اور احساس و شعور  
 سے بالکل خالی ہو کر یہ کون گوارا کر سکتا ہے کہ اہل صنعت و حرفت، اہل عقل و خرد  
 ارباب کمال اور مختلف صلاحیتیں اور ذہنی طاقتیں رکھنے والے لوگ ہمیشہ تکلیف  
 ہی اٹھاتے رہیں اور وہ لوگ عیش کریں اور رنگ لیاں سنائیں جن کو اسراف  
 و فضول خرچی کے سوا کچھ نہیں آتا جو فسق و فجور میں ڈوبے رہتے اور شرابیں پینے کے علاوہ  
 کوئی کام نہیں جانتے، یہ کس کی نگاہ دیکھ سکتی ہے کہ اہلیت رکھنے والے ارباب انش،  
 امین، دیانت دار، عالی دماغ اور دقیق النظر لوگوں سے اچھوتوں کا سا برتاؤ کیا جائے  
 اور بادشاہ اور امراء و رؤساء کے ارد گرد خیس النفس دنی الطمع بے دماغ، اور  
 ضمیر فروشوں کی ایک ٹولی ہو جن کی سب سے بڑی فکر حصول دولت اور نفسانی خواہشات  
 کی تسکین ہو، جنہوں نے اس دنیا میں چالپوسی اور خوشامد اور بے گناہوں کے خلاف  
 سازش کے علاوہ کوئی فن نہ سیکھا ہو اور جن کی آنکھوں کا پانی مرچکا ہو اور ان کا  
 شعور و احساس فنا ہو گیا ہو۔

یہ ایک غیر طبعی حالت ہے جس کو ایک دن بھی باقی نہ رہنا چاہیئے نہ کہ برسوں  
 تک اگر تاریخ کے کسی دور میں یہ صورت حال پیدا ہوئی اور عرصہ دراز تک قائم رہی تو  
 یہ قوم کی غفلت و لاپرواہی کا نتیجہ تھی، یا اس کی مرضی اور پسند کے خلاف زبردستی  
 اس کے سر تنھو پی گئی، اور اسلام کے ضعف اور جاہلیت کی قوت کی وجہ سے ایسا ہوا

لیکن جب اسلام کا آفتاب طلوع ہوا، شعور بیدار ہوا اور قوم میں حساب اور جائزہ کی شان پیدا ہو گئی تو یہ ساری عمارت فوراً منہدم ہو گئی۔

آج جو لوگ الف لیلا کی دنیا میں رہتے ہیں وہ خواب کی دنیا میں رہتے ہیں، وہ ایسے گھر میں سیرا ڈالے ہوئے ہیں جو مکڑی کے جالے سے زیادہ کمزور ہے، وہ ایسے گھر میں زندگی گزار رہے ہیں جو ہر وقت خطرات سے گھرا ہے، کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس پر کب کدال چڑنے لگیں اور کب چھت ٹوٹ کر گر پڑے۔

الف لیلا کا زمانہ گیا اور اس کی بساط الٹ چکی، عالم اسلام کو اپنے نفس کو دھوکہ نہیں دینا چاہئے اور اپنے کو گاڑی کے اس پہیہ سے نہیں باندھنا چاہئے جو ٹوٹ چکا ہے، خود غرضی اور نفس پرستی ایک چراغِ سحری ہے جس کا تیل ختم ہو چکا ہے، اس کا فیکلہ جل کر خاک ہو گیا ہے، وہ بجھ جائے گا ہوا کا جھونکا آئے یا نہ آئے۔

اسلام میں اس طرح کی انانیت اور خود غرضی کی کوئی گنجائش نہیں، اس میں شخصی برتری یا خاندانی برتری اور خود غرضی کو پیر رکھنے کی بھی جگہ نہیں جو آج بعض مشرقی قوموں اور اسلامی ملکوں میں پائی جاتی ہے، اس میں اس وسیع اور نظم خود غرضی کی بھی کوئی جگہ نہیں جو آج یورپ امریکہ اور روس میں نظر آتی ہے، یورپ میں اس کی شکل ایک پارٹی اور جماعت کے اقتدار و تسلط کی ہے، اور امریکہ میں سرمایہ داروں کے قالب میں جلوہ گر ہوتی ہے، روس میں وہ اس چھوٹے سے گروہ کی شکل میں سامنے آتی ہے جو کمینوزم پر ایمان لایا چکا ہے، وہ اکثریت پر برتری سے حاوی ہے اور مزدوروں اور قیدیوں کے ساتھ اس سفاکی اور رنگ دلی اور بے دردی کے ساتھ سلوک کرتا ہے جس کی مثال تاریخ میں شکل سے ملے گی۔

یہ انانیت اور خود غرضی اپنی تمام صورتوں و شکلوں کے ساتھ ختم ہو کر رہے گی، زخمِ خود غرضی

اس سے سخت انتقام لے گی، دنیا کا مستقبل اب صرف عدل پسند رحم دل توازن اسلام کے ساتھ وابستہ ہے چاہے خود غرضی کو تھوڑی سی اور بہت مل جائے، چاہے اس کی لگام ذرا ڈھیلی ہو جائے اور چاہے اس کو اپنی سرکشی، گمراہی، طغیانی میں گرا لانے کے لئے کچھ دن اور مل جائیں۔

خود غرضی اور انا نیت شخصی ہو یا خانہ دانی جماعتی ہو یا طبقاتی، قوم کی زندگی کے لئے ایک خیر طبعی چیز ہے جس سے اس کو پہلی فرصت میں چھٹکارا حاصل کرنا ہے، نہ اسلام میں اس کی کوئی جگہ ہے نہ اس بیدار سوسائٹی میں جو بلوغ اور سن رشد کو پہنچ گئی، مسلمانوں کے لئے اور عربوں کے لئے اور ان کے رہنماؤں اور حکمرانوں کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ اس سے آزاد ہو جائیں اور اس سے اپنا تعلق منقطع کر لیں قبل اس کے کہ وہ اپنے ساتھ ان کو بھی لے ڈوبے۔

مشرق میں بھی اب اس کو تاہ نظری کا چل چلاؤ ہے، اور اس کا وقت سفر قریب ہے، اس کے عروج و اقبال کے تائے غروب ہونا شروع ہو گئے ہیں یہ زید اور عمرو و بکر کا مسئلہ نہیں یہ ایک عہد کا مسئلہ ہے جو ختم ہو رہا ہے، ایک مدرئہ فکر اور کتب خیال کا معاملہ ہے جس کا دم واپس ہے، جو ابھی تک اس کے سہارے جمے ہیں ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ یغینہ اب ڈوبنے والا ہے۔

## صنعتی اور جنگی تیاری

عالم اسلامی کا کام یہاں ختم نہیں ہو جاتا اگر اس کو اسلام کے پیغام کی اشاعت کی خواہش ہے، اور وہ دنیا کی قیادت و رہنمائی کا فرض انجام دینا چاہتا ہے تو اس کو اس کے لئے ممتاز قوت اور تربیت صنعت علوم، تجارت اور فن حرب میں مکمل تیاری کی ضرورت

ہوگی اس کو زندگی کے ہر شعبہ اور اپنی ہر ضرورت میں مغرب سے مستغنی اور بے نیاز ہونا پڑے گا۔ وہ اس سطح پر ہو کہ اپنے لئے پہننے اور کھانے کا سامان کر سکے، اپنے لئے ہتھیار تیار کر سکے، اپنی زندگی کے معاملات کا انتظام اس کے ہاتھ میں ہو، اپنی زمین کے خزانے وہ خود برآمد کر سکے اور اس سے فائدہ اٹھا سکے اپنی حکومتوں کو اپنی دولت اور اپنے آدمیوں کے ذریعہ چلائے اس کے چاروں طرف پھیلا ہوئے سمندروں میں اس کے بحری بیڑے اور جہاز شور کر رہے ہوں وہ دشمن کا مقابلہ اپنے یہاں کے جنگی جہازوں توپوں اور ہتھیاروں سے کرے اس کی برآمد اس کی درآمد سے زیادہ اور اس کو مغربی ممالک سے قرض لینے کی ضرورت پیش نہ آئے اس کو اس کے کسی جھنڈے کے نیچے نہ آنا پڑے اور وہ کسی کیمپ میں شامل ہونے پر مجبور نہ ہو۔

جب تک عالم اسلامی علم و سیاست صنعت و تجارت میں مغرب کا محتاج رہے گا مغرب اس کا خون چوستا رہے گا، اسی کی زمین کا آب حیات نکلے گا اس کا سامان تجارت اور مصنوعات ہر روز اس کی منڈیوں، بازاروں اور جیبوں پر چھاپہ مارا کریں گی اور اس کی ہر چیز پر ہاتھ صاف کرتی رہیں گی، جب تک عالم اسلامی مغرب سے قرض لیتا رہے گا اور اپنی حکومت کا انتظام کرنے، اہم اور کلیدی عہدوں کو پُر کرنے، اپنی فوج کو ٹریننگ دینے کے لئے مغرب کے آدمیوں کا بڑا بین منت رہے گا، وہاں کا سامان تجارت و صنعت ننگائے گا اور اس کو اپنا اتالیق اور اتاد ڈھرتی اور سرپرست حاکم اور سردار سمجھے گا اس کے حکم اور اس کی رائے کے بغیر کوئی کام نہیں کرے گا، اس وقت تک وہ مغرب سے مقابلہ کرنا تو درکنار اس سے آنکھیں بھی نہیں ملا سکتا۔

یہ علمی اور صنعتی زندگی کا وہ شعبہ تھا جس کے بارے میں عالم اسلامی نے عہد ماضی میں کوتاہی سے کام لیا اور جس کی تعزیر میں اس کو طویل اور ذلیل زندگی کا مزہ چکھنا پڑا اور اس پر مغربی قیادت اور سرداری مسلط کی گئی جس نے دنیا میں تباہی و غارت گری

قتل و خون ریزی اور خود کشی برپا کی اب اگر اس موقع پر بھی عالم اسلامی نے علمی و صنعتی تیاری اور اپنی زندگی کے معاملات میں آزادی کے بارہ میں غفلت برتی اور اس مرتبہ بھی اس سے یہ چوک ہو گئی تو دنیا کی تقدیر میں بد نصیبی اور شقاوت لکھ دی جائے گی اور انسانیت کے ابتلا کی مدت اور طویل ہو جائے گی۔

## نئی علمی تنظیم

عالم اسلامی کے لئے ضروری ہے کہ علم کی اس طرح تنظیم جدید کرے جو اس کی روح اور اس کے پیغام سے مطابقت رکھتی ہو عالم اسلامی نے قدیم دنیا پر اپنی علمی سیادت کا سکہ جما دیا تھا اور دنیا کی عقلیت و ثقافت (کلچر) کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گیا تھا اس نے دنیا کے ادب و فلسفہ کے جگر نشین بنایا تھا، صدیوں تمدن دنیا اس کی غص سے سوچتی رہی اسی کے قلم سے لکھتی رہی اور اسی کی زبان میں تصنیف و تالیف کرتی رہی چنانچہ ایران ترکستان افغانستان اور ہندوستان کے مصنفین اور اہل علم اگر کوئی اہم کتاب لکھنا چاہتے تھے تو عربی ہی میں لکھتے تھے، اور بعض لوگ اصل کتاب عربی میں لکھتے اور اس کی تلخیص فارسی میں کرتے جیسا کہ امام غزالیؒ نے کیا ہے سادات میں کیا اگرچہ یہ علمی تحریک جو عہد عباسی کے آغاز میں شروع ہوئی تھی یونان اور عجم سے متاثر تھی اور اسلامی اسپرٹ اور اسلامی فکر کی بنیاد پر قائم نہیں تھی اور اس میں علمی و دینی حیثیت سے متعدد خامیاں اور کمزوریاں تھیں، لیکن اپنی قوت و اوزنازدگی کی وجہ سے وہ پوری دنیا پر آندھی پانی کی طرح چھا گئی اور قدیم علمی نظام اس کے سامنے ٹھٹھکر کر گئے۔

پھر یورپ کی ترقی اور عروج کا زمانہ آیا اس نے اس قدیم نظام کو اپنے تجربات



اور علمی تنقید سے تقویم پارہ بنادیا اور اس کی جگہ تعلیم و تدریس کا نیا نظام تیار کیا، جو اس کی روح، عقلیت اور نفسیات کا کامیاب نمونہ تھا، جو طالب علم اس علمی ماحول سے فایز ہو کر نکلتا اس کا، اگر لگ میں یہ اسپرٹ کام کرتی ہوتی، دنیائے دوسری بار اس تعلیمی نظام کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور عالم اسلامی کو بھی قدرتی طور پر اس کے سامنے سر جھکانا پڑا جو عرصہ علمی انحطاط اور فکری جمود کا بیمار تھا، اور اس کسری کی بنا پر اپنی نجات صرف یورپ کی تقلید میں منحصر سمجھتا تھا، اس نے اس تعلیمی نظام کو اس کی کمزوریوں و رخایوں کے باوجود قبول کر لیا اور وہی نظام آج عالم اسلامی کے گوشہ گوشہ پر حاوی ہے۔

اس نظام کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی نفسیات اور جدید نفسیات میں ایک کش مکش برپا ہو گئی اسلامی اخلاق اور مغربی طرز اخلاق میں رستہ کشی شروع ہوئی، اشیاء اور اس کی قدر و قیمت کی جدید میزان اور قدیم میزان میں ایک جنگ شروع ہو گئی اس نظام کا ایک ثمرہ یہ نکلا کہ تعلیم یافتہ اور متدب طبقہ میں شک اور نفاق، بے صبری، زندگی سے عشق اور بوالہوسی، نقد کی ادھار پر ترجیح کی ذہنیت پیدا ہو گئی اور اس طرح کے دوسرے عیوب پیدا ہو گئے جو مغربی تہذیب کا لازم ثمر ہیں۔

اگر عالم اسلامی کی خواہش ہے کہ نئے سرے سے وہ اپنی زندگی شروع کرے اور غیروں کی غلامی سے آزاد ہو، اگر وہ عالم گیر قیادت حاصل کرنا چاہتا ہے تو صرف تعلیمی خود مختاری ہی نہیں بلکہ علمی لیڈر شپ بھی بہت ضروری ہے اور یہ کوئی آسان کام نہیں مسئلہ بہت گہرے غور و فکر کا محتاج ہے اس کے لئے ضرورت ہے کہ وسیع پیمانہ پر تصنیف و تالیف اور علوم کی تدوین جدید کا کام شروع کیا جائے اس کام کے سربراہ کا عصری علوم سے اتنی واقفیت اور گہری بصیرت رکھتے ہوں جو تحقیق و تنقید کے درجہ تک پہنچتی ہو

اور اس کے ساتھ اسلام کے اصلی سرچشموں سے پورے طور پر سیراب اور اسلامی روح سے ان کا قلب و نظر سمور ہو، یہ وہ مہم ہے جس کی تکمیل کسی جماعت یا انجمن کے لئے مشکل ہوگی، یہ اسلامی حکومتوں کا کام ہے اس مقصد کے لئے اس کو منظم جماعتیں و مکمل ادارے قائم کرنے ہوں گے اور ایسے ماہرین فن کا انتخاب کرنا ہوگا جو ہر فن میں دست گاد رکھتے ہوں، وہ ایسا نصاب تعلیم تیار کریں جو ایک طرف کتاب سنت کے حکمت اور دین کے ناقابل تبدیل حقائق پر مشتمل ہو اور دوسری طرف مفید عصری علوم اور تجربہ و تحلیل پر حاوی ہو وہ مسلمان نوجوانوں کے لئے علوم عصریہ کی از سر نو تدریس کریں جو اسلام کے اصولوں اور اسلام کی روح کی بنیاد پر ہو، اس میں ہر ایسی چیز ہو جو فوجیہ طبقہ کے لئے ضروری ہو اور جس سے وہ اپنی زندگی کی تنظیم کر سکے اور اپنی سالمیت کی حفاظت کر سکے وہ مغرب سے مستفنی ہو اور مادی و دماغی جنگ میں اس کے مقابلہ میں آ سکے، اپنی زمین کے خزانوں سے فائدہ اٹھائے اور اپنے ملک کی دولتوں کو استعمال میں لائے، اسلامی ملکوں کی مایات کی نئی تنظیم کرے اور اس کو اسلامی تعلیمات کے ماتحت اس طرح چلائے کہ طرز حکومت اور مالیاتی امور کی تنظیم میں یورپ پر اسلامی نظام کی برتری صاف ظاہر ہو جائے اور وہ اقتصادی مشکلات حل ہو جائیں جن کے حل کرنے کے معاملہ میں یورپ سپر ڈال چکا ہے اور اپنی بے بسی کا اعتراف ہے۔

اس روحانی، صنعتی اور فوجی تیاری اور تعلیمی آزادی کے ساتھ عالم اسلامی عروج حاصل کر سکتا ہے، اپنا پیغام پہنچا سکتا ہے اور دنیا کو اس تنہا ہی سے نجات دلا سکتا ہے جو اس کے سر پر بند لا رہی ہے، قیادت منہی کھیل نہیں، نہایت سنجیدہ معاملہ ہے اور منظم جدوجہد کمال تیاری عظیم اٹھان قربانی اور سخت جانفشانی کی محتاج ہے۔

# عالم عربی کی قیادت

## عالم عربی کی اہمیت

دنیا کے سیاسی نقشہ میں عالم عربی بہت اہمیت رکھتا ہے وہ ان قوموں کا گہوارہ ہے جنہوں نے انسانی تاریخ میں سب سے اہم پارٹ ادا کیا اس کے سینہ میں دولت و طاقت کے عظیم اثنان خزانے محفوظ ہیں اس کے پاس پٹرول ہے جو آج جنگی اور صنعتی جہیم کے لئے خون کا درجہ رکھتا ہے اور یورپ و امریکہ اور شرق بعید کے درمیان رابطہ کا کام کرتا ہے۔

وہ عالم اسلامی کا دھڑکتا ہوا دل ہے جس کی طرف روحانی اور دینی طور پر لوہے عالم اسلامی کا رخ ہے جو ہر وقت اس کا دم بھرتا ہے اور اس کی محبت و وفاداری میں سرشار رہتا ہے۔

اس کی اہمیت اس لئے اور بڑھ جاتی ہے کہ اس کا امکان ہے کہ خدا نخواستہ اس کو تیسری جنگ کا میدان بننا پڑے وہاں طاقتور بازو ہیں سوچنے سمجھنے والی عقلیں ہیں اور جو جہیم ہیں وہاں بڑی بڑی تجارتی منڈیاں ہیں اور قابل کاشت زمینیں ہیں۔ مصر وہیں واقع ہے جو اپنی پیداوار آمدنی از ریشتری و شادابی دولت و ترقی تہذیب تمدن میں خاص درجہ رکھتا ہے جس کی گود میں دریائے نیل رواں دواں ہے یہاں فلسطین ہے اور اس کے ہمسایہ ممالک ہیں جو اپنی آب و ہوا کی لطافت، حسن و خوبصورتی اور فوجی اہمیت میں ممتاز ہیں۔

اس کے پاس "عراق" کا ملک ہے جو اپنی بہادری، سخت جانی شجاعت، عزم اور پڑول کے ذخیروں کی وجہ سے مشہور ہے۔

یہاں جزیرہ عرب ہے جو اپنے روحانی مرکز، دینی اثر میں سب سے منفرد ہے جس کے حج کے سالانہ اجتماع کی نظیر دنیا میں نہیں، جہاں تیل کے شے سب سے زیادہ تیل پیدا کرتے ہیں۔ یہ سب چیزیں ہیں جنہوں نے عالم عربی کو اہل مغرب کی نظر کا مرکز ان کی خواہشات کی آماجگاہ اور قیادت و لیڈر شپ کے لئے مقابلہ کا میدان بنا دیا اور جس کا ردِ عمل یہ ہوا کہ ان ملکوں میں عربی قومیت اور وطن پرستی کا شدید احساس پیدا ہو گیا ہے۔

## محمد رسول اللہ عالم عربی کی روح ہیں

ایک مسلمان عالم عربی کو جس نظر سے دیکھتا ہے اس میں اور ایک یورپین کی نظر میں زمین آسمان کا فرق ہے، بلکہ خود ایک وطن پرست عرب عالم عربی کو جس نگاہ سے دیکھتا ہے وہ ایک مسلمان کی نگاہ سے بالکل مختلف ہے۔

مسلمان عالم عربی کو اس حیثیت سے دیکھتا ہے کہ وہ اسلام کا گہوارہ ہے، انسانیت کی پناہ گاہ ہے، عالمی قیادت کا مرکز ہے، روشنی کا مینار ہے، اس کا عقیدہ ہے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم عالم عربی کی جان، اس کے عزت و افتخار کا عنوان، اور اس کا سنگ بنیاد ہیں، اگر اس سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جدا کر دیا جائے تو اپنے تمام قوت کے ذخیروں اور دولت کے چشموں کے باوجود اس کی حیثیت ایک بے جان لاش اور ایک نقش بے رنگ سے زیادہ نہ ہوگی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات ہے جن کی وجہ سے عالم عربی عالم وجود میں آیا، اس سے پہلے یہ دنیا منقسم اور منتشر اکائیوں

باہم دست و گریباں قبیلوں، غلام قوموں اور بے مصرت صلاحیتوں کا دوسرا نام تھی، اس پر جیل و گمراہی کے بادل چھائے ہوئے تھے، عرب رومی شہنشاہی سے جنگ مول لینے کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے تھے، اس کا تصور کرنا بھی ان کے لئے مشکل تھا، شام جو بعد میں عالم عربی کا بہت اہم حصہ قرار پایا ایک رومی نوآبادی تھی، جو مطلق العنان حکومت اور سخت ترین ڈکٹیٹر شپ کے رحم و کرم پر تھی، اس نے ابھی تک آزادی و انصاف کا مفہوم ہی نہیں سمجھا تھا۔

عراق کیانی حکومت کی اغراض و خواہشات کا انکار تھا، نئے نئے محاصل اور بھاری ٹیکسوں کی وجہ سے اس کی کمر جھک گئی تھی، رومی مصر کے ساتھ ایک گائے کا سا برتاؤ کرتے تھے، جس کو ڈوبنے اور فائدہ اٹھانے میں وہ کمی نہ کرتے لیکن چارہ دیتے وقت حق تلفی اور ٹخنل سے کام لیتے، پھر وہاں سیاسی استبداد کے ساتھ مذہبی استبداد کا سلسلہ بھی جاری تھا، دفعتاً اس متفرق منتشر مظلوم دنیا پر اسلام کی باد بہاری کا ایک جھونکا چلا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اس وقت یہ عربی دنیا بلاکت کے قریب تک پہنچ گئی تھی، آپ نے اس کی دستگیری فرمائی، اس کی نبضیں ڈوب ہی تھیں آپ نے اس کو زندگی بخشی، نئی روشنی عطا کی، کتاب و حکمت کی تعلیم دی، تزکیہ کا سبق پڑھایا، آپ کی بعثت کے بعد اس دنیا کی نوعیت بدل گئی، اب وہ اسلام کی سفیر تھی، امن و سلامتی کی پیامبری، تہذیب و تمدن کی علمبردار تھی، قوموں کے لئے رحمت کا پیغام تھی، اب ہم شام کا بھی نام لے سکتے ہیں، عراق کا بھی ذکر کر سکتے ہیں، ہم مصر پر بھی فخر کر سکتے ہیں، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی دعوت نہ ہوتی تو آج نہ شام کا کہیں پتہ ہوتا نہ عراق کا کہیں ذکر ملتا نہ مصر کا وجود ہوتا اور عالم عربی

عالم عربی ہی نہ ہوتا۔ اور یہیں تک نہیں دنیا بھی تمدن و شائستگی، علم و فن تہذیب و ترقی کی اس سطح پر نہ ہوتی، اب اگر عرب قوموں اور حکومتوں میں کوئی دین اسلام سے مستغنی ہونا چاہتا ہے اور اپنا رخ مغرب کی طرف پھیرتا ہے یا عرب کے عہد قدیم کی طرف حریصانہ نظر ڈالتا ہے یا اپنے نظام زندگی اور ریاست و حکومت میں مغربی دستور اور مغربی قوانین کی پیروی کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا قائد امام رہبر اور اسوہ و معیار نہیں سمجھتا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کی ہوئی نعمت کو فوراً واپس کرے اور اپنے پہلے دور جاہلیت کی طرف واپس چلا جائے، جہاں رویوں اور اریزنیوں کا سکہ چلتا تھا، جہاں ظلم و استبداد کا بازار گرم تھا، جہاں سامراج کی فرمانروائی تھی، جہاں جہل و گمراہی تھی، جہاں غفلت اور بیکاری تھی، جہاں دنیا سے الگ تھلنگ گنہگار کے گوشہ میل یک جہول زندگی گزار رہی تھی، اس لئے کہ یہ شان دار اور روشن تاریخ، یہ نابناک تہذیب، یہ بازار ادب، یہ عرب سلطنتیں اور حکومتیں صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک بعثت کا فیض اور آپ کی آمد کا نتیجہ ہے۔

## ایمان عالم عربی کی طاقت ہے

اسلام عالم عربی کی قومیت ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے امام اور قائم ہیں، ایمان اس کی قوت کا خزانہ ہے جس کے بھروسہ پر اس نے دوسری قوموں کا مقابلہ کیا اور فتحیاب ہوا اس کی طاقت کا راز اور اس کا کارگر ہتھیار جو کل تھا وہی آج ہے جس کے ساتھ وہ دشمنوں سے جنگ کر سکتا ہے، اپنی ہستی کی حفاظت کر سکتا ہے اور دوسروں تک اپنا پیغام پہنچا سکتا ہے۔

عالم عربی کو اگر کمزور یا یہودیت سے جنگ کرنا ہے یا کسی دوسرے دشمن کا مقابلہ کرنا ہے تو اس دولت کے بل بوتے پر جنگ نہیں کر سکتا جو برطانیہ اس کو عطا کرتا ہے یا امریکہ اس کو خیرات دیتا ہے یا پٹرول کی قیمت کے طور پر اس کو حاصل ہوتی ہے وہ اپنے دشمن کا مقابلہ صرف اس ایمان معنوی قوت اس روح اور اسپرٹ کے ساتھ کر سکتا ہے جس اسپرٹ کے ساتھ کبھی اس نے بیک وقت رومی و ایرانی حکومتوں کو جنگ کی دعوت دی تھی اور فتح حاصل کی تھی وہ اس دل کے ساتھ جنگ نہیں کر سکتا جس کو زندگی سے عشق اور موت سے نفرت ہو، اس جسم سے مقابلہ نہیں کر سکتا جو عیش و عشرت کا دلدادہ ہو، اس عقل کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتا جس کو تنگ و تنگ گھٹن لگ چکا ہو، اور افکار و خواہشات باہم دست گیر ہوں، اس کو یاد رکھنا چاہئے کہ ضعیف الایمان اور تشنگ قلب اور میدان میں ساتھ چھوڑ دینے والی قوت کے ساتھ میدان جنگ کبھی نہیں جیتا جاسکتا، عرب کے قائدین اور عرب لیگ کے ذمہ داروں کے لئے سب سے اہم کام یہ ہے کہ وہ عربی فوج، کسانوں، تاجروں اور جمہور کے ہر طبقہ میں ایمان کی تخم ریزی کریں، ان میں جہاد کا جذبہ، جنت کا شوق اور ظاہری آرائشوں کی تحقیر و بابت کا احساس پیدا کریں، ان کو خواہشات نفس اور زندگی کی مرغوبات پر قابو حاصل کرنے، خدا کے راستہ میں مصائب اور تکلیفیں برداشت کرنے سکھاتے چہروں کے ساتھ موت کے استقبال اور اس پر پروانوں کی طرح گرنے کا سبق دیں۔

## شہسواری اور فوجی زندگی کی اہمیت

یہ ایک تکلیف دہ حقیقت ہے کہ عربی اقوام نے اپنی بہت سی فوجی خصوصیات کو ضائع کر دیا، خاص طور پر شہسواری ان کی زندگی سے بالکل خارج ہو گئی، جو ایک

بہت بڑا نقصان اور میدان جنگ میں ہزیمت اور کمزوری کا بہت اہم سبب ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان قوموں کی فوجی اسپرٹ جو ان کا طعنائے انتہا زہنی ختم ہو گئی جسم کمزور ہو گئے، لوگ ناز و نم میں زندگی گزارنے لگے، موٹروں نے گھوڑوں کی جگہ لے لی اور قریب ہے کہ عربی گھوڑے جن کی دنیا میں دھوم ہے جزیرہ عرب سے نیست و نابود ہو جائیں لوگوں نے کشتی، شہسواری، جنگی مشینوں اور دوسری جسمانی ورزشوں کو فراموش کر دیا اور ان کھیلوں کو اختیار کیا جن کا کوئی فائدہ نہیں، اس لئے تعلیم و تربیت کے رہنماؤں کے لئے ضروری ہے کہ عرب نوجوانوں میں شہسواری، فوجی زندگی، سادگی، استقلال، عزیمت اور مصائب پر صبر و استقامت کی اہلیت پیدا کریں۔

امیر المومنین عمر بن الخطابؓ عجی ممالک میں اپنے عرب عمال کو لکھتے ہیں:-

ایاکم والتعم وفتی العجم تن آسانی و راحت طلبی کی زندگی

وعلیکم بالشمس فانہا اور عجی لباسوں سے ہمیشہ درود

حمام العرب وتمعن دوا رہنا دھوپ میں بیٹھنے اور چلنے کی

واخشوشنوا واخلولقوا عادت برقرار رکھنا کہ وہ عربوں

واعطوا الزکب استہا کا حام ہے جفاکشی، سادہ زندگی،

وانزوانزوا وارموا صبر و تحمل، موٹے جھوٹے پہننے کے

الاعراض! عادی رہو، گھوڑے پر جست لگا کر

بے تکلف بیٹھنے کی مشق رہنی چاہئے

نشانے درست ہوں۔



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

ارموا بنی اسماعیل      اے اہل عرب تیر اندازی کی مشق  
فان اباکم کان      رکھو اس لئے کہ تمہارے جدا مجد  
رامیہ۔      (حضرت اسماعیل تیر انداز تھے۔)

ایک جگہ ارشاد ہے:-

الات القوة السرمی      یاد رکھو جس قوت سے تیار رکھنے کی  
الات القوة المرحی۔      قرآن مجید میں تاکید ہے وہ تیر اندازی  
ہے وہ تیر اندازی ہے۔

تعلیم و تربیت کے ذمہ داروں کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ ہر ایسی چیز کا مقابلہ کریں جو مردانگی و شجاعت کی روح کو کمزور کر رہی ہو اور عجز و خست پیدا کرتی ہو، عریاں صحافت نگاری فحش اور لمحد ادب کی روک تھام کریں جو نوجوانوں میں نفاق بے حیائی، فسق و فجور اور ہت پرستی کی تبلیغ کر رہا ہو، ان پیشہ وروں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فوجی کیمپ میں نہ داخل ہونے دیں جو نسل اسلامی کے قلب اخلاق میں فساد برپا کرنا چاہتے اور فسق و محصنیت اور فحش پسندی کو چند حقیر پیسوں کے لئے خوبصورت اور مزین بنا کر پیش کرتے ہیں۔

تایید شاہد ہے کہ جب کبھی کسی قوم میں مردانگی اور غیرت انسانی کو زوال ہوا اور توں نے اپنی نسائیت اور فطرت مادری کے خلاف بغاوت کی اور آزادی بے حجابی کی راہ اختیار کی، ہر چیز میں مردوں کی سابلقت کی کوشش کی، خانگی زندگی سے نفرت و غفلت بڑھی اور ضبط تولید کی رغبت پیدا ہوئی، اس کا تاثر اقبال اقبال غروب ہوا اور رفتہ رفتہ اس کے نشانات بھی

لے بخاری ۴۷۷

مت گئے، یونانی، رومی اور ایرانی اقوام کا انجام بھی ہوا اور یورپ بھی آج اسی راہ پر گامزن ہے جو اس انجام تک لے جاتی ہے، عالم عرب کو ڈرنا چاہئے کہ کہیں اس کا انجام بھی ایسا نہ ہو۔

## طبقاتی تفاوت اور اسراف کا مقابلہ

عربوں کو مغربی تہذیب کے اثر سے اور بہت دوسرے اسباب کی بنا پر عیش و عشرت، غیر ضروری لوازم زندگی کے شدید اہتمام، اسراف لذت و خواہش اور فخر و آرائش کے لئے فضول خرچی کی عادت چڑھ چکی ہے، اس عیش و تنعم اور بیدردی کے ساتھ خرچ کے پہلو پہلو فقر و فاقہ اور غربانی بھی موجود ہے، جب ایک شخص بڑے بڑے عرب شہروں پر نظر ڈالتا ہے تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھرتے ہیں اور سر شرم سے جھک جاتا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ ایک طرف وہ آدمی ہے جس کو اپنی ضرورت کے زائد غذا، لباس کا مصروف نظر نہیں آتا، دوسری طرف اس کی نگاہ ایسے بدوی پر پڑتی ہے جس کو ایک روز کا کھانا اور ستر پوشی کے لئے کپڑا بھی نصیب نہیں، جب عرب کے امراء و اصحاب ثروت ہوا سے باتیں کرنے والی موٹروں پر سرگرم سفر ہوتے ہیں، اسی وقت چلیٹھروں میں پیٹے ہوئے بچوں اور بچیوں کی ایک فوج سامنے آتی ہے جن کا لباس تار تار ہوتا ہے، جو ایک پیسے کے لئے ان کی موٹروں کے ساتھ دوڑنے لگتی ہے۔

جب تک عرب ملکوں میں فلک بوس محلوں، بہترین کاروں کے ساتھ ساتھ حقیر جھونپڑیاں اور تنگ تاریک مکانات نظر آئیں گے، جب تک تجملہ و فاقہ ایک شہر میں شباب پر ہوگا اس وقت تک یہوزم کے لئے دروازے کھلے ہوئے ہیں، ہنگامے، جھگڑے ہونا لازمی ہیں، کوئی پروگنڈا اور طاقت اس کو روک نہیں سکتی، وہاں اگر اسلامی نظام اپنے جمال و اعتدال کے ساتھ قائم نہیں ہوگا تو تعزیرِ خداوندی کے طور پر اوردو عمل کے طریقہ پر اس کی جگہ

ایک ظالم و جاہل نظام کا قائم ہونا ضروری ہے۔

## تجارت اور مالی نظام میں خود مختاری

عالم اسلامی کی طرح عالم عربی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی تجارت، مالیات، صنعت و حرفت اور تعلیم میں پورے طور پر آزاد اور خود کفیل ہو، وہاں کے رہنے والے انھیں چیزوں کا استعمال کریں جو ان کی زمین کی پیداوار اور ان کی صنعت و محنت کا نتیجہ ہوں، زندگی کے ہر شعبہ میں وہ مغرب کے صنعتی ہوں اپنی تمام ضرورتیں، مصنوعات، غذا، لباس، ہتھیار، شہینیں آلات حرب کی چیزیں وہ غیر کے دست نگر اور مغرب کے پروردہ رحمت اور نیک خوار نہ ہوں۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ عالم عربی اگر بعض ناگزیر حالات کی بنا پر مغرب کے جنگ کرنا چاہے تو وہ اس لئے جنگ نہیں کر سکتا کہ وہ اس کا مقروض اور اس کی امداد کا محتاج ہے جس قلم سے وہ مغرب کے ساتھ معاہدہ پر دستخط کرتا ہے، وہ قلم بھی مغرب ہی کا بنا ہوا ہے اگر وہ مقابلہ کرتا ہے تو میدان جنگ میں اسی گولی کو استعمال کرتا ہے جو مغرب کے کارخانہ کی تیار شدہ ہے، عالم عربی کے لئے یہ ایک بڑی ٹریجڈی ہے کہ وہ اپنے دولت کے ذخیروں اور قوت کے سرشتیوں سے خود فائدہ نہ اٹھا سکے، زندگی کا فون اس کو فائدہ پہنچانے کے بجائے اسی کی رگوں سے دوسروں کے جسم میں پہنچتا ہو، اس کی فوجوں کی ٹریننگ مغرب کے ایجنٹ اور فوجی افسران کے ہاتھ میں ہو اور حکومت کے دوسرے شعبے بھی انھیں کے سپرد ہوں، عالم عربی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی ضروریات کا خود کفیل ہو، تجارت و مالیات کی تنظیم، درآمد برآمد قومی صنعت، فوج کی ٹریننگ اور خفیہوں، اور آلات حرب کی تیاری پر اس کا مکمل قبضہ ہو، ایسے اشخاص کی تربیت کی جائے

جو حکومت کی ذمہ داریوں کو نبھال سکیں اور سرکاری فرائض پوری واقفیت، فنی مہارت  
دیانت اور خیر خواہی کے ساتھ انجام دیں۔

## انسانیت کی سعادت کے لئے عربوں کی ذاتی قربانی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اس وقت ہوئی جبکہ انسانیت کی ثقافت، یکنیتی  
انتہائی حد کو پہنچ چکی تھی، اس وقت انسانیت کی اصلاح کا مسئلہ ان افراد کی دسترس  
باہر تھا جن کی زندگی ناز و نعمت میں بسر ہو رہی تھی اور جو محنت و مشقت کے برداشت  
کرنے اور مالی و جانی نقصانات کو بھیلنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے اور جن کے لئے  
ہمہ وقت عیش و نشاط کا سامان موجود تھا، اس وقت انسانیت کو ایسے افراد درکار  
تھے جو انسانیت کی خدمت میں اپنے مستقبل کو قربان کر سکتے تھے، اور منافع سے دست بردار  
ہو کر اپنے جان و مال عیش و آرام اور اپنے تمام دنیاوی مفاد کو خطرات و مشکلات کے  
مقابل میں پیش کر سکتے تھے، ان کو اپنے پیشہ و تجارت کی کساد بازاری اور کسی طرح کے  
مالی نقصان و خطرات کی پروا نہ تھی، جن کو اپنے آیا و اجداد اپنے دوستوں اور فرابت مندوں  
کی قائم کی ہوئی امیدوں پر پانی پھیر دینے میں تامل نہ تھا، صالح علیہ السلام کی قوم نے  
جو کچھ ان سے کہا تھا وہی ان تعلق والوں کی زبان پر بھی جاری ہو جاتا۔

قَالُوا نِيْلًا قَدْ كُنْتُمْ فِينَا لَعَالَيْكُمْ لَئِنْ لَمْ يَأْتِكُمْ بَشِيرٌ مِّنْ جِبْرِائِلَ قَبْلَ هَذَا (ہود: ۶۲) امیدیں وابستہ تھیں۔

جب تک دنیا میں ایسے مجاہد تیار نہ ہوں اس وقت تک انسانیت کا بقا و استحکام  
اور کسی اہم دعوت کا کامیاب ہونا ناممکن ہے، یہ کردار رکھنے والے گنتی کے چند افراد جو دنیا کی

اصطلاح میں محروم اور کوتاہ قسمت سمجھے جاتے ہیں انھیں کی بلند سمتی اور جذبہ قربانی پر انسانیت کی فلاح و کامرانی اور عیش و شادمانی کا دار و مدار ہے، وہ چند افراد جو اپنی جان کی مصائب میں ڈال کر ہزاروں بندگانِ خدا کے ابدی مصائب سے بچنے کا سبب بنتے ہیں، اور دنیا کے ایک بڑے گروہ کو شر سے خیر کی طرف لاتے ہیں، اگر چند افراد کی محرومی و ہلاکت ایک پوری ملت کے لئے خوشحالی اور سرفرازی کا باعث ہو اور اگر کچھ مال و زر اور تجارت و حرفت کے نقصان اور گھٹاٹے سے بے شمار اور لاتعداد انسانوں کے لئے دینی و دنیوی فلاح کا دروازہ کھلتا ہو تو یہ سودا بر طرح سستا ہے۔

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو وہ یہ جانتا تھا کہ روم و فارس اور دنیا کی تمدن قومیں جن کے ہاتھ میں اس وقت عالم کی باگ ڈور ہے ہرگز اپنے عیش و نشاط کو نہیں چھوڑ سکتیں، وہ اپنی ناز پروردہ زندگی کو خطرہ میں نہیں ڈال سکتیں، وہ بے یار و مددگار انسانیت کی خدمت، دعوت و جہاد کے لئے مصائب و آلام کے برداشت کرنے کی قوت نہیں رکھتیں، ان کے اندر اتنی استطاعت ہرگز نہیں کہ اپنی پُر تکلف زندگی اور زیب و زینت کا ایک معمولی سا جز بھی قربان کریں، ان میں ایسے لوگ بالکل مفلح و تھے جو اپنی خواہشات پر قابو رکھتے ہوں، اپنی حرص و طمع کو روک سکیں، اور جو تمدن کے لوازم اور فیشن کی پابندی سے بے نیاز ہو کر واجبی گزران پر اتکا کر سکیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسلام کے پیغام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے لئے ایسی قوم کا انتخاب فرمایا جو دعوت و جہاد کے بوجھ کو اٹھا سکتی تھی، اور ایشیاء و قربانی کے جذبہ سے بھر پور تھی، یہ وہی عربی قوم تھی جو طاقتور و سادہ نشا و روز و جفاکش تھی، جس پر مصنوعی تمدن کا کوئی وار کا گزرنہ ہوا، اور دنیا کی رنگینوں کا کوئی جادو

نہ چل سکا یہی لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں جو دل کے غنی علم سے بھر پور اور تکلفات سے کوسوں دور تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عظیم الشان دعوت کو لے کر اٹھے اور آپ نے جدوجہد و جانفشانی کا حق پوری طرح ادا کر دیا، اس دعوت کو ہر اس چیز پر ترجیح دی جو آپ کے لئے رکاوٹ کا سبب بن سکتی تھی، آپ خواہشات سے بالکل کنارہ کش تھے، دنیا کی دلفریبیوں کا آپ پر کوئی جادو نہ چل سکا یہی وہ چیز تھی جو دنیا کے لئے اُسوۂ حسنہ اور رہنمائی — جب قریش کے وفد نے آپ سے اس سلسلے میں گفتگو کی اور آپ کے لئے وہ تمام چیزیں پیش کیں جو ایک نوجوان کے دل کو فریفتہ اور نفسانیت رکھنے والے انسان کو خوش کر سکتی تھیں، مثلاً حکومت و ریاست، عیش و عشرت، دولت و ثروت تو آپ نے ان تمام چیزوں کو بے تامل ٹھکرا دیا، اسی طرح جب آپ کے چچا نے گفتگو کی اور چاہا کہ آپ کو اس دعوت کے پھیلانے اور اس میں حصہ لینے سے روک دیں تو آپ نے مٹا مٹا کر فرما دیا کہ اے چچا خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے دلبہنے ہاتھ میں سورج اور میرے بائیں ہاتھ میں چاند لاکر رکھ دیں جب بھی میں اس کام سے باز نہیں آسکتا اور اس وقت تک کہ شش کرتار ہوں گا جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس دعوت کو غالب نہ کر دے یا میں خود اس سلسلے میں کام نہ آجاؤں، یہی جدوجہد اور قربانی دنیا کی نفع اندوز ذہنیت سے بے تعلق اور پرسترت زندگی کے مقابل میں تکلیف و مشقت کی زندگی کی ترجیح اہل دعوت کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک نمونہ اور اُسوۂ بن گیا، آپ نے اس سلسلے میں اپنے اوپر عیش و آرام راحت و آسائش کے دروازے بند کر لئے اور خود اپنے ہی اوپر نہیں بلکہ اپنے پورے خاندان، اہلیت اور تمام عزیزوں کو بھی عیش و عشرت کے مواقع سے مستفید ہونے کا موقعہ نہیں دیا

دہی لوگ جو آپ سے زیادہ قریب و عزیز تھے زندگی کے عیش و راحت میں انھیں کا حصہ  
 سب سے کم تھا، اور جہاد و قربانی میں وہ سب سے آگے رکھے گئے تھے، جب آپ کسی چیز کی حرمت  
 کا ارادہ کرتے تو اس کی ابتداء اپنے قبیلہ اور اپنے ہی لوگوں سے کرتے اور جب کسی حق کی باری  
 آتی یا کوئی نفع پہنچتا ہوتا تو دور کے لوگوں سے شروع کرتے اور بے اوقات آپ کے  
 قرابت دار اور قبیلہ والے اس سے محروم ہی رہ جاتے آپ نے جب سودی کاروبار ختم  
 کرنے کا ارادہ فرمایا تو سب سے پہلے اپنے چچا عباس بن عبد المطلب کے کاروبار کو مٹایا اور  
 ان کے تمام سودی منافع کو ختم کر دیا، اسی طرح جاہلیت کے انتقامات و مطالبات کو  
 باطل کرنے اٹھے تو ربیعہ بن حارث ابن عبد المطلب کے خون کو پہلے باطل کیا، اور جب آپ نے  
 زکوٰۃ کا قانون جاری فرمایا (جو درحقیقت ایک بہت بڑی مالی منفعت ہے) اور ناقیہ  
 باقی رہنے والی چیز ہے) تو آپ نے اپنے قبیلہ بنی ہاشم کے لئے اس کو قیامت کے لئے حرام  
 کر دیا فتح مکہ کے دن جب علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے آپ سے بنی ہاشم کے لئے  
 سقایت زمزم کے ساتھ ساتھ خانہ کعبہ کی کلید برادری کا مطالبہ کیا تو آپ نے شدت انکار  
 فرمادیا اور عثمان بن طلحہ کو بلا کر خانہ کعبہ کی کنجی ان کے سامنے رکھ دی اور کہا کہ اے عثمان!  
 دیکھو یہ تمہاری کنجی ہے تم اس کو لے لو آج احسان اور وفا کا دن ہے اور اب یہ تمہارے  
 خاندان میں ہمیشہ رہے گی کوئی اس کو تم سے نہیں لے سکتا، الا یہ کہ کوئی ظالم اس کی جرات  
 کرے آپ نے ازواج مطہرات کو زہد و قناعت اور دکھی بھیک کی زندگی گزارنے کی  
 ترغیب دی اور صاف صاف فرمایا کہ اگر تم فقر و فاقہ کی زندگی گزارنے کے لئے آمادہ ہو تو  
 میری رفاقت اختیار کر سکتی ہو ورنہ ناز و نعمت و راحت کے ساتھ تم میرے ساتھ نہیں  
 رہ سکتیں اور اس وقت آپ نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پڑھ کر سنایا :-

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ  
 إِن كُنْتُنَّ تُحِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا  
 وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ  
 وَأُسَرِّحْكُنَّ سَوَآءًا جَمِيعًا  
 وَإِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ  
 وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ  
 أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنكُنَّ  
 أَجْرًا عَظِيمًا (الاحزاب ۳۸-۳۹)

اے نبی آپ اپنی بیویوں سے فرمادیجئے  
 کہ تم اگر دنیوی زندگی اور اس کی بہار  
 چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو کچھ متاع دیدوں  
 اور تم کو خوبی کے ساتھ رخصت کر دوں  
 اور اگر تم اللہ کو چاہتی ہو اور اس کے رسول  
 کو اور عالم آخرت کو تو تم میں سے نیک  
 کرداروں کے لئے اللہ تعالیٰ نے  
 اجر عظیم (احزاب ۳۸-۳۹) بڑا عظیم مہیا کر رکھا ہے۔

لیکن اس انتخاب میں آپ کے گھر والوں نے اللہ اور رسول ہی کو اختیار کیا،  
 اسی طرح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب سنا کہ آپ کے پاس کچھ غلام و خادم آئے  
 ہیں اور جبکہ ان کے ہاتھوں میں چکی چلانے سے گھٹے بڑگئے تھے، آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ  
 وسلم کے پاس پہنچیں کہ یا رسول اللہ مجھے بھی ایک خادم عنایت فرمادیجئے تاکہ میں کچھ آرام  
 حاصل کر سکوں تو آپ نے ان کو تسبیح و تحمید کی وصیت فرمائی اور کہا کہ تمہارے لئے یہ چیز  
 خادم سے کہیں زیادہ بہتر ہے، یہی معاملہ آپ کا اپنے تمام قریبی رشتہ داروں اور عزیزوں  
 کے ساتھ تھا اور جو جتنا ہی قریب ہوتا جاتا اسی قدر اس کی ذمہ داری بڑھتی جاتی۔  
 کہہ کے لوگ جب ایمان لائے تو ان کی اقتصادی زندگی کا نظام درہم برہم ہو گیا  
 ان کی تجارت کا بازار ہی کا شکار ہو گئی اور بعض اپنے راس المال سے بھی محروم ہو گئے  
 تھے کہ جس کو انھوں نے اپنی زندگی میں جمع کیا تھا، ان میں ایسے بھی ایمان لانے والے تھے،  
 جو راحت و آرام کے سامان اور آرائش و زینت کے اسباب بھی ختم کر چکے تھے، حالانکہ



پہلے ان کی امتیازی شان یہی تھی کہ وہ زینت و آرائش کے دلدادہ تھے، اسی طرح اس دعوت کے پھیلانے اور اس راہ کی رکاوٹوں کو دور کرنے کے سلسلے میں بیٹوں کی تجارت پر تنگی اور کٹنے اپنے آبائی دولت کے حصوں سے محروم ہو گئے۔

اسی طرح جب آپ نے مدینہ ہجرت فرمائی اور انصار نے آپ کا ساتھ دیا تو اس کا اثر ان کے کھیتوں، ان کے باغات پر پڑا مگر بایں ہمہ جب انھوں نے اپنا کچھ تھوڑا سا وقت ان کی نگہداشت کے لئے چاہا تو اس کی اجازت نہیں ملی اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کو تنبیہ کیا گیا، ارشاد ہوا:۔

وَأَنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا  
بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ (البقرة ۱۹۵) آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

یہی حال عرب اور ان تمام لوگوں کا ہوا جو اس دعوت سے متاثر اور اس پر عمل پیرا ہوئے چنانچہ جہاد کی شجقت اور جان و مال کے خسارہ میں ان کا اتنا بڑا حصہ تھا جو دنیا کی کسی قوم کے حصہ میں نہیں آیا، اللہ تعالیٰ ان سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے:۔

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ  
وَأَخْوَاؤُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ  
وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا  
وَبَنَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَمْوَالٌ  
وَمَسْكِنٌ تَرْمِثُونَهَا كَإِذَا  
إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ  
وَجَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَنَاصُوا

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ و تمہارا  
بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویا  
اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمایا  
ہے اور وہ بیٹیاں جو تم سے نکلی ہیں اور وہ  
تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جس کو تم پسند  
کرتے ہو تم کو اللہ اور اس کے رسول سے اور  
اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارا

حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ ۖ وَاللَّهُ  
لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ  
(سورۃ التوبہ - ۲۴)

ہوں تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ  
اپنا حکم بھیجے اور اللہ تعالیٰ بے حکمی کرے والوں  
کو ان کے مقصود تک نہیں پہنچاتا۔

دوسری جگہ فرمایا ہے۔

مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ  
حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ أَنْ  
يَتَخَلَّفُوا عَنِ رَسُولِ اللَّهِ وَلَا  
يَرْجِعُوا أَنْفُسِهِمْ عَنْ نَفْسِهِ  
(التوبہ - ۱۲۰)

مدینہ کے باشندوں کو اور ان اعرابوں کو  
جو اس اطراف میں بستے ہیں لائق نہ تھا کہ  
اللہ کے رسول کا ساتھ نہ دیں اور پیچھے  
رہ جائیں اور نہ یہ بات لائق تھی کہ اس کی  
جان کی پرواہ نہ کر کے محض اپنی جانوں  
کی فکر میں پڑ جائیں۔

اس لئے کہ انسانی سعادت کی عمارت انھیں لوگوں کی قربانیوں کے ستونوں پر قائم ہونے والی  
تھی اور حالات کی تبدیلی میں صرف اسی بات کا انتظار تھا کہ یہ مہاجرین انصار اپنے کو شاکر  
انسانیت کی سرسبزی اور قوموں کی ہدایت و فلاح کا فیصلہ حاصل کر لیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالَّذِينَ نَكَحُوا نِسَاءً مِنْ الْيَهُودِ  
وَالنَّجَارِ وَالنَّصَارَى وَالْمُشْرِكِينَ  
وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكِينَ (البقرہ ۱۵۵)

ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے کچھ نہ کچھ خوف  
بھوک الوں جانوں اور پھلوں کی کمی  
اور نقصان کے ساتھ۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے۔

لَعَبِثَ النَّاسُ أَنْ يُنْزِلَ اللَّهُ  
يَمْزِلَ اللَّهُ مَا هُمْ لَا يَشْعُرُونَ

کیا لوگ نسا کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ  
ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش

(النبوت - ۲) نہ کی جائے گی۔

اگر عرب اس سرفرازی کو قبول کرنے سے ہچکچاتے اور انسانیت کی اس عظیم خدمت میں تردد سے کام لیتے تو بد بختی اور عالم کے فساد کی مدت اور بڑھ جاتی اور جاہلیت کی تاریکی بدستور دنیا پر چھائی رہتی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

الْأَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةً فِي الْأَرْضِ وَفَسَادَ كَلْبُوهُ (الانفال ۷۳) اگر تم ایسا نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ پیدا ہو گا اور بڑی ہی خرابی پھیلے گی۔

پچھٹی صدی عیسوی میں دنیا ایک دورِ اہم پر کھڑی تھی، اس وقت دو ہی راستے تھے، یا تو عرب کے لوگ اپنے جان و مال، آل و اولاد اور تمام محبوب چیزوں کو خطرہ میں الگ آگے بڑھ جاتے اور دنیا کی ترغیبات سے کنارہ کش ہو کر اجتماعی مصلحت کی راہ میں اپنا سارا سرمایہ قربان کر دیتے جب دنیا کو سعادت نصیب ہوتی اور انسانیت کی قسمت بدلتی جنت کا شوق ابھرتا اور ایمان کی ہوائیں مچتی، یا پھر وہ اپنی خواہشات و مرغوبات اور اپنی انفرادی لذت و عیش کو انسانیت کی سعادت و فلاح پر ترجیح دیتے تو ایسی صورت میں دنیا گمراہی و بد بختی کے دلدل میں پھنسی رہ جاتی، و غفلت و مد بختی کے عالم میں پڑی رہتی لیکن اللہ تعالیٰ کو انسانیت کی بھلائی منظور تھی اس لئے عربوں میں اس نے ولولہ پیدا کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اندر ایمان و اشار کی روح پھونک دی اور ان کو آخرت اور اس کے بے پایاں ثواب کی ترغیب دی تو انھوں نے اپنے آپ کو انسانیت پر قربان کرنے کے لئے پیش کر دیا اور اللہ کے ثواب و نوعِ انسانی کی سعادت کی امید میں انھوں نے دنیا کے تمام عیش و آرام سے آنکھیں بند کر کے اپنے جان و مال کو اللہ کے راستے میں جھونک دیا اور ان تمام چیزوں کو تھو دیا جن پر لوگ حریصانہ نظریں اٹھاتے ہیں انھوں نے پورے خلوص اور صداقت کے ساتھ

راہِ خدا میں جانیں دیں اور محنتیں کیں تو اللہ نے ان کو دنیا اور آخرت کے بہتر اجر سے نوازا  
وَاللّٰهُ يُبَدِّلُ الْمُحْسِنِيْنَ (اور اللہ محسنین سے محبت رکھتا ہے۔)

آج دنیا ہسٹ ہسٹا کر پھر اسی نقطہ پر پہنچ گئی ہے جس پر وہ چھٹی صدی سچی میں تھی  
یہ عالم پھر اسی دورِ اہمہ پر نظر آ رہا ہے جس دورِ اہمہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت  
کے وقت تھا، آج اس کی ضرورت ہے کہ عرب قوم (جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
سے تعلق خاص ہے) میدان میں نکل آئے اور پھر دنیا کی قسمت بدلنے کے لئے جان کی  
بازی لگائے اور اپنی تمام آسائش و ثروت دنیا کی نعمتوں، ترقی و خوشحالی کے امکانات  
اور اپنے مسلمان راحۃ کو خطرہ میں ڈال دے تاکہ دنیا اس مصیبت سے نجات پائے  
جس میں وہ مبتلا ہے اور زمین کا نقشہ بدل جائے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ عرب بدلتور اپنے حقیر اغراض اور ذاتی سر بلندی و ترقی،  
عہد و منصب، تنخواہوں کی بیشی، آمدنی کے اضافہ اور کاروبار کی ترقی کی فکر میں رہیں،  
اور مسلمان عیش اور اسبابِ راحت کی فراہمی میں مشغول رہیں اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا  
اسی زہریلے تالاب میں غوطہ زن رہے گی جس میں وہ صدیوں سے ہلاک ہو رہی ہے اگرچہ  
ذہن عرب نوجوان بڑے بڑے شہروں میں خواہشات کے غلام بن کر بیٹھے رہیں اور اگر ان کی  
زندگی کا محور صرف مادہ اور معدہ ہے اس کے علاوہ ان کی کوئی اور فکر نہیں ہے اور ان کی  
تمام تہ و جہد صرف اپنی ذاتی زندگی اور اپنی مرقہ احمالی کے گرد چکر لگا رہی ہے تو ایسی  
صورتِ حال میں انسانی سعادت کا تصور بھی مشکل ہے، بعض جاہلی قوموں کے نوجوان آج  
زیادہ حوصلہ مند تھے اور ان کا ذہن ان سے کہیں زیادہ بلند تھا، جب کہ انھوں نے اپنے  
پسندیدہ مقاصد کی راہ میں اپنی تمام راحۃ و آرام اور اپنے مستقبل تک کو قربان کر دیا

جاہلی شاعر امرؤ القیس ان سے کہیں زیادہ باہمت تھا کہ کہتا ہے:-

ولوانی اسعی لادی معیشۃ کفالی ولیم اطلب قلیل من المال

ولکنما اسعی لمجد مؤثّل وقد یدرک الحمد المثلّ الاثالی

(اگر میں کسی ادنیٰ درجہ کی زندگی کے لئے کوشش کرتا ہوتا تو مجھے تھوڑا سا مال

بھی کافی ہوتا اور اس کے لئے ایسی جدوجہد کی ضرورت نہ ہوتی۔

لیکن میں تو ایسی عظمت کا طالب ہوں جس کی جڑیں مضبوط ہوں اور مجھ

جیسے آدمی بھی ایسی عظمت کو حاصل کر لیتے ہیں۔)

دنیا کی سعادت و کامرانی کی منزل تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ مسلمان نوجوان

اپنی قربانیوں سے ایک پل تعمیر کریں، اس پل پر سے گزر کر دنیا بہتر زندگی کی منزل تک پہنچ سکتی

ہے، زمین کھاد کی محتاج ہوتی ہے لیکن انسانیت کی زمین کی کھاد جس سے اسلام کی کھیتی

برگ بار لاتی ہے وہ وہی انفرادی خواہش و دہوس ہے جس کو مسلم نوجوان اسلام کا بول بالا کرنے اور

انٹر کی زمین میں امن و سلامتی پھیلانے کے لئے قربان کریں آج انسانیت کی افتادہ زمین

کھاد مانگتی ہے، یہ کھاد راحت و آرام کے مواقع، انفرادی ترقی کے امکانات اور عیش کے استا

ہیں جن کو مسلمان بالخصوص عرب توام قربان کر دینے کا ارادہ کر لیں چند انسانی جانوں کی

جدوجہد اور ان کی قربانیوں سے اگر انسانی گلا آگ کی راہ سے نکل کر جنت کی راہ پر گنگ جاتی ہے

یہ بڑا ستا سودا ہے اس لئے کہ جو نعمت حاصل ہوگی وہ بہت ہی مختصر ہے مگر اس کا مایہ ہے اور

اس کے لئے جو کچھ قربان کرنا پڑے وہ اس کے مقابلہ میں بہت ہی معمولی اور ارزاں ہے۔

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں

اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

## عالم اسلامی کی توقع عالم عربی سے

عالم عربی اپنی خصوصیتاً محل وقوع اور اپنی سیاسی اہمیت کی بنا پر اسلام کی دعوت کی ذمہ داری اٹھانے کا حقدار ہے وہ یہ کر سکتا ہے کہ عالم اسلامی کی قیادت کا بیڑہ اٹھائے اور مکمل تیاری کے بعد یورپ کے آنکھیں ملا سکے اور اپنے ایمان دعوت کی طاقت اور خدا کی نصرت سے اس پر غالب آجائے اور دنیا کو شر سے خیر کی طرف تباہی و بربادی سے امن و سلامتی کی طرف لے آئے یا جس طرح مسلمانوں کے قاصد نے یزدگرد کی مجلس میں کہا تھا:۔

”انسانوں کی پریشانی سے نکال کر خدائے واحد کی پریشانی میں دنیا کی تنگی سے دین کی کشادگی میں اور مذاہب کی نا انصافی سے نکال کر اسلام کی عدل گستری میں داخل کر دے۔“  
عالم انسانی عالم اسلامی کی طرف اپنے نجات دہندگی کی جستجو سے دیکھ رہا ہے اور عالم اسلامی عالم عربی کی طرف اپنے لیڈر اور رہبر کی حیثیت سے نظر اٹھا کر ہوئے ہے کیا عالم اسلامی عالم انسانی کی توقع کو پورا کر سکتا ہے اور کیا عالم عربی عالم اسلامی کے سوال کا جواب دے سکتا ہے؟ عرصہ سے مظلوم انسانیت اور برباد شدہ دنیا اقبال کے پُر درد الفاظ میں مسلمانوں سے فریاد کر رہی ہے اس کو اب بھی یقین ہے کہ جن مخلص ہاتھوں نے کعبہ کی تعمیر کی تھی وہی دنیا کی تعمیر نو کا فرض انجام دے سکتے ہیں۔

ناموس ازل را تو امینی تو امینی      دارمے جہاں را تو یاری تو یمنی  
اے بندہ خاکی تو زمانہ تو زمینی      صہبائے نقیس در کش وازدیر گراں خیز

از خواب گراں خواب گراں خواب گراں خیز

از خواب گراں خیز

فریاد زافرنګ دل آوړئ افرنگ    فریاد شیرین و پروړئ افرنگ  
 عالم همه ویراند چنگیزئ افرنگ    معمارم ایا ز به تعمیر جهان خیز  
 از خواب گران خواب گران خواب گران خیز  
 از خواب گران خیز



# INDEX

INSANI DUNIYA PAR MUSALMANAUN KE  
UROOJ-O-ZAWAL KA ASAR

اشاریہ

”انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر“

گیارہواں ایڈیشن

۱۹۹۲ء — ۱۴۱۳ھ

مُتَبَعاً

محمد غیاث الدین ندوی



## اشخاص

(الف)

۲۱۳، ۱۲۹، ۱۲۰، ۱۱۹ (حضرت) ابو بکرؓ

۱۱۰ (حضرت) ابو بکر بن ابی موسیٰ اشعریؓ

۹۰ ابو جہل

۱۲۹ (حضرت) ابو جہلیفہؓ

۲۳، ۲۲، ۱۲ (مولانا) ابو الحسن علی ندویؒ

۱۱۶، ۱۱۵ (امام) ابو داؤدؒ

۱۲۱ (حضرت) ابو دبیانہؓ

۱۲۹ (حضرت) ابو الدرداءؓ

۱۲۹، ۱۱۵ (حضرت) ابو ذرؓ

۵۸ (حضرت) ابو جہاد الوسار دیؓ

۱۲۱ (حضرت) ابو سفیانؓ

۱۲۸ (حضرت) ابو عبیدہؓ

۱۷۲ ابو الغداء حموی

۳۰۹ ابو الفضل استرآبادی

۳۰۹ ابو الفضل گادرونی

۱۲۳ (حضرت) ابو قتادہؓ

۱۲۷، ۱۱۰، ۱۰۸ (حضرت) ابو موسیٰ اشعریؓ

۱۲۹ (حضرت) ابی بن کعبؓ

۱۹۹ آپولیس (رومی)

۲۱۲ (سینٹ) اٹھینیس (راہب)

۲۱۳، ۸۴ (امام) احمد ابن حنبلؒ

۱۹۳، ۱۹، ۱۸ (ڈاکٹر) احمد امینؒ

۱۳۶، ۱۱۵ (سیدنا حضرت) آدم علیہ السلام

۳۲۹، ۲۵۸، ۱۷۶

۳۶۰ (سیدنا حضرت) اسماعیل علیہ السلام

۲۱۲ (سینٹ) ایرابام (راہب)

ابلیس دیکھیے شیطان

۱۱۵ (محدث) ابن ابی حاتم

۱۷۶، ۱۷۱ (مؤرخ) ابن الاثیر جزیری

۱۲۰ ابن ارقم

۱۲۰ ابن اسحاق

۱۵۶ ابن بطوطہ

۲۱۲ (شیخ الاسلام حافظ) ابن تیمیہؒ

۱۵۶ ابن جبیر اندلسی

۱۵۶، ۱۴۲، ۱۳۶ (حافظ) ابن جوزیؒ

۳۱۰ (علامہ) ابن حجر مکیؒ

۱۸۸، ۱۳۷ ابن خلدون

۶۰ ابن سیدہ

۱۷۲ (قاضی) ابن شداد

۶۰ ابن عبد ربیع

۱۷۶، ۱۴۲، ۱۲۰، ۱۰۸ (مؤرخ) ابن کثیرؒ

۱۷۵ ابو اسحاق صابی

۱۲۴ (حضرت) ابو بردہؓ

۳۷۳، ۳۲۳، ۱۱۵ (علامہ) اقبال

۱۹۱ اکبر آبادی

۲۱۲ (سینٹ) آگسٹائن (راہب)

۲۹۶ (مفتی) الہی بخش

۸۹، ۷۸ آل ساسان

۲۹۱ (ڈاکٹر) الفرڈ بلر

۲۶۶ (ڈاکٹر) الکسس کیرل

۲۵۴ الگزینڈر (راہب)

۶۱ (علامہ) آلوسی

۱۲۰، ۱۱۹ (حضرت) اُمّ حبیلہ بنت خطاب

۱۲۱ (امّ المؤمنین) اُمّ حبیبہ

۱۱۹ امّ الخیر (والدہ ابوبکر)

۳۷۲ امراء القیس

۷۳ ایمان مارسلینوس (مؤرخ)

۳۷۶ (مولانا محمد) امین انجائی

۲۱۲ (سینٹ) انتونی (راہب)

۱-۹ (حضرت) انس بن مالک

۳۳۴، ۱-۹ (حضرت) انس بن النضر

۲-۳ انکساغورس

۲۱۹ انیس سلوٹس

۳۷۷، ۱۹۰ (سلطان) اوزنگ زیب عالمگیر

۳۱۱، ۳۰۸

۲۴۲ اوریجن

۷۶ ایاس بن قبیصہ

۲۷۲ ایڈن (دربارِ علم) انگلستان

۲۸۴ (مرید) احمد خاں

(حضرت شیخ) احمد سرہندی (مجددِ اہلِ ثانی)

۳۰۹، ۲۸۳، ۱۸۸

۲۱ (شیخ) احمد الشریاضی

۲۸۷، ۲۸۵، ۱۹۱ (حضرت سید) احمد شہید

۲۸۸ احمد بن مردان مالکی

۲۹۷ (نواب) احمد علی خاں رامپوری

۳۰۸ اختیار خاں

۲۸۳ (سید) آدم بتوری

۴۴، ۴۱ (پروفیسر) انور کرسٹین

۴۳ اردشیر

۲۰۳، ۱۹۸، ۱۸۵-۸۷

آزرمی دخت (بنت کسری)

۱۲۹ (حضرت) اسامہ

۲۷۴، ۲۷۳ اسٹورٹ گلڈر

۱۶۹-۱۷۳ ایشیلین پول

(محمد) اسد (لیولڈوس) دیکھے محمد اسد

۲۹۶، ۲۸۵، ۱۸۸ (شاہ) اسماعیل شہید دہلوی

۱۵۶ (شیخ) اسماعیل لاہوری

۵۱ اشوک

آصف خاں ملاحظہ ہو عبدالعزیز

۲۳۳ آغا اشرف دہلوی

۲۴۵ اعطس

۳۰۸ افضل خاں

۲۰۲ افلاطون

۲۱۷ پاپائے لیوڈیم

۱۸۲ پطرس اعظم

پوپ گریگوری اعظم دیکھیے گریگوری

(ت) (ٹ)

۶۷ (تہتہ شاہ) تائی ٹنگ

۷۴ تغلب

۱۷۸ (امیر) توزون

۵۰ تو شیو (دیوتا)

۲۳۲ ٹرولین

۱۹۱ ٹیچو سلطان

(ج) (چ)

۴۴ جابان (ایرانی آفر)

۱۱۶ (حضرت) جابرین عبد الشہ

۲۳۱ جان گنٹر

۷۶ جیلین ایم غسانی

۱۸۴ جی زیڈان

۲۰۵ جوشکس

۲۱۶، ۲۱۱ (سینٹ) جردم

۱۰۸ (حضرت) جعفر

۱۲۹ (حضرت) جعفر بن ابی طالب

۲۸۸ (مولوی سید) جعفر علی نقوی

۳۱۲ (مدار الہام نشی) جمال الدین خان بھوپالی

۳۰۵، ۳۰۳، ۳۰۳ (علامہ) جمال الدین محمد بن عمر کرق

جیلیم دیکھیے محمد جیل

۴۷ (نیلز) جواہر لال نہرو

۴۷، ۴۶ (پروفیسر) ایٹورالوپا

۲۱۲ (سینٹ) الیبروز

(ب)

۱۸۹ (سلطان) یابر

الفرڈ دیکھیے بلر

۲۵۷ (امام) بخاری

۱۹۰ برک ایڈمز

۲۲۱ بروٹو

۳۰۹ (قاضی) برہان الدین نہروالی

۳۵۹، ۳۰۵ (علامہ) بغوی

۱۱ (ڈاکٹر) بھنگم

۳۳۴، ۱۲۹ (حضرت) بلال

۲۵۰ (مطر) بلدون

۳۹ بنوسوس (BONUS)

بودھ دیکھیے گوتم بودھ

بوڈلے (آر، وی سی) (R. V. C. BODLEY)

۴۳ بوران (نیت کسری)

۳۱۰ (سلطان) بہادر شاہ

۴۱، ۴۰ بہرام چوبین

۱۷۷ بے میر (الملك الظاہر)

۱۲۰ (م) بیہقی

(ب)

۱۸۲ پاپائے اعظم

۲۱۷ پاپائے الوینسٹن ششم

۳۱۷، ۱۸۶، ۳۴ (سینٹ) پال

(۵) (۶)

۵۹ دیران (قاره)

۵۱ دیاندرسوتی

۲۴۱، ۲۴۲ ڈارون

۲۱۸، ۲۰۹، ۲۰۷ ڈاکٹر ڈریپر

۲۶۹ ڈریلی

(۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھئے محمد رسول اللہ

۷۲، ۶۷، ۳۸ رابرٹ بریناک

۳۰۴ رانارنگا

۴۷ (مسز) رائس ڈیوڈس

۱۳۵، ۱۰۸ (حضرت) ربیع بن عامر

۳۶۶ (حضرت) ربیعہ بن حارث

۱۰۸، ۷۷، ۴۴ رستم

۱۵۶ (شیخ) رضی الدین قزوینی

۱۸۸ (شاہ) رفیع الدین دہلوی

۲۸۴ (شاہ) روڈوت احمد مددی

۱۷۰ ریچی نالڈ (والی کرکٹ)

(۸)

۱۲۹، ۱۲۱ (حضرت) زید بن ثابت

۱۲۹ (حضرت) زید بن حارثہ

(۹)

۲۶، ۲۵۹ (میدنا حضرت) یلمان علیہ السلام

۲۶۲ سربراہ احمد خاں دیکھئے احمد خاں

۲۱۱ (سینٹ) سرائین (راہب)

۲۴۹، ۲۳۵، ۲۲۰، ۲۰۸ زیروفسر جوڈ

۲۹، ۲۷، ۲۶۹، ۲۶۴

۶۷ جمیں کارکن

۱۷۸ چنگیز خاں

(۱۰)

حافظ ابن جوزی دیکھئے ابن جوزی

۶۰ حجر بن خالد (شاعر)

۷۶ (حضرت) حسان بن ثابت

۱۶ (شیخ) حسن البنا

۲۸۲ (شیخ) حسن علاء بخاری

۱۶ (حضرت) حسین

۳۰۹ حمید الملک

(۱۱)

۲۸۰ (میدنا حضرت) خضر علیہ السلام

۱۲۹، ۱۲۸، ۱۰۶ (حضرت) خالد بن ولید

۱۹۸، ۱۸۷، ۱۸۵ خالده ادیب قائم

۳۳۴ (حضرت) خباب

۳۳۴، ۱۲۰ (حضرت) خبیب

۶۶ خاں اول (شہنشاہ چین)

خدا بخش دیکھئے صلاح الدین

۳۱۱ (سلطان) خسرو پاشا (مصر)

خسرو دیکھئے نو شیروان

۲۴، ۲۰ خسرو پرویز

۷۱، ۶۴ خسرو ثانی

۱۲۷ خطاب

|                             |                                   |                |                                   |
|-----------------------------|-----------------------------------|----------------|-----------------------------------|
| ۷۷                          | شعی                               | ۲۰۵            | سرو                               |
| ۵۹                          | شعری (تارہ)                       | ۱۲۸، ۱۰۸       | (حضرت) سعد بن ابی وقاصؓ           |
| ۳۰۲                         | (سلطان) شمس الدین التمش           | ۱۲۱            | (حضرت) سعد بن ربیعؓ               |
| ۴۲                          | خزرتانی (عبدالکریم)               | ۱۲۲، ۱۰۹       | (حضرت) سعد بن معاذؓ               |
| ۳۰۶                         | (سلطان) شیر شاہ سوری              | ۳۰۸            | (جلالہ الملک) سودا شہ خاں علامی   |
| ۴۳                          | شیرویہ (شاہ ایران)                | ۳۰۳            | (شیخ) سعدی                        |
| طبقات                       | شیطان۔ ابلیس دیکھئے               | ۲۲۷، ۲۰۳، ۲۰۰  | سقراط                             |
| ۵۰                          | شیو (دیوتا)                       | ۵۰             | سکر (دیوتا)                       |
| (ص)                         |                                   | ۱۲۸، ۸۴        | (حضرت) سلمان فارسیؓ               |
| ۳۶۳                         | (سیدنا حضرت) صالح علیہ السلام     | ۱۸۲            | سلمان اعظم                        |
| ۵۹                          | صاعد اندلسی                       | ۱۸۹            | (سلطان) سلیم اول                  |
| ۳۱۲                         | (مفتی) صدر الدین خاں              | ۱۹۴            | (سلطان) سلیم ثالث                 |
| ۳۱۲                         | (نواب سید) صدیق حسن خاں           | ۵۹             | سہیل (تارہ)                       |
| ۶۱                          | صمصہ بن ناجیہ                     | ۵۱             | سیتارتھ پرکاش                     |
| ۱۶۹-۱۷۲                     | (سلطان) صلاح الدین ابوالی ۱۷۲-۱۶۹ |                | سید صاحب ملاحظہ ہو سید احمد شہیدؒ |
| ۱۵۴، ۱۵۳                    | صلاح الدین خدابخش                 | ۳۰، ۲۳، ۲۱، ۱۹ | سید قطب                           |
| ۳۳۴                         | (حضرت) صہیبؓ                      | ۳۰۷، ۲۸۳       | (شیخ) سیف الدین سہروردی           |
| (ط)                         |                                   | ۱۷۷            | (الکامل ظفر) سیف الدین ظفر        |
| (ظ)                         |                                   | ۳۷، ۳۵         | سیل (مترجم قرآن)                  |
| ۴۲                          | (امام) طبرانی                     | (من)           |                                   |
| ۷۵، ۴۲                      | (امام) طبری                       | ۲۸۳            | (سلطان) شاہجہاں                   |
| ۲۹۹                         | (سید) ظریف الدین عظیم آبادی       | ۷۵، ۷۴         | شاہین مکاریوس                     |
| ۲۰۸                         | (مولوی) ظفر علی خاں               | ۲۲۱            | (سٹر) شیرڈ                        |
| (ع)                         |                                   | ۱۱۱            | (حضرت) شہزاد بن ہادیؒ             |
| ۳۴                          | (سیدنا حضرت) عیسیٰ علیہ السلام    | ۳۱۱            | شرلیٹ مک                          |
| ۳۱۶، ۲۴۲، ۲۰۹، ۱۸۶، ۱۵۳، ۳۵ |                                   |                |                                   |

۳۶۶ (حضرت عثمان بن طلحه)

۳۳۳ (حضرت عثمان بن عفون)

۱۲۱ (حضرت عروہ بن مسعود ثقفی)

۵۹ عطارد (ستاره)

۳۶۶، ۱۲۹ (حضرت علی بن طالب)

۳۰۸ (حکیم) علی گیلانی

۱۴۰ (ملطان) عابد الدین زنگی

۳۳۴ (حضرت) عمار

۱۲۹ (حضرت) عمار بن یاسر

۱۰۸ (حضرت) عماره

۱۲۴، ۱۴۸ (حضرت) عمر بن الخطاب

۳۵۹، ۳۳۰، ۲۳۸، ۱۶۲، ۱۲۳، ۱۲۹

۱۱۰ (حضرت) عمر بن جوخ

۱۴۱، ۱۶۴ (حضرت) عمر بن عبدالعزیز

۲۵۲ (حضرت) عمرو بن العاص

۱۸۳، ۱۳۶

۱۰۹ (حضرت) عمر بن حمام انصاری

۱۰۶ (حضرت) قاضی

۳۵۱ (امام) غزالی

۲۸۴ (شاه) غلام علی

۲۸۵ (شیخ) غلام علی آبادی

۳۰۹ (مید) غلام علی بگرامی

۲۸۴ (دیوان) غلام مرتضیٰ

۳۰۳، ۲۸۲ (ملطان) غیاث الدین بلبن

عالمگیر ملاحظہ اورنگ زیب

(حضرت) عامرہ ۱۰۷

(ام المؤمنین) عائشہ ۲۱۴، ۱۲۹

(حضرت) عباس بن عبدالمطلب ۳۶۶

(مولوی) عبدالحکیم شرر ۷۵

(مولانا حکیم) عبدالحی حسنی ۳۰۳

(مولانا) عبدالحی برہانوی ۲۸۴، ۲۸۵

عبد الرحمن کوکبی (شیخ) ۲۳۶، ۲۳۵

(مولانا) عبد الرحیم رامپوری ۲۹۷

عبد الرحیم بنیم خان ۳۱۱، ۳۰۹، ۳۰۸

عبد الرزاق خوانی ۳۰۸

(مولانا شاہ) عبدالعزیز دہلوی ۲۹۶

(مستدعی) عبدالعزیز آصف خان ۳۱۱، ۳۱۰

(شیخ) عبدالقادر جیلانی ۱۵۷

(حضرت) عبدالشہید عبدالشہید ابی ۱۲۶، ۱۲۵

عبد الشہید ابی ۱۲۵

(حضرت) عبدالشہید عباسی ۱۲۹

(حضرت) عبدالشہید عمرہ ۳۴۰

(حضرت) عبدالشہید مسعودی ۱۲۹

(ڈاکٹر) عبدالشہید عباس ندوی ۲۲

(مولانا) عبد الماجد دیبائی ۱۹۹، ۱۹۸

عبد المجید اول ۱۹۴

(حاجی) عبد الوہاب دہلوی ۱۷

غنیہ ۹۰

عقبہ بن ربیعہ ۱۱۹

کسری ۳۴۶۱۲۷۱۱۲۷۷۷۱۳۳

کسری پرویز ۷۴

(حضرت) کعب ابن الکک ۱۲۴

(نواب) کلب علی خاں ۳۱۲

کلبی ۵۹۷۵۸

کلودیس (پادری) ۱۵۳

(سید) کمال الدین عظیم آبادی ۲۹۹

کوپر نیکس ۱۹۲

کونیس ۱۹۳

کیلر ۱۹۲

کینن بری ۲۲۹

(ک)

گاندھی جی (موبن داس کرم چند) ۹۲

گبن ۳۷

(پوپ) گرگری اعظم ۲۱۷-۲۲۰۱۶۳

(ڈاکٹر) گستاوی بان ۵۲۰۵۱۰۴۹۰۳۶

گلیگیو ۵۶

۳۲۱۰۱۹۲

(مہاتما) گوتم بدھ ۵۰۷۴۷

(ل)

لوتھر ملاحظہ ہو مارٹن

(لارڈ) لوتھین ۲۴۲

(ڈاکٹر) لی بان دیکھئے گستاوی بان

(پروفیسر) لیکی ۲۱۵۰۲۱۳۰۲۰۵۰۲۰۲۰۱۹۹

لین پول ملاحظہ ہو ایشینے

لیومو (شاہ روما) ۱۵۳

۲۸۲ (سلطان) غیاث الدین تغلق

(ف)

۳۶۷ (حضرت) فاطمہ

۳۰۸ (علاء) فتح اشیرازی

۴۳ فرخ راد خسرو

۱۱۳ (حضرت) فضا بن عیمر بن لموخ

۲۸۸ (مولانا) فضل رحمن گنج مراد آبادی

۳۹ (شہنشاہ) فوتا (FOTAS)

۳۰۳ (سلطان) فیروز تغلق

(ق)

۲۶۳ قارون

۱۷۸ قازان خاں (عمود)

۶۵ (سید) قاسم حسنی

۱۸۱ قاسم پاشا

۴۲ قباڑ (شاہ ایران)

۶۰ قتادہ

۳۱۷۱۲۰۹۱۲۰۸۱۳۴ قطنین

۱۵۳ قطنین نیم (شاہ روما)

(سید) قطب دیکھئے سید (قطب)

۳۰۲ (خواجہ) قطب الدین بختیار کاکی

۳۱۲ (نواب) قطب الدین خاں

۳۶ قیس

۲۴۶۱۸۲۱۲۷۱۱۲۷۱۳۳ قیصر (بادشاہ)

(ک)

۲۳۸۰۲۳۱ کارل مارکس





|        |                                    |     |                               |
|--------|------------------------------------|-----|-------------------------------|
| ۳۰۸    | زعفرانہ) وجہ الدین بن نصر الشیرازی | ۱۹۳ | موسود النی (ترج)              |
| ۳۱۲    | (نواب) وزیر الدولہ نوکی            | ۱۲  | (پروفیسر) مونٹگمری            |
| ۵۰     | وشتو (دیوتا)                       | ۶۳  | مہلہل (عرب سردار)             |
| ۱۸۸۰۸۱ | (حضرت شاہ) ولی اللہ دہلوی          | ۶۱  | میدانی (احمد النساپوری)       |
| ۲۴۱    | وکتوریہ                            | ۲۵۴ | (لارڈ) میکالے                 |
| ۱۲۸    | ولید                               | ۲۱۱ | (سینٹ) میکیریس اسکندری (راہب) |
| ۳۸     | ولیز (ایچ جی)                      | ۱۹۳ | میگلن                         |
| ۱۹۰    | (سر) ولیم ڈگلی                     |     | (ن)                           |

۵

|        |                        |         |                            |
|--------|------------------------|---------|----------------------------|
| ۱۹۸    | (ڈاکٹر) یاس            | ۳۰۳     | (سلطان) ناصر الدین محمود   |
| ۲۹۷    | (مسٹر) یافنس           | ۲۰۵     | نیمون (سمندر کا دیوتا)     |
| ۵۰     | (راجہ) ہرش             | ۱۸۳     | نیولین                     |
| ۱۲۸۰۴۰ | ہرقل                   | ۱۲۲۰۱۰۸ | نجاتشی                     |
| ۷۸۰۷۷  | ہرمز                   | ۲۱۴     | (امام) نسائی               |
| ۷۸     | ہرمزان                 | ۲۸۲     | (شیخ) نصیر الدین چراغ دہلی |
| ۲۱۷    | (شہنشاہ) ہزی چہارم     | ۲۸۲     | (حضرت) نظام الدین اویا     |
| ۵۰۱۴۱  | ہوٹن یا نگ (چینی سیاح) | ۳۰۸     | (قاضی) نظام الدین بدخشی    |
| ۶۱     | ہینتم بن عدی           | ۲۹۹     | (ملا) نظام الدین کھنوی     |

۵

|           |                               |         |                        |
|-----------|-------------------------------|---------|------------------------|
| ۳۰۵۰۲۶۱   | (سیدنا حضرت) یوسف علیہ السلام | ۱۶۹-۱۷۱ | (سلطان) نور الدین زنگی |
| ۱۷۶       | یاجوج                         | ۷۱      | نوشیروان (خسرو)        |
| ۲۴۲       | یجن                           | ۱۹۲     | نیوٹن                  |
| ۱۳۵۰۷۸۰۷۷ | (شاہ) یزدگرد                  |         | (د)                    |
| ۴۰        | یزدگرد دوم                    | ۱۹۳     | واسکو ڈی گاما          |
| ۲۱۱       | (سینٹ) یوحنا (راہب)           | ۶۳      | وٹل                    |
| ۲۱۱       | (سینٹ) یوئیس (راہب)           | ۵۰      | (راجہ) والی کامروہ     |

[illegible]

۵۳-۵۶ شور - اچھوت  
 ۲۱۴۱۱۲۵۱۱-۱۸۱ شیطان - ابلیس  
 ۳۲۳، ۳۱۹، ۲۷۱، ۲۴۷، ۲۳۲ صحابہ کرامؓ  
 ۱۲۲، ۱۱۶، ۱۱۱، ۱۰۹، ۹۹-۹۹ عثمانی ترک  
 ۳۴-۱۳۲۲، ۲۳۵، ۱۴۰ عثمانی سلاطین  
 ۱۷۷، ۱۶۹-۱۷۱ عجمی  
 ۵۹ (قبیلہ) عبد قیس (قبیلہ)  
 ۱-۷ عثمانی ترک - اکل عثمان  
 ۱۸۲ عثمانی سلاطین  
 ۱۱۵، ۱۰۱-۱۰۹ عجمی  
 ۹۱ عثمان (قبیلہ)  
 ۷۶، ۷۵، ۶۹، ۵۷-۶۳، ۱۹، ۱۶ عرب  
 ۱۳۵-۱۳۸، ۱۱۵، ۱۰۳، ۱-۱۰۹، ۱۹-۱۳۵  
 ۳۵۵، ۳۴۹، ۲۱۳، ۱۷۴، ۱۶۴، ۱۵۴  
 ۳۷-۳۷۲، ۳۶۸، ۳۶۴، ۳۵۹-۳۶۱ علمائے حسین  
 ۳۱- عیسیٰ، مسیح، نصرانی  
 ۶۴، ۴۷، ۳۹، ۳۵  
 ۱۷۷، ۱۸۵، ۱۸۳، ۱۷۰-۱۷۲، ۱۵۳  
 ۲۱۶-۲۱۸، ۲۰۸-۱۰۱، ۱۹۴  
 ۱۲۴ غسان (قبیلہ)  
 ۷۶ غسانی امراء  
 ۳۵۲، ۳۴۱ فرانسیسی  
 ۲۴، ۱۵۹ فرشتے  
 ۹۱ قحطان (قبیلہ)

|                         |                  |
|-------------------------|------------------|
| ۵۵/۵۳                   | چھتری (قبیلہ)    |
| ۶۷/۶۶/۶۴/۵۸             | چیتی - ازبکستان  |
| ۵۹                      | حیر (قبیلہ)      |
| ۱۸۸                     | خاندان قرنگی محل |
| ۵۹                      | خزاع (قبیلہ)     |
| ۱۲۶/۹۸                  | خزرج (قبیلہ)     |
| ۱۶۴                     | خلفائے بنی امیہ  |
| ۱۶۴/۱۶۳/۱۵۷             | خلفائے بنی عباس  |
| ۱۷۱/۱۶۲                 | خلفائے راشدین    |
| ۹۷                      | داحس (قبیلہ)     |
| ۵۵                      | دوج              |
| ۶۷/۶۵/۶۴/۳۲             | رومی - اہل روم   |
| ۱۹۷/۱۴۲/۱۳۵/۸۰/۷۹/۶۹    |                  |
| ۳۵۶/۲۴۳/۲۲۶/۱۳۱/۲۰۴-۲۱۰ |                  |
| ۳۶۱/۳۵۷                 |                  |
| ۱۷۰/۱۶۹                 | زرنگی خاندان     |
| ۷۵/۷۴/۷۱/۷۰/۶۲-۶۴       | سلاطین ایران     |
| ۲۱۸/۲۰۸/۷۸-۷۶/۷۷        | سلاطین روم       |
| ۳۰۳                     | سلاطین گجرات     |
| ۴۷                      | سنگھ             |
| ۶۴                      | سوسی (خاندان)    |
| ۱۲۴/۷۶/۶۹               | سنامی            |
| ۸۲                      | شاپان دہلی       |
| ۳۰۹                     | شاپان صفویہ      |
| ۳۰۴                     | شاپان مائوہ      |

|                             |                               |                   |                                |
|-----------------------------|-------------------------------|-------------------|--------------------------------|
| ۶۵                          | نارنگ (قبیلہ)                 | ۹۴-۹۸۱۹-۱۶۲       | قریش (قبیلہ)                   |
| ۱۲۴                         | نبطی                          | ۳۶۵۱۱۲۸۱۱۲۷       |                                |
| ۶۳                          | دامل (قبیلہ)                  | ۲۶۳               | قوم عاد                        |
| ۶۵                          | وسی گوتہ (قبیلہ)              | ۲۱۵               | قیاصره                         |
| ۵۲                          | ویدی آریہ                     | ۱۷۴               | کرد                            |
| ۵۵، ۵۳                      | ولیش                          | ۵۹                | کنانہ (قبیلہ)                  |
| ۲۹۶، ۲۹۵، ۵۱، ۴۹            | ہندو                          | ۴۳                | کیانی (خاندان)                 |
| ۲۹                          | یورپین۔ اہل یورپ۔ مغربی اقوام | ۵۹                | نعم (قبیلہ)                    |
| ۱۹۴، ۱۹۳، ۱۸۵، ۱۶۶، ۱۲۶، ۴۶ |                               | ۲۶، ۲۵            | مجوسی                          |
| ۳--۲۷۲، ۲۷۱، ۲۲۶، ۲۲۴       |                               | ۴۲                | مزدکی                          |
| ۳۴۳، ۳۳۷، ۳۲۹، ۳۲۱، ۳۲۰     |                               | ۱۷۷، ۱۷۴          | مصری                           |
| ۳۵۵                         |                               | ۸۲، ۴۸            | مغل                            |
| ۱۹۷-۲۰۶، ۱۸۵، ۱۶۶، ۷۰       | یونانی                        | ۸۲                | مغل سلاطین                     |
| ۳۶۱، ۳۴۳، ۲۲۷               |                               | ۳۵                | ملکانی عیسائی (MALKITE)        |
| ۵۶                          | یونانی مؤرخین                 | ۳۵                | مونوفزٹ عیسائی (MONO PHYSITES) |
| ۶۴، ۶۰-۴۳۸-۴۰               | یہود۔ یہودی                   | ۲۵۳، ۱۲۸، ۱۱۶، ۹۸ | ہابزین                         |
| ۲۹۸، ۲۱۷، ۶۵                |                               |                   |                                |

## کتابیات

|                   |                               |                               |                         |
|-------------------|-------------------------------|-------------------------------|-------------------------|
| ۵۸                | بیئۃ النبى من القرآن          | قرآن مجید                     | (الف)                   |
| ۱۴۲               | تاریخ اہل القداء حموی         | آثار الصادق                   | ۲۸۴                     |
| ۲۰۳-۲۰۶، ۱۹۹      | تاریخ اخلاق یورپ              | اربعین (عالمگیر)              | ۳۰۸                     |
| ۲۱۶، ۲۱۱          |                               | ارشاد رحانی                   | ۲۸۴                     |
| ۴۵                | تاریخ اسلام (شیر)             | ازالۃ الخفاء                  | ۱۸۸                     |
| ۴۵، ۴۳            | تاریخ ایران (از مکاریوس)      | اسرار الحجة (رسالہ)           | ۱۸۸                     |
| ۶۴                | تاریخ چین                     | اسلام اینڈ دی ورلڈ            | ۱۱                      |
| ۱۶۹               | تاریخ دعوت و عزیمت            | اقضاء الصراط المستقیم         | ۲۱۴                     |
| ۱-۴، ۴۵-۴۸، ۴۱-۴۳ | تاریخ طبری                    | الانغانی                      | ۳۴۶                     |
| ۳۴                | تاریخ عالم برائے مؤرخین       | الف لیلة                      | ۳۴۸، ۳۴۶، ۳۴۴           |
| ۱۳۲، ۱۳۶          | تاریخ عرب (خطاب (ابن جوزی)    | انجیل                         | ۱۴۴                     |
| ۱۴۶، ۱۴۱          | تاریخ الکمال                  | الانصاف (رسالہ)               | ۱۸۸                     |
| ۱۸۴               | تاریخ مصر                     | ایام العرب                    | ۶۳                      |
| ۲۸۳               | تذکرۃ آدمیہ                   | ایران بھدراسانیان             | ۴۰۴، ۴۰۳، ۴۰۲، ۴۰۱      |
| ۱۵۶               | تذکرۃ علماء                   |                               | ۴۹، ۴۸                  |
| ۱۸۴               | ترکی میں مشرق و مغرب کی کشمکش | (ب)                           |                         |
| ۲۰                | التصویر الفنی فی القرآن       | یا صفت سلیمین و بنیاد خط سقوط | ۱۲                      |
| ۱۲۵               | تفسیر ابن جریر                | بخاری ملاحظہ ہو صحیح بخاری    |                         |
| ۱۱۶               | تفسیر ابن کثیر                | البدایۃ والنہایۃ              | ۱۲۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۹۴       |
| ۱۲۶، ۶۰           | تفسیر طبری                    |                               | ۱۴۸، ۱۴۴، ۱۴۲، ۱۳۶، ۱۲۱ |
| ۱۸۸               | تکمیل الادب ان                | بلوغ الأرب فی احوال العرب     | ۶۱                      |

تلاش ہند (DISCOVERY OF INDIA)

۴۷

تقدیم ہند (گستاوی بان) ۴۶، ۵۱-۴۹

۵۶، ۵۳

(ح) (خ)

۱۸۸، ۸۳، ۷۱ حجة اشراف بالغة

۳۰۹ حاسہ ملاحظہ ہو دیوان

۸۰، ۷۷، ۷۶ خزائن عامہ

۲۰ خطہ اشام

۲۰ الخط المقترب

(ذ) (د)

۲۸۵، ۲۸۴ دار المعارف

۶۲، ۶۰ دیوان اکھاسہ

۲۸۳ ذیل الرقعات

(س) (ش)

۱۵۶ رحلتہ ابن جبیر

۲۹۹ رسالہ قطیبیہ

۲۰۲ ریاست (افلاطون)

۱۲۲، ۱۲۱، ۱۱۳، ۱۱۱، ۱۱۰ زاد المعاد

۱۹۴ زعماء اصلاح فی العصر الحدیث

(س) (ش)

۶۰ سبع مملکات

۵۰ سفرنامہ ہوشن سیانگ

۱۷۰، ۱۷۴ سلطان صلاح الدین (غایت الشریعہ)

۲۵۶، ۲۱۴ سفن الی داؤد

۶۱ سفن الداری

۲۴۷، ۲۱۴ سفن نسائی

۱۲۱ سیرۃ ابن ہشام

۲۸۵ سیرت بید احمد شہید

۱۳۶ سیرۃ عمر ابن الخطاب (ابن جوزی)

۱۴۲

۳۰۸ شرح اربعین

(ص) (ض)

۱۲۳، ۱۱۶، ۱۰۹، ۵۹، ۵۸ صحیح بخاری

۳۶۰، ۲۱۴، ۱۳۷، ۱۳۴، ۱۲۴ صحیح مسلم

۱۲۳، ۱۱۶، ۱۱۰، ۷۱، ۶۱، ۵۰ صحیح مسلم

۳۶۰، ۲۹۳، ۲۸۷، ۲۱۴، ۱۳۴، ۱۲۴ صید الخواطر

۱۵۶ صفحہ الاسلام

۱۵۴، ۱۵۳، ۱۸ ط

۲۳۵ طبائع الاستعداد

۵۹ طبقات الامم

(ع)

۱۸۸ عجقات

۲۱ العدلة الاجتماعیة فی الاسلام

۶۰ العقد الفرید

(ق) (ق)

۳۰۷ فتاویٰ عالمگیری

۱۸ فجر الاسلام

۱۸۱-۱۸۳ فلسفۃ التاریخ العثماني

۲۱۴، ۸۴ مندام احمد

۲۰ شاہد اقیامت فی القرآن

۳۰۵ معالم التنزیل

۲۰۷-۲۱۰ مکرر مذہب و مسائل

۲۱۷

۱۸۰ مفکرین اسلام

۱۸۸، ۱۳۸ مقدمہ ابن خلدون

۴۲ الملل والنحل (الشہرستانی)

۱۸۸ منصب امامت

۲۸۸ منظومہ السعداء

۵۳-۵۶ منشأ شتر

(۵) (ن)

۲۹۹، ۲۹۷، ۲۸۴، ۲۸۳ نزہۃ الخواطر

۲۰ النقد الأدبی

۱۹۳ نئی ایجادات کی تاریخ

۲۸۷ وقایع احمدی

۵۲-۵۴، ۴۹ وید

(۵) (ی)

۴۷ ہندوستانی تمدن

۲۳۴، ۲۳۳ ہوائی حملہ (آغا اشرف دہلوی)

۳۰۳ یادایام (تاریخ گجرات)

۱۸۸

۱۹۰

تاریخ الکمال

۵۹، ۵۸

۶۱

۱۸۶

۱۴۲

۶۰

۲۲۹

۲۱۴

۳۵۱

۱۵۶

۳۰۸

۲۳، ۱۶

۲۸۶

۸۴

صحیح مسلم

۲۳، ۲۱

القوز الکبیر

قانون تہذیب و الخطا

(۵) (ل)

الکمال دیکھ

کتاب الامام

کتاب الاغانی

کتاب پیدائش

کتاب المجالس

کتاب المحقق

کتاب مقدس

کتاب التیوبات

کیمیائے سعادت

لغت الکبیر

(۳)

آثار الامراء

اذا خسر العالم

مخزن احمدی

مستدرک حاکم

مسلم

مسلماؤں کے تنزیل سے دنیا کو کیا نقصان

پیونچا

الف

|                        |                             |
|------------------------|-----------------------------|
| ۸-۶۷۷۱۷-۷۴۶۶۶۴۶۳       | (الف)                       |
| ۱۲۹۱۷۸۱۳۵۱۲۸۹۱۹-۱۸۴    | اٹلی                        |
| ۳۶۴۱۳۵۱۳۲۵۱۹۱          | اصد (پہلا)                  |
| ۱۸۳۱۸۲۶۳۱۲۸۱۳۸۱۲ ایشیا | اردن                        |
| ۳۱۸۱۲۰۲                | آرمینہ (فارنگیوں)           |
| ۱۸۲                    | اسکاٹ لینڈ                  |
| ۲۳۴                    | اطلس (کوه)                  |
| (ب)                    | افریقہ                      |
| ۷۰                     | افغانستان                   |
| ۲۸۸۱۲۸۵                | الاباد                      |
| ۱۸۲                    | امروہہ                      |
| ۲۴۴                    | امریکہ                      |
| ۱۶                     | ام القریٰ طاحطو کزاکرہ      |
| ۱۸۲                    | اندس - اسپین (SPAIN)        |
| ۱۸۲۱۱۶                 | ۳۲۸۱۸۲۱۵۳                   |
| ۱۸۲                    | انطاکیہ                     |
| ۲۸۹۱۲۸۴۱۱۹۲            | انگلستان (انگلیڈ - برطانیہ) |
| ۳۲۳۱۲۳۵۱۲۲۱۰۹          | ۳۲۹۱۲۳۰۱۲۱۸۱۹۰              |
| انگلستان دیکھئے        | اودہ                        |
| ۱۲۲                    | آئرلینڈ                     |
| ۲۹۷۱۲۸۴                | ایڈنبرا                     |
| ۲۸۲                    | ایران فارس                  |



|                      |                   |                           |                              |
|----------------------|-------------------|---------------------------|------------------------------|
| ۱۵۳                  | تورین             | ۳۴۶، ۲۸۴، ۱۷۸، ۱۷۶، ۱۵۶   | بغداد                        |
| ۴۶                   | کلسلا             | ۲۸۶                       | بنارس                        |
| ۳۱۲                  | ٹونک              | ۲۸۵، ۱۹۰                  | بنگال                        |
|                      | (ج) (ج)           | ۲۱۸                       | بوسنیا                       |
| ۲۷۳-۷۵، ۶۵           | جاپان             | ۲۸۵                       | بہار                         |
| ۱۷۷                  | جالت              | ۲۸۴                       | بہرائج                       |
| ۲۸۴                  | جائش              | ۳۱۲                       | بھوپال                       |
| ۳۱۸، ۲۰۶             | جرمن              | ۱۱۳، ۵۸                   | بیت الشریف - خانہ کعبہ       |
| ۱۹۵                  | اچھڑاڑ            | ۳۶۶، ۱۵۶                  |                              |
| ۲۱۹، ۶۵              | جرائر برطانیہ     | ۱۶۹-۱۷۲، ۶۴               | بیت المقدس                   |
| ۳۵۹، ۳۵۵، ۲۸۹، ۲۶۳   | جزیرہ عرب         | ۲۶۵                       | BIG BEN (بڑا گھنٹہ گھر لندن) |
| ۱۸۲                  | جزیرہ نمائے بلقان |                           | (پ)                          |
| ۱۹۸                  | جنیوا             | ۲۳۴                       | پامپی آئی                    |
| ۳۲۸، ۲۸۴، ۶۷، ۵۸، ۲۵ | چین               | ۲۸۶                       | پٹنہ                         |
|                      | (خ) (ح)           | ۱۸۲                       | پٹنکال                       |
| ۲۸۴، ۲۷۴، ۱۲۸، ۹۰    | حبشہ - حبش        | ۲۸۴                       | پشاور                        |
| ۶۰، ۱۸، ۱۶           | حجاز              | ۱۹۰                       | پلاسی (جنگ)                  |
| ۱۲۱                  | حدیبیہ            | ۲۸۴                       | پنجاب                        |
| ۳۱-۱۵۸               | حرم شریف          | ۲۸۵                       | پونہ                         |
| ۳۱۰، ۲۸۳             | حرمین شریفین      | ۲۷۱                       | پیرس                         |
| ۲۸۴                  | حصار              |                           | (ت) (ط)                      |
| ۱۷۱-۱۷۳              | حطین (فلسطین)     | ۲۸۴                       | تاقتند                       |
| ۳۰                   | حلوان (مصر)       | ۱۲۳                       | تینوک                        |
| ۲۸۵                  | حیدرآباد          | ۱۹۵، ۱۷۸                  | ترکستان                      |
| ۷۷، ۷۶               | حیرہ              | ۳۱۱، ۱۹۰-۱۹۵، ۱۸۵، ۷۷، ۱۲ | ترکی                         |
|                      |                   | ۳۵۱                       |                              |

|                              |                            |                             |                      |
|------------------------------|----------------------------|-----------------------------|----------------------|
| ۲۰۴                          | س                          | ۲۸۴                         | خانقاہ مجددیہ - دہلی |
| ۱۷۵                          | سارنگ پور                  | بیت الشریف                  | خانہ کعبہ دیکھیے     |
| ۲۸۴، ۲۸۳                     | مد سکنڈری                  | ۱۱۱                         | خیبر                 |
| ۲۸۹، ۲۸۴                     | مرہند                      | ۱۲۰                         | دارابن ارم           |
| ۲۸۴                          | سمرقند                     | ۱۶                          | دجلہ                 |
| ۲۸۲                          | سبھل                       | ۱۷۳                         | دریائے اردن          |
| ۳۰۹                          | سنجہ                       | ۱۸۲                         | دریائے صاودہ (SAVA)  |
| ۲۴۲                          | روی کلیسا                  | ۳۵۴، ۱۸۲                    | دریائے نیل           |
| ۲۶۵                          | یلون                       | ۳۰۹، ۳۰۷                    | دکن                  |
|                              | ش                          | ۳۴۶                         | دمشق                 |
| ۶۸-۷۰، ۶۴، ۶۳، ۳۵، ۱۸        | شام                        | ۲۸۵                         | دو آب                |
| ۱۲۸، ۹۵، ۸۴، ۷۹، ۷۶، ۷۵      |                            | ۲۸۹، ۲۸۲-۲۸۴، ۱۸۲           | دہلی                 |
| ۳۵۶، ۲۸۴، ۱۷۷، ۱۷۳، ۱۶۶      |                            | ۲۸۵                         | ڈھاکہ                |
|                              | شرق اوسط                   |                             | س                    |
|                              | ملاحظہ فرمائیے             |                             | سن                   |
| ۶۴                           | ص                          | ۳۱۲، ۲۹۷، ۲۸۴               | رامپور               |
| ۲۸۵                          | صلیب مقدس                  | ۱۷۳، ۱۷۲                    | رملہ                 |
| ۱۷۳                          | صوبہ متحدہ                 | ۳۴۸، ۳۲۹، ۳۱۹               | روس                  |
| ۱۷۳                          | صور (فلسطین)               | ۶۷-۷۰، ۶۳، ۶۴، ۳۵           | روم - روما           |
| ۱۷۳                          | طیفون دیکھیے               | ۱۸۲، ۱۵۳، ۹۰، ۱۸-۱۷، ۷۷     |                      |
|                              | ع                          | ۲۳۶، ۲۱۴، ۲۱۱-۲۰۸، ۲۰۵، ۲۰۳ |                      |
| ۲۹، ۲۸                       | عالم اسلامی - اسلامی ممالک | ۳۶۴، ۳۱۶، ۲۸۴، ۲۳۴، ۲۲۷     |                      |
| ۱۸۷، ۱۸۵، ۱۷۹، ۱۷۸، ۱۶۹-۷۵   |                            | ۲۹۷                         | روسیکھنڈ             |
| ۳۲۵، ۲۸۱، ۱۹۳، ۱۹۱، ۱۸۹، ۱۸۸ |                            | ۳۶۶                         | زمرم                 |
| ۳۲۸-۳۲۰، ۳۲۲، ۳۲۰            |                            |                             |                      |
| ۳۷۳، ۳۶۲، ۳۵۴                |                            |                             |                      |

|                       |                 |                              |                            |
|-----------------------|-----------------|------------------------------|----------------------------|
| ۳۴۶                   | قاہرہ           | ۴۶                           | عجائب خانہ نکسلا           |
| ۱۷۲                   | قنبہ صحرہ       | ۳۵۹، ۳۵۱، ۱۲۸                | عجم                        |
| ۱۳۱۱، ۱۹۲۱، ۸۰-۸۳، ۶۴ | قطنطیہ          | ۳۵۵، ۱۷۸، ۱۷۷، ۱۲۸، ۷۵       | عراق                       |
| ۱۸۳                   | تفقاز           | ۳۵۶                          | عرب عالم عربی، ممالک عربیہ |
| ۲۱۷                   | قلعہ کانوسا     | ۱۹، ۱۶، ۱۵                   | عرب عالم عربی، ممالک عربیہ |
| ۳۰۴                   | قلعہ مالوہ      | ۱۹۳، ۱۳۵، ۹۵، ۹۴، ۹۰، ۶۱، ۲۵ |                            |
| ۱۲                    | قندھار          | ۳۷۳، ۳۶۲، ۳۶۱، ۳۵۴-۵۹        |                            |
| ۳-۷، ۲۸۴              | قندھار          | ۶۲                           | عراق (میدان)               |
| ۵۰                    | قنوج            | ۲۳۸                          | عیش بدر                    |
|                       | کابل (۵)        | ۲۸۶، ۲۸۵                     | عظیم آباد                  |
| ۳-۷، ۲۸۴              | کابل            | ۱۷۲                          | عکہ                        |
| ۲۹۵                   | کماندرہ         | ۱۷۷                          | عین جالوت                  |
| ۱۹۰                   | کرناٹک          |                              | ع (۶)                      |
| ۲۸۵                   | کشمیر           | ۲۸۶                          | غازی پور                   |
| خانہ اکبر             | کعبہ            | ۲۸۴                          | غزنی                       |
| ۲۸۷، ۲۸۶              | کھٹک            | بستی                         | غیاث پور                   |
| ۲۳۲                   | کلیساے انگلستان |                              | ف (۷)                      |
| ۱۸۲                   | کوہ اطلس        | ایران                        | فارس                       |
| ۶۴                    | کیبیدوشیا       | ۷۹                           | فارنگیوں (علاقہ آرمینیہ)   |
|                       | ک (۸)           | ۱۶                           | فرات                       |
| ۳۰۹، ۳۰۸              | کرات            | ۳۴۱، ۲۱۷، ۱۶۵، ۱۳۸           | فرانس                      |
| ۲۸۴                   | گورکھ پور       | ۷۵                           | فرش بہار (ایرانی)          |
|                       | ل (۹)           | ۱۸۸                          | فرنگی محل (کھنڈ)           |
| ۲۸۴، ۲۸۳              | لاہور           | ۳۵۴، ۱۶۹-۷۱، ۱۸، ۱۵          | فلسطین                     |
| ۲۸۴، ۱۲               | لکھنؤ           |                              | ق (۱۰)                     |
| ۲۷۱، ۲۶۵، ۲۳۳، ۱۹۰-۱۱ | لندن            | ۱۸۱                          | قاسم پاشا (قطنطیہ)         |



۳۵۰-۵۴۳، ۳۴۸، ۳۴۲، ۳۳۲

۳۷۳، ۳۶۲، ۳۶۱، ۳۵۷

یونان ۲۲۶، ۲۰۳، ۲۰۲، ۱۹۹، ۶۳

۳۵۱، ۳۱۶، ۲۳۴، ۲۲۷

۱۹۹، ۱۹۰-۹۶، ۱۸۸، ۱۸۱-۸۶

۲۲۳-۲۷، ۲۱۸-۲۰، ۲۰۶، ۲۰۲

۲۶۴، ۲۵۶، ۲۴۸، ۲۳۶-۲۴، ۲۳۲

۳۱۲، ۲۹۹-۳۰۱، ۲۹۰-۲۷۸، ۲۷۱

۳۳۱، ۳۲۳، ۳۲۱، ۳۱۹، ۳۱۸، ۳۱۶

## متفرقات

۱۹۳ دارالہلال مصر

۳۵ رومن کیتھولک

۲۸۳ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ

۳۵۸ عرب لیگ

۱۹ قاہرہ یونیورسٹی

۲۲۹ کاؤت فیکٹری (یورپ)

۱۹، ۱۸، ۱۷ بحوثہ التألیف والترجمہ والنشر-قاہرہ

۲۲۸، ۱۱ لندن یونیورسٹی

۱۷ کتب خانہ عبدالوہاب دہلوی بک معظہ

۱۷ کتب خانہ مولانا عبد الماجد دریابادی

۱۸ کلیۃ الادب-جامعہ مصریہ-قاہرہ

۱۲ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام-لکھنؤ

۱۸۵ مدرسہ سلیمانہ ترکی

۱۸۵ مدرسہ فاتح ترکی

مذہب و نظریات

۳۱۷ استعمار-امپیرلزم

ادارے تحریریں اور کتب خانے

۱۹، ۱۶ الاخوان المسلمون

۱۹۴ انجینئرنگ کالج (ترکی)

۱۲ ایڈنبرا یونیورسٹی

۲۸۵، ۲۸۴ ایسٹ انڈیا کمپنی

۲۳۴ ایمنی تحیض

۲۹۷ بریلی کالج-بریلی

۲۳۲ بنگ آف انکلیڈ

۲۱، ۱۹ جامعہ ازہر-مصر

۲۲ جامعۃ أم القرى-مکہ مکرمہ

۱۱۸ جامعہ مصریہ-قاہرہ

۱۲ جلسات علمی اسلام شناسی-قم

۱۹ جامعہ الازہر للنشر والتالیف

۲۸۴ خانقاہ مجددیہ (دہلی)

۲۰ دارالعلوم مصر

۲۲، ۱۲ دارالعلوم ندوۃ العلماء

۱۹۸۱/۸۵-۸۷ فلسفہ ارسطو

۱۶۷ فلسفہ اشراق

۲۰۰۱/۸۶، ۱۶۷ فلسفہ الہیات

۲۲۸، ۲۲۱-۲۵۰، ۲۲۶ قومیت و وطنیت

۲۲۹

۸۴ بحوث

۲۲ مصری افلاطونیت

۲۴۱، ۲۴۰ نظریہ ارتقاء

۵۷ وحدانیت

۲۳۹، ۲۳۸، ۱۶۷ وحدۃ الوجود

۲۹، ۲۶، ۲۵ ہندو مت - ہندو مذہب

۳۲ یونانی فلسفہ، یونانی تحریک، یونانی خرافات

۲۰۰۱/۹۹، ۱۸۵

۲۵ یہودیت

سماج، تہذیب و تمدن اور معاشرہ

۲۹۳، ۱۵۴، ۱۱۶ اسلامی معاشرہ و تمدن

۳۱۳ برہمنی تہذیب

۵۳ رومی معاشرہ و تمدن

۱۹۷، ۱۵۳، ۷۲

۲۲۷، ۲۰۴، ۲۰۳ مغربی تہذیب نظام فکر

۱۹۷، ۱۸۶، ۷۲، ۱۱۲

۲۱۹، ۲۹، ۱۲۸، ۲۷۹، ۲۳۵، ۲۲۸، ۱۹۹

۳۶۱ ہندوستانی سماج

۵۶، ۵۵، ۵۳ یونانی تمدن

۲۲۷، ۲۰۴، ۱۹۷، ۹۹، ۱۵۳

سلطنتیں اور ادوار حکومت

۳۵۸، ۹۰ ایرانی سلطنت

اسلام، کتاب، اکثر صفحات میں

۳۲۷، ۳۲۵، ۳۲۳، ۳۲۸ اشتراکیت، مزدکیت

۳۶۱، ۳۳۸

۳۲۷ اشتعالیت

۱۹۹ باطنیت

۱۵۲، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۰ بیت پرستی

۳۱۷، ۲۰۹، ۲۰۸، ۱۵۳

۲۷، ۲۶ برہمنیت

۶۵، ۴۶، ۵۰ بودھ مت

۵۲ پتلیا

۹۴، ۹۳، ۸۶، ۵۸، ۲۵، ۱۳ جاہلیت

۳۲۷، ۲۳۶، ۲۲۶، ۱۶۲، ۱۵۰، ۱۲۹، ۱۳۱

۲۷، ۳۶۶، ۳۵۷، ۳۴۶، ۳۲۹، ۳۲۸

۳۲۷ جمہوریت

۵۲ جگ

۵۰ جینی مذہب

۲۶، ۱۷، ۲۱۵، ۲۱۲، ۲۱۱، ۳۲ رسائییت

۳۲ رومی بیت پرستی

۳۵ رومن کیتھولک

۵۶ سنی

۱۹۱ شیعیت

۹۲ عدم تشدد (نظریہ گاندھی جی)

۳۵۵ عربی قومیت

۳۲، ۲۵ عیسائیت، نصرانیت، دین مسیح

۲۱۸، ۲۱۵، ۲۱۴، ۲۰۹، ۲۰۸، ۱۸۶، ۱۸۶

۲۳۲، ۲۳۶، ۲۲۷، ۲۲۶

|           |                            |                 |                                      |
|-----------|----------------------------|-----------------|--------------------------------------|
| ۱۲۳       | غزوہ تنوک                  | ۱۸-۱۷۲۱۳۷       | بازنطنبی حکومت                       |
| ۱۸۰       | فتح قسطنطنیہ ۵۸۵۳<br>۶۱۴۵۳ | ۵۶              | برہمنی زمانہ                         |
| ۱۴۲       | فتح مدائن                  | ۱۹۲۱۶۵۱۵۸۱۱۱    | خلافت راشدہ                          |
| ۳۶۶       | فتح مکہ                    | ۶۶۱۶-۷۵۷        | دورِ جاہلیت۔ زمانہ جاہلیت            |
| ۱۲۱۱۱-۱-۹ | معرکہ اُحد                 | ۷۹۱۷۵۶۷۷-۶۹۱۳۵  | رومی سلطنت                           |
| ۲۳۵۱۲۲۱-۹ | معرکہ بدر                  | ۳۵۸۱۳۵۶۱۹-      |                                      |
| ۱۱۱       | معرکہ خیبر                 | ۱۹۴۱۸۹۱۸۲       | سلطنت عثمانیہ                        |
| ۱۷۰       | واقعہ ارتداد               | ۱۹۱             | صفوی سلطنت                           |
| ۹۷        | یوم الفجار                 | ۲۸۳             | عہدِ جاہلیگری                        |
|           | دیگر متفرقات               | ۳۵۱             | عہدِ عباسی                           |
|           |                            | ۳۵۶             | کیانی حکومت                          |
| ۲۱۱       | الہیٹر (تہوار)             | ۱۸۹             | مغلیہ سلطنت                          |
| ۷۶        | بربط (سامانِ طرب)          | ۵۶۷۵۲۷۹         | ویدی زمانہ                           |
| ۱۴۲       | تناج کسریٰ                 |                 |                                      |
| ۲۹۹       | درس نظامی                  |                 | اہم و تاریخی واقعات، حوادث اور جنگیں |
| ۵۹        | سہیل (ستارہ - بیت)         | ۳۴۲۱۳۴۱         | انقلابِ فرانس                        |
| ۵۹        | شعری (ستارہ - بیت)         | ۳۱۲             | انقلابِ ہند ۱۸۵۷ء                    |
| ۵۹        | عطارد (ستارہ - بیت)        | ۱۵۵۷۸۶۸۵۷۱۱۷۱۱۷ | بعثتِ محمدیؐ                         |
| ۷۱        | فرانک طلائی (سکہ)          | ۳۱۲۷۹۸          | جنگِ یغاث                            |
| ۱۴۲       | فرشِ بہار (ایرانی)         | ۱۹۰             | جنگِ پلاسی                           |
| ۷۱        | شغال (وزن)                 | ۱۲۹             | جنگِ سوتہ                            |
| ۵۹        | شتری (ستارہ - بیت)         | ۲۸۵             | حادثہِ بالاکوٹ ۱۲۴۷ھ                 |
| ۷۹        | مہرگان (تہوار)             | ۲۷۳۱۹۴۵         | حادثہِ ہیروئیشیا ۱۹۴۵ء               |
| ۷۹        | نوروز (تہوار)              | ۱۷۹۱۷۶۷۷۷       | حلاۃِ تاتار                          |
| ۵۹        | ویران (ستارہ - بیت)        | ۳۲۳۱۶۹۷۷-۷۷     | میلیبی جنگ                           |

|  |     |     |                 |
|--|-----|-----|-----------------|
| Kepler                                 | ... | ... | 192             |
| Leopold Weiss (Mohd. Asad)             | ... | ... | 206, 300        |
| Loire                                  | ... | ... | 65              |
| Lothian, Lord                          | ... | ... | 242             |
| Machiavelli                            | ... | ... | 225             |
| Magdian                                | ... | ... | 193             |
| Making of Humanity, The                | ... | ... | 38, 68, 72, 154 |
| Malkite                                | ... | ... | 35              |
| Man the Unknown                        | ... | ... | 266             |
| Martin Luther                          | ... | ... | 242             |
| Mohammad Asad                          | ... | ... | 148             |
| Monophysites                           | ... | ... | 33              |
| Neptune                                | ... | ... | 205             |
| Neo-Platonism                          | ... | ... | 34              |
| Newton                                 | ... | ... | 192             |
| Origin of Species                      | ... | ... | 240             |
| Peter the Great                        | ... | ... | 182             |
| Philosophy of our Times                | ... | ... | 230, 231        |
| Phocas                                 | ... | ... | 19              |
| Plesch, Prof.                          | ... | ... | 275             |
| Rhys Davis, Mrs                        | ... | ... | 47              |
| Robert Briffault                       | ... | ... | 67, 72, 154     |
| Sale                                   | ... | ... | 35, 37          |
| Sale's Translation (of the Holy Quran) | ... | ... | 35, 37          |
| Samuel Butler                          | ... | ... | 230             |
| Sava, R                                | ... | ... | 182             |
| Short History of the World             | ... | ... | 38              |
| Spain                                  | ... | ... | 38              |
| Stanley Lane-Poole                     | ... | ... | 169             |
| Statesman (Newspaper), The             | ... | ... | 275             |
| Stuart Gilder                          | ... | ... | 273             |
| The Messenger                          | ... | ... | 63              |
| Vasco da Gama                          | ... | ... | 193             |
| Visigoths                              | ... | ... | 65              |
| Volney                                 | ... | ... | 193             |



# INDEX

## "INSANI DUNYA PAR MUSALMANON KE UROOJ-O-ZAWAL KA ASAR"

|  |  |                         |            |
|--|--|-------------------------|------------|
| Alexis Carrel  | ...  | ...                     | 266        |
| Alfred J. Butler                                     | ...  | ...                     | 76, 38     |
| Arab's Conquest of Egypt, The                        | ...  | ...                     | 36, 40, 69 |
| Augustine, St.                                       | ...  | ...                     | 205        |
| Augustus,  | ...  | ...                     | 205        |
| Baron Carra de Vaux                                  | ...  | ...                     | 180        |
| Bodley, R. V. C.                                     | ...  | ...                     | 63         |
| Bonosus  | ...  | ...                     | 39         |
| Bruno  | ...  | ...                     | 192, 221   |
| Big Ben, London                                      | ...  | ...                     | 265        |
| Canon Barry  | ...  | ...                     | 229        |
| Cappadocia   | ...  | ...                     | 64         |
| Claudius   | ...  | ...                     | 153        |
| Cicero   | ...  | ...                     | 205        |
| Columbus   | ...  | ...                     | 193        |
| Copernicus   | ...  | ...                     | 192        |
| Cyrus  | ...  | ...                     | 36         |
| Desralli   | ...  | ...                     | 269        |
| Discovery of India                                   | ...  | ...                     | 47         |
| Dutt, R. C.  | ...  | ...                     | 55         |
| Encyclopaedia Britannica                             | ...  | ...                     | 170        |
| Galileo  | ...  | ...                     | 192, 221   |
| Germanicus   | ...  | ...                     | 205        |
| Gibbon   | ...  | ...                     | 37         |
| Gregory the Great                                    | ...  | ...                     | 64         |
| Guide to Modern Wickedness                           | 228, 229, 231, 211, 246, 250, 266,<br>269, 270 |                         |            |
| H. G. Wells  | ...  | ...                     | 38         |
| Heraclius  | ...  | ...                     | 40, 128    |
| Historian's History of the World                     | ...  | ...                     | 37, 43     |
| History of the Decline and Fall of Roman Empire, The | ...  | ...                     | 37, 40     |
| Inside Europe  | ...  | ...                     | 231        |
| Islam & the World                                    | ...  | ...                     | 11         |
| Islam at the Cross-Road                              | ...  | 148, 206, 227, 228, 302 |            |
| Joad, Prof.  | ...  | ...                     | 228, 210   |
| Karl Marx  | ...  | ...                     | 231, 238   |